ٹائیٹل بار اوّل

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ
اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا
اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِيْنَ سَلَاسِلَ اَغْلَالًا وَّسَعِيْرًا

بحمد اللہ کہ این کحل الجواہر شد از کوہ صواب و صدق ظاہر

متاب از سرمہ رو گر روشنی چشم مے باید | کہ عاقل از دل و جان دوست دارد چشم بینا را

از تالیفات مرزا **غلام احمد** صاحب مؤلف براہین احمدیہ درباره

ردّ اصول وید و اثبات حقیت اصول قرآن شریف بوعدہ انعام پانسو روپیہ

اس ہندو یا آریہ کے لئے جو اس رسالہ کا ردّ لکھکر دکھلادے

ریاض ہند پریس امرتسر مین باہتمام
شیخ نور احمد صاحب مالک و مہتمم کے طبع ہوا

بار اول ایکہزار جلد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اشتہار واجب الاظہار

یہ رسالہ **کحل الجواھر سرمہ چشم آریہ** نہایت صفائی سے چھپ کر ایک روپیہ بارہ آنہ[۱۲] اس کی قیمت عام لوگوں کے لئے قرار پائی ہے اور خواص اور ذی استطاعت لوگ جو کچھ بطور امداد دیں ان کے لئے موجب ثواب ہے کیونکہ سراج منیر اور براہین کے لئے اسی قیمت سے سرمایہ جمع ہوگا اور اس کے بعد رسالہ **سراج منیر** انشاءاللہ القدیر چھپے گا پھر اس کے بعد پنجم حصہ کتاب براہین احمدیہ چھپنا شروع ہوگا جو بعض لوگ توقف طبع کتاب **براہین** سے مضطرب ہو رہے ہیں ان کو معلوم نہیں کہ اس زمانہ توقف میں کیا کیا کارروائیاں بطور تمہید کتاب کے لئے عمل میں آئی ہیں ۴۳ ہزار کے قریب اشتہار تقسیم کیا گیا اور صدہا جگہ ایشیا و یورپ و امریکہ میں خطوط دعوتِ اسلام اردو انگریزی میں چھپوا کر اور رجسٹری کرا کر بھیجے گئے جن کا تذکرہ انشاءاللہ پنجم حصہ میں آئے گا۔ **و انما الاعمال بالنیّات** ۔ بااین ہمہ اگر بعض صاحب اس توقف سے ناراض ہوں تو ہم ان کو فسخ بیع کی اجازت دیتے ہیں وہ ہم کو اپنی خاص تحریر سے اطلاع دیں تو ہم بدیں شرط کہ جس وقت ہم کو ان کی قیمت مرسلہ میسر آوے اس وقت باخذ کتاب واپس کر دیں گے بلکہ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ایسے صاحبوں کی ایک فہرست طیار کی جائے اور ایک ہی دفعہ سب کا فیصلہ کیا جائے اور یہ بھی ہم اپنے گذشتہ اشتہار میں لکھ چکے ہیں اور اب بھی ظاہر کرتے ہیں کہ اب یہ سلسلہ تالیف کتاب بوجہ الہامات الٰہیہ دوسرا رنگ پکڑ گیا ہے اور اب ہماری طرف سے کوئی ایسی شرط نہیں کہ کتاب تین سو جُز تک ضرور پہنچے بلکہ جس طور سے خدائے تعالیٰ مناسب سمجھے گا کم یا زیادہ بغیر لحاظ پہلی شرائط کے اس کو انجام دے گا کہ یہ سب کام اسی کے ہاتھ میں اور اسی کے امر سے ہے۔ واجب تھا ظاہر کیا گیا۔ **و السلام علی من اتبع الھدی۔ المشتھر**

خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان
ضلع گورداسپور پنجاب

سُرمہ چشم آریہ

﴿۱﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَالُوۡا سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ [۱]

اے دلبر و دلستان و دلدار و اے جانِ جہان و نورِ انوار
لرزاں زِ تجلّیت دل و جان حیران زِ رخت قلوب و ابصار
در ذاتِ تو جُز تحیّرے نیست ہنگامِ نظر نصیب افکار
در غیبی و قدرتت ہویدا پنہانی و کارِ تو نمودار
دوری و قریب تر زِ جان ہم نوری و نہاں تر از شبِ تار
آں کیست کہ منتہائے تو یافت و آں کو کہ شود محیطِ اسرار
کردی دو جہاں عیاں زِ قُدرت بے مادہ و بے نیازِ انصار

[۱] البقرة : ۳۳

﴿۲﴾

و آیں طرفہ کہ ہیچ کم نہ گردد با آنکہ عطائے تُست بسیار
حُسنِ تو غنی کند زِ ہر حُسن مہر تو بخود کشد زِ ہر یار
حسنِ نمکینت ار نہ بُودی از حُسن نہ بُودی، ہیچ آثار
شوخی زِ تو یافت روئے خوبان رنگ از تو گرفت گُل بہ گُلزار
سیمین ذقنان کہ سیب دارند آمد ز ہمان بلند اشجار
ایں ہر دو ازان دیار آئید گیسوئے بُتان و مشکِ تاتار
از بہر نمائش جمالت بینم ہمہ چیز آئینہ دار
ہر برگ صحیفۂ ہدایت ہر جوہر و عرض شمع بردار
ہر نفس بتو رہے نماید ہر جان بدہد صلائے این کار
ہر ذرّہ فشاند از تو نُورے ہر قطرہ براند از تو انہار
ہر سو زِ عجائب تو شورے ہر جا زِ غرائب تو اذکار
از یادِ تو نورہا بہ بینم در حلقۂ عاشقانِ خون بار
آنکس کہ بہ بند عشقت اُفتاد دیگر نہ شنید پندِ اغیار
اے مونسِ جان چہ دلستانی کز خود بربودیم بہ یکبار
ازیاد تو ایں دلے بغم غرق دارد گُہرے نہاں صدف وار
چشم و سرِ ما فدائے رُویت جان و دلِ ما بتو گرفتار
عشقِ تو بہ نقد جان خریدیم تا دم نہ زند دگر خریدار
غیراز تو کہ سرزدے زِجیبم در برجِ دلم نماند دیّار
عمریست کہ ترکِ خویش و پیوند کردیم و دمے جز از تو دشوار (بسنے والا)

ہزار ہزار شکر اُس قادرِ مطلق کا جس نے انسان کی رُوح اور ہر یک مخلوق اور ہر ذرّہ کو محض اپنے ارادہ کی طاقت سے پیدا کر کے وہ استعدادیں اور قوتیں

﴿۳﴾ اور خاصیتیں اُن میں رکھیں جن پر غور کرنے سے ایک عجیب عالم عظمت اور قُدرتِ الٰہی کا نظر آتا ہے اور جن کے دیکھنے اور سوچنے سے معرفت الٰہی کا کامل دروازہ کھلتا ہے۔ اُسی قادرِ توانا کی مدح اور حمد میں محو رہنا چاہیئے جس کی ایجاد کے بغیر کوئی ایک چیز بھی موجود نہیں ہوئی وہی ایک ذات عجیب الحکمت وعظیم القدرت ہے جس کے فقط حکمی طاقت سے جو کچھ وجود رکھتا ہے پیدا ہوگیا۔ ہر ایک ذرہ اَنْتَ رَبِّی اَنت رَبّی کی آواز سے زبان کشا ہے۔ ہر ایک جان انت مالکی انت مالکی کی شہادت سے نغمہ سرا ہے۔ وہی حکیمِ مطلق ہے جس نے انسانی روحوں کو ایک ایسا پُر منفعت جسم بخشا کہ جو اِس جہان میں کمالات حاصل کرنے اور اُس جہان میں اُن کا پورا پورا حظ اُٹھانے کے لئے بڑا بھارا یار و مددگار ہے۔ روح اور جسم دونوں مل کر اس کے وجود کو ثابت کر رہے ہیں۔ اور ظاہری باطنی دونوں قوتیں اُس کی شہادت دے رہی ہیں۔ وہی محسنِ حقیقی ہے جس نے وفاداری سے ایمان لانے والوں کو ہمیشہ کی رستگاری کی خوشخبری دی اور اپنے صادق عارفوں اور سچے محبوں کے لئے اس جنتِ دائمی کا وعدہ دیا جو بدرجۂ اکمل واتم مظہر العجائب ہے جس کی نہریں اسی دنیوی حیات میں جوش مارنا شروع کرتی ہیں۔ جس کے درخت اسی جگہ کی آبپاشی سے نشو ونما پاتے جاتے ہیں۔ اُسکی قدرت وحکمت ہر جگہ اور ہر چیز میں موجود ہے اور اُس کی حفاظت جو ہر یک چیز کے شامل حال ہے اُسکی عام خالقیت پر گواہ ہے۔ اس کی حکیمانہ طاقتیں بے انتہا ہیں کون ہے جو اُنکی تہ تک پہنچ سکتا ہے۔ اُس کی قادرانہ حکمتیں عمیق در عمیق ہیں۔ کون ہے جو اُن پر احاطہ کرسکتا ہے۔ ہر یک چیز کے اندر اُسکے وجود کی گواہی چھپی ہوئی ہے۔ ہر یک مصنوع اُس صانع کامل کی راہ دکھلا رہا ہے۔ موجود بوجود حقیقی وہی ایک رب العالمین ہے اور باقی سب اُس سے پیدا اور اُس کے سہارے سے قائم

﴿۴﴾ اور اُس کی قدرتوں کے نقشِ قدم ہیں۔

کس قدر ظاہر ہے نور اُس مبدء الانوار کا
بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا

چاند کو کل دیکھ کر میں سخت بے کل ہوگیا
کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اس میں جمال یار کا

اُس بہارِ حُسن کا دل میں ہمارے جوش ہے
مت کرو کچھ ذکر ہم سے تُرک یا تاتار کا

ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف
جس طرف دیکھیں وہی رہ ہے ترے دیدار کا

چشمۂ خورشید میں موجیں تری مشہود ہیں
ہر ستارے میں تماشا ہے تری چمکار کا

تو نے خود روحوں پہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک
اس سے ہے شورِ محبت عاشقان زار کا

کیا عجب تو نے ہر اک ذرّہ میں رکھے ہیں خواص
کون پڑھ سکتا ہے سارا دفتر اُن اسرار کا

تیری قدرت کا کوئی بھی انتہا پاتا نہیں
کس سے کھل سکتا ہے پیچ اس عقدۂ دشوار کا

خوبرویوں میں ملاحت ہے ترے اس حسن کی
ہر گُل و گلشن میں ہے رنگ اُس تری گلزار کا

چشم مست ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے
ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خم دار کا

آنکھ کے اندھوں کو حائل ہوگئے سو سو حجاب
ورنہ تھا قبلہ ترا رُخ کافر و دیندار کا

ہیں تری پیاری نگاہیں دلبرا اِک تیغ تیز
جن سے کٹ جاتا ہے سب جھگڑا غمِ اغیار کا

تیرے ملنے کیلئے ہم مل گئے ہیں خاک میں
تا مگر درماں ہو کچھ اِس ہجر کے آزار کا

ایک دم بھی کل نہیں پڑتی مجھے تیرے سوا
جاں گھٹی جاتی ہے جیسے دل گھٹے بیمار کا

شور کیسا ہے ترے کوچہ میں لے جلدی خبر
خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا

بعد اس کے اور بعد صلوٰۃ وسلام بر نبی کریم خیر الانام محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ خاتم المرسلین رحمۃ للعالمین اور اُس کی آل و اصحاب مطہّرین و مہذّبین رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین یہ عاجز مؤلف کتاب **براہین احمدیہ** خدمت میں طالبین حق کے گذارش کرتا ہے کہ مارچ ۱۸۸۶ء کے مہینے میں جب کہ یہ عاجز بمقام ہوشیار پور مقیم تھا۔ لالہ مُرلیدھر صاحب ڈرائنگ ماسٹر سے جو آریہ سماج ہوشیار پور کے

﴿۵﴾ ایک اعلیٰ درجہ کے رُکن اور مدار المہام ہیں مباحثہ مذہبی کا اتفاق ہوا۔ وجہ اس کی یہ ہوئی کہ ماسٹر صاحب موصوف نے خود آ کر درخواست کی کہ تعلیمِ اسلام پر میرے چند سوالات ہیں اور چاہتا ہوں کہ پیش کروں۔ چونکہ یہ عاجز ایک زمانۂ دراز کی تحقیق اور تدقیق کے رُو سے خوب جانتا ہے کہ عقائد حقہ اسلام پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا اور جس کسی بات کو کوئی کوتہ اندیش مخالف اعتراض کی صورت میں دیکھتا ہے وہ درحقیقت ایک بھاری درجہ کی صداقت اور ایک عالی مرتبہ کی حکمت ہوتی ہے جو اس کی نظر بیمار سے چھپی رہتی ہے اسلئے باوجود شدت کم فرصتی میں نے مناسب سمجھا کہ ماسٹر صاحب کو اُن کے اعتراضات کی حقیقت ظاہر کرنے کے لئے مدد دوں اور بطور نمونہ ان کو دکھلاؤں کہ **وید** اور **قرآن شریف** میں سے کونسی کتاب اللہ تعالےٰ کی عظمت اور قدرت اور شوکت اور شان کے مطابق ہے اور کس کتاب پر سچے اور واقعی اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ سو اس غرض سے ماسٹر صاحب کو کہا گیا کہ اگر آپ کو مذہبی بحث کا کچھ شوق ہے تو ہمیں بسر و چشم منظور ہے لیکن مناسب ہے کہ دونوں فریق کے اصول کی حقیقت کھولنے کی غرض سے ہر دو فریق کی طرف سے سوالات پیش ہوں تا کوئی شخص جو اُن سوالات و جوابات کو پڑھے اس کو دونوں مذہبوں کے جانچنے اور پرکھنے کے لئے موقعہ مل سکے چنانچہ بمنظوری جانبین اسی التزام سے بحث شروع ہوئی۔ اول گیاراں مارچ ۱۸۸۶ء کی رات میں اس عاجز کے مکان فرودگاہ پر ماسٹر صاحب کی طرف سے ایک تحریری اعتراض شق القمر کے بارہ میں پیش ہوا اور پھر چودھویں مارچ ۱۸۸۶ء کے دن میں اس عاجز کی طرف سے آریہ صاحبوں کے اس اصول پر اعتراض پیش ہوا کہ پرمیشر نے کوئی رُوح پیدا نہیں کی اور نہ وہ کسی روح کو خواہ کوئی کیسا ہی راست باز اور وفادار اور سچا پرستار ہو ہمیشہ کے لئے جنم مرن

﴿۶﴾ کے عذاب سے نجات بخشے گا۔ ان دونوں بحثوں کے وقت یہ بات طے ہوچکی تھی کہ جواب الجواب کے جواب تک بحث ختم ہو۔ اُس سے پہلے نہ ہو۔ لیکن ہم افسوس سے لکھتے ہیں کہ ماسٹر صاحب نے شرائط قرار یافتہ کو کچھ ملحوظ نہ رکھا۔ پہلے جلسہ میں جو گیاراں مارچ ۱۸۸۶ء کو بوقت شب ہؤا تھا اُن کی طرف سے یہ ناانصافی ہوئی کہ جب جواب الجواب کے جواب کا وقت آیا جس کی تحریر کے لئے وہ آپ ہی فرما چکے تھے تو ماسٹر صاحب نے رات بڑی چلے جانے کا عُذر پیش کیا۔ ہر چند اس عاجز اور اکثر حاضرین نے سمجھایا کہ اے ماسٹر صاحب ابھی رات کچھ ایسی بڑی نہیں گئی ہم سب پر رات کا برابر اثر ہے مگر اقرار کے برخلاف کرنا بھی اچھی بات نہیں جواب ضرور تحریر ہونا چاہئیے لیکن وہ کچھ بھی ملتفت نہ ہوئے آخر بمواجہ تمام حاضرین کہا گیا کہ یہ جواب تحریر ہونے سے رہ نہیں سکتا۔ اگر آپ اس وقت اس کو ٹالنا چاہتے ہیں تو بالضرور اپنے طور پر رسالہ کے ساتھ شامل کیا جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے طوعاً و کرہاً بطور خود لکھا جانا تسلیم کیا پر اسی جلسہ میں وہ تحریر ہو کر پیش ہونا اُن کو بہت ناگوار معلوم ہؤا جس کی وجہ سے وہ بلا توقف اُٹھ کر چلے گئے بات یہ تھی کہ ماسٹر صاحب کو یہ فکر پڑی کہ اگر اسی وقت جواب الجواب کا جواب پیش ہؤا تو خدا جانے مجھے کیا کیا ندامتیں اُٹھانی پڑیں گی غرض یہ جلسہ تو اس طور پر ختم ہوا اور اس کے تمام واقعات جو اِس مضمون میں مندرج ہیں اُن کی شہادت حاضرین جلسہ جن کے نام حاشیہ میں درج ہیں دے سکتے ہیں☆ اب دوسرا جلسہ جو چودھویں مارچ ۸۶ء

☆**حاشیہ** حاضرین جلسہ بحث گیاراں مارچ کے نام یہ ہیں۔ میاں شترو گن صاحب پسر کلاں راجہ رودر سین صاحب والی ریاست سوکیت حال وارد ہوشیار پور۔ میاں شترنجی صاحب پسر خورد راجہ صاحب موصوف۔ میاں جنمی جی صاحب پسر خورد راجہ صاحب۔ بابو

﴿۷﴾ میں دن کے وقت شیخ مہر علی صاحب رئیس اعظم ہوشیار پور کے مکان پر ہوا اُس کی بھی کیفیت سُنیے ۔ اوّل حسب قرارداد اِس عاجز کی طرف سے ایک تحریری اعتراض پیش ہؤا جس کا مطلب یہ تھا کہ خدائے تعالےٰ کی خالقیّت سے انکار کرنا اور پھر اُسی التزام سے جاودانی نجات سے منکر رہنا جو آریہ سماج والوں کا اُصول ہے اِس سے خدائے تعالےٰ کی توحید و رحمت دونوں دُور ہوتی ہیں ۔ جب یہ اعتراض جلسۂ عام میں سُنایا گیا تو ماسٹر صاحب پر ایک عجیب حالت طاری ہوئی جس کی کیفیت کو ماسٹر صاحب ہی کا جی جانتا ہوگا اور نیز وہ سب لوگ جو فہیم اور زیرک حاضر جلسہ تھے معلوم کر گئے ہوں گے ۔ ماسٹر صاحب کو اس وقت کچھ بھی سوجھتا نہیں تھا کہ اس کا کیا جواب دیں ۔ سو ناچار حیلہ جوئی کی غرض سے گھنٹہ سوا گھنٹہ کے عرصہ تک یہی عذر پیش کرتے رہے کہ یہ سوال ایک نہیں ہے بلکہ دو ہیں تو اس کے جواب میں عرض کر دیا گیا کہ حقیقت میں سوال ایک ہی ہے یعنی خدائے تعالےٰ کی خالقیّت سے انکار کرنا اور مُکتی میعادی اُسی خراب اُصول کا ایک بداثر ہے جو اُس سے الگ نہیں ہوسکتا ۔ اِس جہت سے دونوں ٹکڑے سوال کے حقیقت میں ایک ہی ہیں کیونکہ جو شخص خدائے تعالیٰ کی خالقیّت سے منکر ہوگا اُس کے لئے ممکن نہیں کہ ہمیشہ کی نجات کا اقرار کر سکے سو انکارِ خالقیّت

☆**حاشیہ** ﴿۷﴾ مولّف راج صاحب نقل نویس ۔ لالہ رام لچھمن صاحب ہیڈ ماسٹر لودھیانہ ۔ بابو ہرکشن داس صاحب سیکنڈ ماسٹر ہوشیار پور ۔ اِس جگہ مکرر لکھا جاتا ہے کہ میاں شترو گھن صاحب نے کئی بار ماسٹر صاحب کی خدمت میں التجا کی کہ آپ جواب الجواب کا جواب لکھنے دیں ہم لوگ بخوشی بیٹھیں گے ۔ ہمیں کسی نوع سے تکلیف نہیں بلکہ ہمیں جواب سُننے کا شوق ہے ایسا ہی کئی ہندو صاحبوں نے یہ منشا ظاہر کیا مگر ماسٹر صاحب نے کچھ ایسی مصلحت سوچی کہ کسی کی بات کو نہ مانا اور اُٹھ کر چلے گئے ۔ مؤلف

﴿۸﴾ اور انکارِ نجات جاودانی باہم لازم ملزوم ہے اور ایک دوسرے سے پیدا ہوتا ہے۔ سو درحقیقت جو شخص یہ بات ثابت کرنا چاہے کہ خدائے تعالیٰ کے رب العٰلمین اور خالق نہ ہونے میں کچھ حرج نہیں اُس کو یہ ثابت کرنا بھی لازم آجائیگا کہ خدائے تعالیٰ کے کامل بندوں کا ہمیشہ جنم مرن کے عذاب میں مُبتلا رہنا اور کبھی دائمی نجات نہ پانا یہ بھی کچھ مضائقہ کی بات نہیں غرض بعد بہت سے سمجھانے کے پھر ماسٹر صاحب کچھ سمجھے اور جواب لکھنا شروع کیا اور تین گھنٹہ تک بہت سے وقت اور غم وغصہ کے بعد ایک ٹکڑۂ سوال کا جواب قلم بند کر کے سُنایا اور دوسرے ٹکڑہ کی بابت جو مُکتی کے بارہ میں تھا یہ جواب دیا کہ اِس کا جواب ہم اپنے مکان پر جا کر لکھ کر بھیج دیں گے۔ چنانچہ اِس طرف سے ایسا جواب لینے سے انکار ہوا اور عرض کر دیا گیا کہ آپ نے جو کچھ لکھنا ہے اسی جلسہ میں حاضرین کے رو برو تحریر کریں اگر گھر میں بیٹھ کر لکھنا تھا تو پھر اس جلسۂ بحث کی ضرورت ہی کیا تھی مگر ماسٹر صاحب نے نہ مانا اور کیونکر مانتے اُنکی تو اُس وقت حالت ہی اور ہو رہی تھی۔ اب قصہ کوتاہ یہ کہ جب کسی طور سے ماسٹر صاحب نے لکھنا منظور نہ کیا تو ناچار پھر یہ کہا گیا کہ جس قدر آپ نے لکھا ہے وہی ہم کو دیں تا اُس کا ہم جواب الجواب لکھیں تو اِس کے جواب میں اُنہوں نے بیان کیا کہ اب ہماری سماج کا وقت ہے اب ہم بیٹھ نہیں سکتے ناچار جب وہ جانے کے لئے مستعد ہوئے تو اُن کو کہا گیا کہ آپ نے یہ اچھا نہیں کیا کہ جو کچھ باہم عہد ہو چکا تھا اس کو توڑ دیا نہ آپ پورا جواب لکھا اور نہ ہمیں اب جواب الجواب لکھنے دیتے ہیں۔ خیر بدرجۂ ناچاری یہ جواب الجواب بھی بطورِ خود تحریر کر کے رسالہ کے ساتھ شامل کیا جائیگا چنانچہ یہ بات سُنتے ہی ماسٹر صاحب معہ اپنے رفیقوں کے اُٹھ کر چلے گئے اور حاضرین جلسہ جن کے نام حاشیہ میں درج ہیں بخوبی معلوم کر گئے کہ ماسٹر صاحب کی یہ تمام کارروائی گریز اور کنارہ کشی کے لئے ایک بہانہ تھی۔

☆ اب ہم قبل اس کے کہ ماسٹر صاحب کا پہلا سوال جوشق القمر کے بارہ میں ہے

☆**حاشیہ** نام حاضرین جلسہ جو ماسٹر صاحب کی بیجا کارروائی کے گواہ ہیں۔ شیخ مہر علی صاحب رئیسِ اعظم ہوشیار پور۔ مولوی الٰہی بخش صاحب وکیل ہوشیار پور۔ ڈاکٹر مصطفٰے علی صاحب۔ بابو احمد حسین صاحب ڈپٹی انسپکٹر پولیس ہوشیار پور۔ میاں عبد اللہ صاحب حکیم۔ میاں شہاب الدین صاحب دفعدار۔ لالہ نرائن داس صاحب وکیل۔ پنڈت جگن ناتھ صاحب وکیل۔ لالہ رام بھجن صاحب ہیڈ ماسٹر لودہیانہ۔ بابو ہرکشن داس صاحب سیکنڈ ماسٹر۔ لالہ گنیش داس صاحب وکیل۔ لالہ سیتا رام صاحب مہاجن۔ میاں شتروگھن صاحب پسرِ کلاں راجہ صاحب سوکیت۔ میاں شترن جی صاحب پسر خورد راجہ صاحب موصوف۔ منشی گلاب سنگھ صاحب سرشتہ دار۔ مولوی غلام رسول صاحب مدرس۔ مولوی فتح الدین صاحب مدرس۔ ان تمام حاضرین کے رُو برو لالہ مُرلیدھر صاحب ڈرائینگ ماسٹر نے ہر ایک بات میں ناانصافی کی۔ اِس عاجز نے اپنا اعتراض ایک گھنٹہ کے قریب سُنا دیا تھا مگر انہوں نے تین گھنٹہ تک وقت لیا اور پھر بھی اعتراض کا ایک ٹکڑہ چھوڑ گئے اصلی منشا اُنکا یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی طرح دن گذر جائے اور اس بلا سے نجات پائیں مگر دن اُنکا دشمن ابھی تیسرے حصہ کے قریب سر پر کھڑا تھا اور واضح رہے کہ ماسٹر صاحب کا یہ عذر کہ اب ہماری سماج کا وقت آ گیا ہے بالکل عبث اور کچا بہانہ تھا۔ اول تو ماسٹر صاحب نے پہلے کوئی ایسی شرط نہیں کی تھی کہ جب سماج کا وقت ہوگا تو بحث کو درمیان چھوڑ کر چلے جائیں گے ماسوائے اس کے یہ تو دین کا کام تھا اور جن لوگوں نے سماج میں حاضر ہونا تھا وہ تو سب موجود تھے بلکہ بہت سے ہندو اور مسلمان اپنا اپنا کام چھوڑ کر اسی غرض سے حاضر تھے اور تمام صحن مکان کا حاضرین سے بھرا ہوا تھا سو اگر ماسٹر صاحب کی نیّت میں فرق نہ ہوتا تو اسی جلسہ عظیمہ کو جو صدہا آدمیوں

﴿۱۰﴾ تحریر کریں صفائی بیان کے لئے ایک مقدمہ لکھتے ہیں یہ مقدمہ درحقیقت اُسی مضمون کا

﴿۱۰﴾ ☆حاشیہ کا مجمع تھا سماج سمجھا ہوتا علت غائی سماجوں کی لیکچر وغیرہ ہی ہؤا کرتی تھی سو وہ تو اُس جگہ ایسی میسر تھی کہ جو سماج میں کبھی میسر نہیں آئی ہوگی۔ ماسوا اس کے جب ماسٹر صاحب نے بہت سا حصہ وقت کا صرف باتوں میں ہی ضائع کر کے پھر بہت سی سستی اور آہستگی سے جواب لکھنا شروع کیا تو اسی وقت ہم سمجھ گئے تھے کہ آپکی نیت میں خیر نہیں ہے اِسی خیال سے اُنکو کہا گیا کہ بہتر یوں ہے کہ جو جو ورق آپ لکھتے جائیں وہ مجھے دیتے جائیں تا میں اُسکا جواب الجواب بھی لکھتا جاؤں اِس انتظام سے دونوں فریق جلد تر فراغت کرلیں گے مگر اُنکا تو مطلب ہی اور تھا وہ کیونکر ایسے انصاف کی باتوں کو قبول کرتے سو انہوں نے انکار کیا اور لالہ رام لچھمن صاحب اُنکے رفیق نے مجھے کہا کہ مَیں آپکی غرض کو سمجھ گیا۔ لیکن ماسٹر صاحب ایسا کرنا نہیں چاہتے چنانچہ وُہی بات ہوئی اور اخیر پر ناتمام کام چھوڑ کر سماج کا عذر پیش ہوگیا اگر کوئی دُنیا کا مقدمہ یا کام ہوتا تو ماسٹر صاحب ہزار دفعہ سماج کے وقت کو چھوڑ دیتے پر سچ تو یہ ہے کہ سماج کا عذر تو ایک بہانہ ہی تھا اصل موجب تو وہ گھبراہٹ تھی جو اعتراض کی عظمت اور بزرگی کی وجہ سے ماسٹر صاحب کے دل پر ایک عجیب کام کر رہی تھی۔ اسی باعث سے پہلے ماسٹر صاحب نے باتوں میں وقت کھویا اور اعتراض کو سُنتے ہوئے ایسے گھبرائے اور کچھ ایسے مبہوت سے ہوگئے کہ چہرہ پر پریشانی کے آثار ظاہر تھے اور ناکارہ عذرات پیش کر کے یہ چاہا کہ بغیر تحریر جواب اُٹھ کر چلے جائیں اسی وجہ سے لوگ تحریر جواب سے نااُمید ہوکر متفرق ہوگئے اور بعض یہ کہتے ہوئے اُٹھ گئے کہ اب کیا بیٹھیں اب تو بحث ختم ہوگئی آخر ماسٹر صاحب نے طوعاً و کرہاً حاضرین کی شرم سے کچھ لکھا جس کا آدھا دھڑ تو ماسٹر صاحب کے کاغذ پر اور آدھا اُن کے دل میں ہی رہا بہرحال وہ اپنے جواب کو اِسی جان کندن میں چھوڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ماسٹر صاحب کو اُٹھتے وقت میں نے یہ بھی

ایک حصہ ہے جس کو ہم نے جلسہ بحث گیارہویں مارچ ۱۸۸۶ء میں ماسٹر صاحب کے جواب الجواب کے ردّ میں لکھنا چاہا تھا مگر بوجہ عہد شکنی ماسٹر صاحب اور چلے جانے ان کے اور برخاست ہوجانے جلسہ بحث کے لکھ نہ سکے ناچار حسبِ وعدہ اب لکھنا پڑا۔ سو کچھ اس میں سے اس جگہ اور کچھ جیسا کہ مناسب محل وترتیب ہوگا بعد میں لکھیں گے۔ **وما توفیقی اِلّا باللّٰہ ھو نعم المولٰی ونعم النصیر.** ﴿۱۱﴾

مُقدّمہ

ماسٹر صاحب نے اسلام کے عقیدہ پر شق القمر کا اعتراض پیش کیا ہے اور اس اعتراض سے ان کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ آج کل کے نوتعلیم یافتہ لوگ انگریزی فلسفہ کے پھیلنے کی وجہ سے ان سب عجائبات سماوی وارضی کو قانونِ قدرت کے برخلاف سمجھتے ہیں جن پر ان کی عقل محیط نہیں ہوسکتی اور جن کو انہوں نے نہ بچشم خود دیکھا اور نہ اپنے فلسفہ کی کتابوں میں اس کا اثر یا نشان پایا اس لئے ماسٹر صاحب نے یہ اعتراض پیش کردیا تا فلسفی طبع لوگ جن کے دل ودماغ پر خیالات فلسفہ غالب آرہے ہیں۔ خواہ نخواہ شق القمر کے محال ہونے میں ان کے ساتھ ہاں کے ساتھ ملائیں اور گو ان کی بات کیسی ہی ادھوری اور بودی ہو مگر پنچایت کے اتفاق سے کچھ آب ورنگ لے آوے۔ سو

بقیہ حاشیہ کہا کہ اگر آپ اس وقت کسی نوع سے ٹھہرنا مصلحت نہیں سمجھتے تو میں دو روز اور اس جگہ ہوں اور اپنا دن رات اسی خدمت میں صرف کرسکتا ہوں لیکن انہوں نے جواب دیا کہ فرصت نہیں۔ اخیر پر ہم یہ بھی ظاہر کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ ماسٹر صاحب جو کچھ گھر پر جاکر لکھیں گے ہمیں کچھ اطلاع نہیں اس لئے ہم اس کی نسبت کچھ تحریر کرنے سے معذور ہیں منہ۔

﴿۱۲﴾ اوّل ہم یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ شق القمر کا معجزہ اہل اسلام کی نظر میں ایسا امر نہیں ہے کہ جو مدار ثبوت اسلام اور دلیل اعظم حقّانیّت کلام اللہ کا ٹھہرایا گیا ہو بلکہ ہزار ہا شواہد اندرونی و بیرونی وصدہا معجزات ونشانوں میں سے یہ بھی ایک قدرتی نشان ہے جو تاریخی طور پر کافی ثبوت اپنے ساتھ رکھتا ہے جس کا ذکر آئندہ عنقریب آئے گا۔ سو اگر تمام کھلے کھلے ثبوتوں سے چشم پوشی کر کے فرض بھی کرلیں کہ یہ معجزہ ثابت نہیں ہے اور آیت کے اس طور پر معنے قرار دیں جس طور پر حال کے عیسائی و نیچری یا دوسرے منکرین خوارق کرتے ہیں تو اس صورت میں بھی اگر کچھ حرج ہے تو شاید ایسا ہے کہ جیسے بیس کروڑ روپیہ کی جائداد میں سے ایک پیسے کا نقصان ہو جائے۔ پس اس تقریر سے ظاہر ہے کہ اگر بفرض محال اہلِ اِسلام تاریخی طور پر اس معجزہ کو ثابت نہ کرسکیں تو اس عدم ثبوت کا اسلام پر کوئی بداثر نہیں پہنچ سکتا۔☆ سچ تو یہ ہے کہ کلام الٰہی نے مسلمانوں کو دوسرے معجزات سے بکلّی بے نیاز کر دیا ہے وہ نہ صرف اعجاز بلکہ اپنی برکات وتنویرات کے رو سے اعجاز

☆**حاشیہ** معجزات اور خوارق قرآنی چار قسم پر ہیں۔ (۱) معجزات عقلیہ (۲) معجزات علمیہ (۳) معجزات برکات روحانیہ (۴) معجزات تصرفات خارجیہ۔ نمبر اول دو و تین کے معجزات خواص ذاتیہ قرآن شریف میں سے ہیں اور نہایت عالی شان اور بدیہی الثبوت ہیں جن کو ہر یک زمانہ میں ہر یک شخص تازہ بتازہ طور پر چشم دید ماجرا کی طرح دریافت کرسکتا ہے لیکن نمبر چار کے معجزات یعنے تصرفات خارجیہ یہ بیرونی خوارق ہیں جن کو قرآن شریف سے کچھ ذاتی تعلق نہیں انہیں میں سے معجزہ شق القمر بھی ہے۔ اصل خوبی اور حسن و جمال قرآن شریف کا پہلے تینوں قسم کے معجزات سے وابستہ ہے بلکہ ہر ایک کلام الٰہی کا یہی نشان اعظم ہے کہ یہ تینوں قسم کے معجزات کسی قدر اس میں پائے جائیں اور قرآن شریف میں تو یہ ہر سہ قسم کے اعجاز اعلیٰ و اکمل و اتم طور پر پائے جاتے ہیں اور انہیں کو قرآنِ شریف اپنی بے مثل و مانند ہونے کے اثبات میں بار بار پیش کرتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔ قُلْ

﴿۱۳﴾ آفرین بھی ہے۔ فی الحقیقت قرآن شریف اپنی ذات میں ایسی صفات کمالیہ رکھتا ہے جو اس کو خارجیہ معجزات کی کچھ بھی حاجت نہیں۔ خارجیہ معجزات کے ہونے سے اس میں کچھ زیادتی نہیں ہوتی اور نہ ہونے سے کوئی نقص عائد حال نہیں ہوتا۔ اس کا بازار حسن معجزات خارجیہ کے زیور سے رونق پذیر نہیں بلکہ وہ اپنی ذات میں آپ ہی ہزارہا معجزات عجیبہ وغریبہ کا جامع ہے جن کو ہر یک زمانہ کے لوگ دیکھ سکتے ہیں نہ یہ کہ صرف گزشتہ کا حوالہ دیا جائے۔ وہ ایسا ملیح الحسن محبوب ہے کہ ہر یک چیز اس سے مل کر آرائش پکڑتی ہے اور وہ اپنی آرائش میں کسی کی آمیزش کا محتاج نہیں۔

ہمہ خوبان عالم را بزیورہا بیا رایند تو سیمیں تن چناں خوبی کہ زیورہا بیا رائی

پھر ماسوا اس کے سمجھنا چاہئے کہ جو لوگ شق القمر کے معجزہ پر حملہ کرتے ہیں ان کے پاس صرف یہی ایک ہتھیار ہے اور وہ بھی ٹوٹا پھوٹا کہ شق القمر قوانین قدرتیہ کے برخلاف ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اول ہم ان کے قانونِ قدرت کی کچھ تفتیش کر کے پھر وہ ثبوت تاریخی پیش کریں جو اس واقعہ کی صحت پر

بقیہ حاشیہ ﴿۱۳﴾ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا[1] یعنی ان منکرین کو کہہ دے کہ اگر تمام جن وانس یعنے تمام مخلوقات اس بات پر متفق ہو جائے کہ اس قرآن کی کوئی مثل بنانی چاہیئے تو وہ ہرگز اس بات پر قادر نہیں ہوں گے کہ ایسی ہی کتاب انہیں ظاہری و باطنی خوبیوں کی جامع بنا سکیں اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد بھی کریں اور پھر دوسرے مقام میں فرماتا ہے۔ مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ[2] یعنے اس کتاب (قرآن شریف) سے کوئی دینی حقیقت باہر نہیں رہی بلکہ یہ جمیع حقائق ومعارف دینیہ پر مشتمل ہے۔ اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے۔ وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ[3] یعنی ہم نے یہ کتاب (قرآن شریف) تمام علوم ضروریہ پر مشتمل نازل فرمائی ہے۔ اور پھر فرماتا ہے یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً۔ فِیْهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌ[4] یعنی یہ قرآن شریف وہ پاک اوراق ہیں جن میں

[1] بنی اسرآئیل : ۸۹ [2] الانعام: ۳۹ [3] النحل :۹۰ [4] البینۃ :۳،۴

﴿۱۴﴾ دلالت کرتے ہیں سو جاننا چاہئے کہ نیچر کے ماننے والے یعنی قانون قدرت کے پیرو کہلانے والے اس خیال پر زور دیتے ہیں کہ یہ بات بدیہی ہے کہ جہاں تک انسان اپنی عقلی قوتوں سے جان سکتا ہے وہ بجز قدرت اور قانون قدرت کے کچھ نہیں یعنی مصنوعات و موجودات مشہودہ موجودہ پر نظر کرنے سے چاروں طرف یہی نظر آتا ہے کہ ہر یک چیز مادی یا غیر مادی جو ہم میں اور ہمارے اردگرد یا فوق و تحت میں موجود ہے وہ اپنے وجود اور قیام اور ترتب آثار میں ایک عجیب سلسلہ انتظام سے وابستہ ہے جو ہمیشہ اس کی ذات میں پایا جاتا ہے اور کبھی اس سے جدا نہیں ہوتا۔ قدرت نے جس طرح پر جس کا ہونا بنا دیا بغیر خطا کے اسی طرح ہوتا ہے اور اُسی طرح پر ہوگا پس وہی سچ ہے اور اصول بھی وہی سچے ہیں جو اس کے مطابق ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ بلاشبہ یہ سب سچ مگر کیا اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ قدرت الٰہی کے طریقے اور اس کے قانون اسی حد تک ہیں جو ہمارے تجربہ اور مشاہدہ میں آچکے ہیں اس سے زیادہ نہیں۔ جس حالت میں الٰہی قدرتوں کو غیر محدود ماننا ایک ایسا ضروری مسئلہ ہے جو اسی سے نظامِ کارخانۂ

﴿۱۴﴾ **بقیہ حاشیہ** تمام آسمانی کتابوں کا مغز اور لب لباب بھرا ہوا ہے اور پھر فرماتا ہے۔ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ..... فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ [1] یعنے اے منکرین اگر تم اس کلام کے بارہ میں جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کیا ہے کچھ شک میں ہو یعنے اگر تم اس کو خدا کا کلام نہیں سمجھتے اور ایسا کلام بنانا انسانی طاقت کے اندر خیال کرتے ہو تو تم بھی ایک سورت جو انہیں ظاہری باطنی کمالات پر مشتمل ہو بنا کر پیش کرو۔ اور اگر تم نہ بنا سکو اور یاد رکھو کہ ہرگز بنا نہیں سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن پتھر (بُت) اور آدمی ہیں یعنی بُت اور مشرک اور نافرمان لوگ ہی اس آگ کے بھڑکنے کا موجب ہو رہے ہیں اگر دنیا میں بُت پرستی و شرک و بے ایمانی و نافرمانی نہ ہوتی تو وہ آگ بھی افروختہ نہ ہوتی تو گویا اس کا ایندھن یہی چیزیں ہیں جو علت موجبہ

[1] البقرۃ: ۲۴، ۲۵

﴿۱۵﴾ الوہیت وابستہ اور اسی سے ترقیات علمیہ کا ہمیشہ کے لئے دروازہ کھلا ہوا ہے تو پھر کس قدر غلطی کی بات ہے کہ ہم یہ ناکارہ حجت پیش کریں کہ جو امر ہماری سمجھ اور مشاہدہ سے باہر ہے وہ قانون قدرت سے بھی باہر ہے بلکہ جس حالت میں ہم اپنے مونہہ سے اقرار کر چکے کہ قوانین قدرتیہ غیر متناہی اور غیر محدود ہیں تو پھر ہمارا یہ اصول ہونا چاہئے کہ ہر یک نئی بات جو ظہور میں آوے پہلے ہی اپنی عقل سے بالاتر دیکھ کر اس کو رد نہ کریں بلکہ خوب متوجہ ہو کر اس کے ثبوت یا عدم ثبوت کا حال جانچ لیں اگر وہ ثابت ہو تو اپنے قانون قدرت کی فہرست میں اس کو بھی داخل کر لیں اور اگر وہ ثابت نہ ہو تو صرف اتنا کہہ دیں کہ ثابت نہیں مگر اس بات کے کہنے کے ہم ہرگز مجاز نہیں ہوں گے کہ وہ امر قانون قدرت سے باہر ہے بلکہ قانون قدرت سے باہر کسی چیز کو سمجھنے کے لئے ہمارے لئے پُر ضرور ہے کہ ہم ایک دائرہ کی طرح خدائے تعالیٰ کے تمام قوانین ازلی و ابدی پر محیط ہو جائیں اور بخوبی ہمارا فکر اس بات پر احاطۂ تام کر لے کہ خدائے تعالیٰ نے روز اول سے آج تک کیا کیا قدرتیں ظاہر کیں اور آئندہ اپنے ابدی زمانہ

بقیہ حاشیہ ﴿۱۵﴾ اُس کے افروختہ ہونے کی ہیں اور پھر ایک جگہ فرمایا ہے۔ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۔[1] یعنے یہ قرآن جو تم پر اتارا گیا اگر کسی پہاڑ پر اتارا جاتا تو وہ خشوع اور خوف الٰہی سے ٹکڑہ ٹکڑہ ہو جاتا اور یہ مثالیں ہم اس لئے بیان کرتے ہیں کہ تا لوگ کلام الٰہی کی عظمت معلوم کرنے کے لئے غور اور فکر کریں۔ یہ تو قرآن شریف میں ان اعجازی کمالات کا ذکر ہے جو خود اس کے نفس نفیس میں پائے جاتے ہیں لیکن بایں ہمہ تصرفات خارجیہ کے اعجاز بھی قرآن شریف میں بکثرت درج ہیں اور اس قسم کے معجزات جمال قرآنی کے لئے بطور اس زیور کے ہیں جو خوبوں کو پہنایا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ نفس خوبصورتی زیور کے محتاج نہیں گو اس سے حسن کی آب و تاب کسی قدر اور بڑھ جاتی ہے۔ اس جگہ واضح رہے کہ تصرفات خارجیہ کے معجزات قرآن شریف میں کئی نوع پر

[1] الحشر : ۲۲

﴿۱۶﴾ میں کیا کیا قدرتیں ظاہر کرے گا۔ کیا وہ جدید در جدید قدرتوں کے ظاہر کرنے پر قادر ہوگا یا کولہو کے بیل کی طرح انہیں چند قدرتوں میں مقیّد اور محصور رہے گا جن کو ہم دیکھ چکے ہیں اور جن پر ہمارا بخوبی احاطہ ہے اور اگر انہیں میں مقیّد اور محصور رہے گا تو باوجود اس کے غیر محدود الوہیت اور قدرت اور طاقت کے یہ مقید اور محصور رہنا کس وجہ سے ہوگا کیا وہ آپ ہی وسیع قدرتوں کے دکھلانے سے عاجز آئے گا یا کسی دوسرے قاسر نے اس پر جبر کیا ہوگا یا اس کی خدائی کو انہیں چند قسم کی قدرتوں سے قوت پہنچتی ہے اور دوسری قدرتوں کے ظاہر کرنے سے اس پر زوال آتا ہے بہرحال اگر ہم خدائے تعالیٰ کی قدرتوں کو غیر محدود مانتے ہیں تو یہ جنون اور دیوانگی ہے کہ اس کی قدرتوں پر احاطہ کرنے کی امید رکھیں کیونکہ اگر وہ ہمارے مشاہدہ کے پیمانہ میں محدود ہوسکیں تو پھر غیر محدود اور غیر متناہی کیونکر رہیں اور اس صورت میں نہ صرف یہ نقص پیش آتا ہے کہ ہمارا قانی اور ناقص تجربہ خدائے ازلی وابدی کی تمام قدرتوں کا حد بست کرنے والا ہوگا بلکہ ایک بڑا بھاری نقص یہ بھی ہے کہ اس کی

بقیہ حاشیہ

﴿۱۶﴾ مندرج ہیں۔ ایک نوع تو یہی کہ جو دعائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خدائے تعالیٰ نے آسمان پر اپنا قادرانہ تصرف دکھلایا اور چاند کو ۲ ٹکڑے کر دیا۔ دوسرے وہ تصرف جو خدائے تعالیٰ نے جناب ممدوح کی دعا سے زمین پر کیا اور ایک سخت قحط سات برس تک ڈالا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے ہڈیوں کو پیس کر کھایا۔ تیسرے وہ تصرف اعجازی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شرِّ کفّار سے محفوظ رکھنے کے لئے بروز ہجرت کیا گیا یعنے کفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے اس پاک نبی کو اس بدارادہ کی خبر دے دی اور مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم فرمایا اور پھر بفتح ونصرت واپس آنے کی بشارت دی بدھ کا روز اور دوپہر کا وقت اور سختی گرمی کے دن تھے جب یہ ابتلا منجانب اللہ ظاہر ہوا اس مصیبت کی حالت میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ناگہانی طور پر اپنے

﴿۱۷﴾ قدرتوں کے محدود ہونے سے وہ خود بھی محدود ہو جائے گا اور پھر یہ کہنا پڑے گا کہ جو کچھ خدائے تعالیٰ کی حقیقت اور کُنہ ہے ہم نے سب معلوم کر لی ہے اور اس کے گہراؤ اور تہ تک ہم پہنچ گئے ہیں اور اس کلمہ میں جس قدر کفر اور بے ادبی اور بے ایمانی بھری ہوئی ہے وہ ظاہر ہے حاجت بیان نہیں سو ایک محدود زمانہ کے محدود در محدود تجارب کو پورا پورا قانونِ قدرت خیال کر لینا اور اس پر غیر متناہی سلسلۂ قدرت کو ختم کر دینا اور آئندہ کے نئے اسرار کھلنے سے ناامید ہو جانا ان پست نظروں کا نتیجہ ہے جنہوں نے خدائے ذوالجلال کو جیسا کہ چاہئے شناخت نہیں کیا اور جو اپنی فطرت میں نہایت منقبض واقعہ ہوئے ہیں یہاں تک کہ ایک کنوئیں کی مینڈک ہو کر یہ خیال کر رہے ہیں کہ گویا ایک سمندر ناپیدا کنار

بقیہ حاشیہ

﴿۱۷﴾ قدیمی شہر کو چھوڑنے لگے اور مخالفین نے مار ڈالنے کی نیت سے چاروں طرف سے اس مبارک گھر کو گھیر لیا تب ایک جانی عزیز جس کا وجود محبت اور ایمان سے خمیر کیا گیا تھا۔ جانبازی کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر باشارہ نبوی اس غرض سے مونہہ چھپا کر لیٹ رہا کہ تا مخالفوں کے جاسوس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکل جانے کی کچھ تفتیش نہ کریں اور اسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر قتل کرنے کے لئے ٹھہرے رہیں۔

کس بہر کسے سر ندہد جان نفشاند عشق است کہ ایں کار بصد صدق کناند

سو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس وفادار اور جان نثار عزیز کو اپنی جگہ چھوڑ کر چلے گئے تو آخر تفتیش کے بعد ان نالائق بد باطن لوگوں نے تعاقب کیا اور چاہا کہ راہ میں کسی جگہ پا کر قتل کر ڈالیں اس وقت اور اس مصیبت کے سفر میں بجز ایک با اخلاص اور یکرنگ اور دلی دوست کے اور کوئی انسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہ تھا۔ ہاں ہر وقت اور نیز اس پر خطر سفر میں وہ مولیٰ کریم ساتھ تھا جس نے اپنے اس کامل وفادار بندہ کو ایک عظیم الشان اصلاح کے لئے دنیا میں بھیجا تھا سو اس نے اپنے اس پیارے بندہ کو محفوظ رکھنے کے لئے بڑے بڑے عجائب تصرفات اس راہ میں دکھلائے

﴿۱۸﴾ پر اُن کو عبور ہو گیا ہے" تمام خوشیاں عارفوں کی اور تمام راحتیں غمزدوں کی اسی میں ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی قدرتوں کا کنارہ لایدرک ہے میں یہ نہیں کہتا کہ بے تحقیق اور بے ثبوت عقلی یا آزمائشی یا تاریخی کسی نئی بات کو مان لو کیونکہ اس عادت سے بہت سے رطب ویابس کا ذخیرہ اکٹھا ہو جائے گا بلکہ میں

بقیہ حاشیہ

﴿۱۸﴾ جو اجمالی طور پر قرآن شریف میں درج ہیں منجملہ ان کے ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جاتے وقت کسی مخالف نے نہیں دیکھا حالانکہ صبح کا وقت تھا اور تمام مخالفین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کر رہے تھے سو خدائے تعالیٰ نے جیسا کہ سورۂ یٰسین میں اس کا ذکر کیا ہے ان سب اشقیا کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور آنحضرت ان کے سروں پر خاک ڈال کر چلے گئے۔ ازاں جملہ ایک یہ کہ اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے نبی معصوم کے محفوظ رکھنے کے لئے یہ امر خارق عادت دکھلایا کہ باوجودیکہ مخالفین اس غار تک پہنچ گئے تھے۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معہ اپنے رفیق کے مخفی تھے مگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہ سکے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے ایک کبوتر کا جوڑا بھیج دیا جس نے اسی رات غار کے دروازہ پر آشیانہ بنا دیا اور انڈے بھی دے دیئے اور اسی طرح اذن الٰہی سے عنکبوت نے اس غار پر اپنا گھر بنا دیا جس سے مخالف لوگ دھوکا میں پڑ کر ناکام واپس چلے گئے۔ ازانجملہ ایک یہ کہ ایک مخالف جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پکڑنے کے لئے مدینہ کی راہ پر گھوڑا دوڑائے چلا جاتا تھا جب وہ اتفاقاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا تو جناب ممدوح کی بددعا سے اس کے گھوڑے کے چاروں سُم زمین میں دھنس گئے اور وہ گر پڑا اور پھر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پناہ مانگ کر اور عفو تقصیر کرا کر واپس لوٹ آیا۔ چوتھی وہ تصرف اعجازی کہ جب دشمنوں نے اپنی ناکامی سے منفعل ہو کر لشکر کثیر کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چڑھائی کی تا مسلمانوں کو جو ابھی تھوڑے سے آدمی تھے نابود کر دیں اور دین اسلام کا نام ونشان مٹا دیں تب اللہ جلّ شانہٗ نے جناب موصوف کے ایک مٹھی کنکریوں کے چلانے سے مقام بدر میں دشمنوں میں ایک تہلکہ ڈال دیا اور ان کے لشکر کو شکست فاش ہوئی

﴿۱۹﴾ یہ کہتا ہوں کہ خدائے ذوالجلال کی تعظیم کر کے اس کے نئے کاموں کی نسبت (جو تمہاری محدود نظروں میں نئے دکھائی دیتے ہیں) بے جا ضد بھی مت کرو کیونکہ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں خدائے تعالیٰ کی عجائب قدرتوں اور دقائق حکمتوں اور پیچ در پیچ اسراروں کے ابھی تک انسان نے بکلی حد بست نہیں کی

بقیہ حاشیہ

﴿۱۹﴾ اور خدائے تعالیٰ نے ان چند کنکریوں سے مخالفین کے بڑے بڑے سرداروں کو سراسیمہ اور اندھا اور پریشان کر کے وہیں رکھا اور ان کی لاشیں انہیں مقامات میں گرائیں جن کے پہلے ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے الگ الگ نشان بتلا رکھے تھے۔ ایسا ہی اور کئی عجیب طور کے تائیدات وتصرفات الٰہیہ کا (جو خارق عادت ہیں) قرآن شریف میں ذکر ہے جن کا ماحصل یہ ہے کہ کیونکر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مسکینی اور غریبی اور یتیمی اور تنہائی اور بے کسی کی حالت میں مبعوث کر کے پھر ایک نہایت قلیل عرصہ میں جو تیس برس سے بھی کم تھا ایک عالم پر فتح یاب کیا اور شہنشاہِ قسطنطنیہ و بادشاہان دیار شام ومصر ومما لک مابین دجلہ وفرات وغیرہ پر غلبہ بخشا اور اس تھوڑے ہی عرصہ میں فتوحات کو جزیرہ نما عرب سے لے کر دریائے جیحون تک پھیلایا اور ان مما لک کے اسلام قبول کرنے کی بطور پیشگوئی قرآن شریف میں خبر دی اس حالتِ بے سامانی اور پھر ایسی عجیب وغریب فتحوں پر نظر ڈال کر بڑے بڑے دانشمند اور فاضل انگریزوں نے بھی شہادت دی ہے کہ جس جلدی سے اسلامی سلطنت اور اسلام دنیا میں پھیلا ہے اس کی نظیر صفحۂ تواریخ دنیا میں کسی جگہ نہیں پائی جاتی اور ظاہر ہے کہ جس امر کی کوئی نظیر نہ پائی جائے اسی کو دوسرے لفظوں میں خارق عادت بھی کہتے ہیں۔ غرض قرآن شریف میں تصرفات خارجیہ کا ذکر بھی بطور خارق عادت بہت جگہ آیا ہے بلکہ ذرا نظر کھول کر دیکھو تو اس پاک کلام کا ہر یک مقام تائیدات الٰہیہ کا نقارہ بجا رہا ہے اور ایک تصویر کھینچ کر دکھلا رہا ہے کہ کیونکر اسلام اپنی اول حالت میں ایک خوردتر بیج کی طرح دنیا میں بویا گیا اور پھر وہ تھوڑے ہی عرصہ میں جو خارق عادت ہے کیسا بزرگ وعظیم القدر

﴿۲۰﴾ اور نہ آگے کو اس کی لیاقت وطاقت ایسی نظر آتی ہے کہ اس مالک الملک کے وراء الوراء بھیدوں کے ایک چھوٹے سے رقبۂ زمین کی طرح پیمائش کر سکے یا کسی ایک چیز کے جمیع خواص پر احاطہ کرنے کا دم مار سکے مجھے ان صاف باطن لوگوں کے آگے منطقی دلائل کی حاجت نہیں جو اپنے اس پیارے

﴿۲۰﴾ **بقیہ حاشیہ** ہوکر اکثر حصہ دنیا میں پھیل گیا اور ہر یک موقعہ پر کیا کیا عجیب تائیدات الٰہیہ اس کی حمایت میں ظہور میں آتی رہیں۔ اب ہم بیرونی معجزات کا بیان (جو اعجازی تصرفات ہیں) اسی قدر کافی سمجھ کر ان معجزات کی تشریح کچھ زیادہ کرنا چاہتے ہیں جو قرآن شریف کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کی بطنی اور نفسی خاصیتیں ہیں کیونکہ اس قسم کے معجزات بباعث دائمی شہود اور وجود کے قوی الاثر ہیں جن کو ہر ایک طالب صادق اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے اور ہر یک منصف کی نظر میں بالضرورت قابل یقین ٹھہر سکتے ہیں۔ سو اوّل جاننا چاہئے کہ معجزہ عادات الٰہیہ میں سے ایک ایسی عادت یا یوں کہو کہ اس قادر مطلق کے افعال میں سے ایک ایسا فعل ہے جس کو اضافی طور پر خارق عادت کہنا چاہئے پس امر خارقِ عادت کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ جب پاک نفس لوگ عام طریق وطرز انسانی سے ترقی کر کے اور معمولی عادات کو پھاڑ کر قرب الٰہی کے میدانوں میں آگے قدم رکھتے ہیں تو خدائے تعالیٰ حسب حالت ان کے ایک ایسا عجیب معاملہ ان سے کرتا ہے کہ وہ عام حالاتِ انسانی پر خیال کرنے کے بعد ایک امر خارقِ عادت دکھائی دیتا ہے اور جس قدر انسان اپنی بشریت کے وطن کو چھوڑ کر اور اپنے نفس کے حجابوں کو پھاڑ کر عرصاتِ عشق ومحبت میں دور تر چلا جاتا ہے اسی قدر یہ خوارق نہایت صاف اور شفاف اور روشن وتابان ظہور میں آتے ہیں۔ جب تزکیہ نفس انسانی کمال تام کی حالت پر پہنچتا ہے اور اس کا دل غیر اللہ سے بالکل خالی ہو جاتا ہے اور محبت الٰہی سے بھر جاتا ہے تو اس کے تمام اقوال و افعال و اعمال وحرکات وسکنات وعبادات

مالکؔ سے دلی محبت رکھتے ہیں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ خود ان کو وہی ان کی سچی محبت یہ ﴿۲۱﴾
طریقِ ادب سکھادے گی کہ ذات جامع الکمالات حضرت احدیت کے علم کے ساتھ اپنے محدود علم کو
برابر جاننا اور اس کی ازلی ابدی قدرتوں کو اپنے مشاہدات یا معلومات سے زیادہ نہ سمجھنا بہت برا

بقیہ حاشیہ

ومعاملاتؔ واخلاق جو انتہائی درجہ پر اس سے صادر ہوتے ہیں وہ سب خارق عادت ﴿۲۱﴾
ہی ہو جاتے ہیں سو بمقابل اس کے ایسا ہی معاملہ باری تعالیٰ کا بھی اس مبدّل تام سے بطور خارق عادت ہی ہوتا ہے سو چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبدّل تام اور سیّد المبدّلین اور امام المطہّرین تھے جن کو قادر مطلق نے اپنے ہاتھ سے صاف کیا تھا اس لئے تمام سراپا وجود ان کے کا حقیقت میں معجزہ ہی تھا اور ضرور تھا کہ ایسے عالی شان نبی پر جو کلام نازل ہوا تھا وہ بباعث تبدّل تام اس کے غایت درجہ کا خارق عادت ہوتا جس سے تمام اولین آخرین کی نظریں خیرہ رہ جاتیں کیونکہ اگرچہ کلام الٰہی فی ذاتہٖ کلام انسانی سے ایسا ہی ممیّز ہے جیسا خدا انسان سے تمیز تام رکھتا ہے لیکن باوجود اس کے فیضان وحی حسب استعداد و حالتِ صَفوت و اخلاق فاضلہ و ملکات صالحہ وحی یاب ہوا کرتا ہے اور اسی کی طرف ایک روحانی اشارہ ہے جو قرآن شریف میں پایا جاتا ہے یعنی یہ کہ وہ پاک کلام بہت سے فرشتوں کی حفاظت کے ساتھ اترا ہے۔ سو ظاہری فرشتے تو معلوم ہی ہیں مگر پاک اخلاق اور پاکیزہ حالتیں اور شوق و ذوق سے بھری ہوئی وارداتیں اور درد دل اور جوش محبت اور صدق وصفا وتبتّل و وفا و توکل و رضا و نیستی وفنا اور شورش ہائے عشقِ مولیٰ ایک قسم کے فرشتے ہی ہیں جو قادر مطلق نے اپنے اس محبوب افضل الرسل کے وجود میں اکمل واتم طور پر پیدا کئے تھے اور پھر اسی کے اتباع سے ہر یک مومن کامل کے دل میں بھی باذنہٖ تعالیٰ پیدا ہو جاتے ہیں اور اگرچہ عام مومنوں میں بھی جو ابھی حالتِ کمالیہ تک نہیں پہنچے

﴿۲۲﴾ اور نالائق خیال ہے جو ادب اور تعظیم اور عجز اور عبودیت کی حقیقت سے نہایت دور پڑا ہوا ہے لیکن میں ان خشک فلسفیوں کو جو عشق الٰہی اور اس کی بزرگ ذات کی قدر شناسی سے غافل ہیں جہاں تک مجھے طاقت عقلی دی گئی ہے بدلائل شافیہ راہ راست کی طرف پھیرنا چاہتا ہوں کیونکہ

بقیہ حاشیہ

﴿۲۲﴾ ان کا تخم پایا جاتا ہے لیکن وہ تخم اس چھپی ہوئی آگ کی طرح ہے جو افروختہ آگ کا کام نہیں دے سکتی جیسے ظاہر ہے کہ انڈا مرغ کا قائم مقام نہیں ہوسکتا اور نہ بیج درخت کا حکم رکھتا ہے اور اگرچہ ہر یک زمین کے نیچے پانی ہے لیکن بجز بہت سی جان کنی اور محنت اور مدّت تک زمین کھودنے کے وہ پانی نکل نہیں سکتا اسی طرح آتش شوق الٰہی جب تک اپنے کمال اشتعال کی حالت میں نہ آئے تب تک اس کے فوائد مترتب نہیں ہو سکتے لیکن جب وہ کامل طور پر افروختہ ہوجاتی ہے اور چاروں طرف سے بھڑک اٹھتی ہے تب وہ دخل شیطان سے محفوظ رکھنے کے لئے فرشتوں کا کام دیتی ہے اور ملائک حفاظت میں شمار کی جاتی ہے۔ پاک اعمال اور پاک حالتیں اور پاک وارداتیں اور پاک جوش اور پاک درد اور پاک حزن اور پاک اخلاقی ظہور جب اپنے اشتعال اور کمال کی حالت میں ہوں تو ان نیک اور ہوشیار چوکیداروں کی طرح ہیں جو اپنے مالک کے محل کے دروازوں پر چاروں طرف دن رات پہرہ کے لئے کھڑے رہتے ہیں سو ہر چند اس محل کے سارے دروازے کھلے ہیں (یعنی ہر ایک قسم کی قوتیں اور استعدادیں) مگر بباعث تقید محافظین بجز سرد ہوا اور محبوب چیزوں کے کوئی نابکار چیز اندر نہیں جاسکتی اور اگر کتا یا چور اندر جانے کا ارادہ کرتا ہے تو پکڑا جاتا ہے اور مار کھاتا ہے لیکن وہ محل جس کے دروازے تو کھلے ہیں مگر دروازوں پر کوئی نیک و ہوشیار چوکیدار نہیں گو اس میں ٹھنڈی ہوا اور اچھی اچھی چیزیں بھی داخل ہوتی ہیں مگر ایسے گھر کو اکثر چور لگے رہتے ہیں اور کتے اس کی چیزوں کو پلید کرتے رہتے ہیں۔ سو یہ

﴿۲۳﴾ میں دیکھتا ہوں کہ ان کی روحانی زندگی بہت ہی کمزور ہوگئی ہے اور ان کی بے جا آزادی اور ضعفِ ایمان نے بہت ہی برا اثر ان کے ارادت باطنی اور ان کی دینی اولوالعزمی اور ان کی اندرونی حالت پر ڈالا ہے اور عجیب طور پر انہوں نے ضلالت کو صداقت کے ساتھ ملا دیا ہے مذہب وہ چیز ہے جس کی برکات کی اصل جڑھ ایمان و اعتبار و حسن

بقیہ حاشیہ

﴿۲۳﴾ گھر خرابی کی حالت میں رہتا ہے پس جس جگہ صفوت و عصمت و تبتل و محبت کامل و تام و حزن و درد و شوق و خوف ہے اس جگہ انوار وحی کے کامل تجلیات بغیر آمیزش کسی نوع کی ظلمت کے وارد ہوتے رہتے ہیں اور آفتاب کی طرح چمکتے ہوئے نظر آتے رہتے ہیں اور جس جگہ یہ مرتبہ کمالِ تام کا نہیں اس جگہ وحی بھی اس عالی مرتبہ سے متنزّل ہوتی ہے۔ غرض وحی الٰہی ایک ایسا آئینہ ہے جس میں خدائے تعالیٰ کی صفات کمالیہ کا چہرہ حسب صفائی باطن نبی منزل علیہ کے نظر آتا ہے اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پاک باطنی و انشراح صدری و عصمت و حیا و صدق و صفا و توکل و وفا اور عشق الٰہی کے تمام لوازم میں سب انبیاء سے بڑھ کر اور سب سے افضل و اعلیٰ و اکمل و ارفع و اجلیٰ و اصفا تھے اس لئے خدائے جلّ شانہٗ نے ان کو عطر کمالات خاصہ سے سب سے زیادہ معطر کیا اور وہ سینہ اور دل جو تمام اولین و آخرین کے سینہ و دل سے فراخ تر و پاک تر و معصوم تر و روشن تر تھا وہ اسی لائق ٹھہرا کہ اس پر ایسی وحی نازل ہو کہ جو تمام اولین و آخرین کی وحیوں سے اقویٰ و اکمل و ارفع و اتم ہو کر صفات الٰہیہ کے دکھلانے کے لئے ایک نہایت صاف اور کشادہ اور وسیع آئینہ ہو۔ سو یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف ایسے کمالات عالیہ رکھتا ہے جو اس کی تیز شعاعوں اور شوخ کرنوں کے آگے تمام صحف سابقہ کی چمک کالعدم ہو رہی ہے کوئی ذہن ایسی صداقت نکال نہیں سکتا جو پہلے ہی سے اس میں درج نہ ہو۔ کوئی فکر ایسے برہان عقلی پیش نہیں کر سکتا جو پہلے ہی سے اس نے پیش نہ کی ہو۔ کوئی تقریر ایسا قوی اثر کسی دل پر ڈال نہیں سکتی جیسے قوی اور

﴿۲۴﴾ اعتقاد وحسن ظن واطاعت واتباع مخبر صادق وکلام الٰہی ہے لیکن وہ لوگ اپنے غلط فلسفہ کی وجہ سے مذہب کی حقیقت کچھ اور ہی سمجھ رہے ہیں سو انہیں لازم ہے کہ تعصب اور خود پسندی کے شور وغوغا سے اپنے تئیں الگ کر کے سیدھی نظر اور سیدھے خیال سے اس سوال پر غور کریں کہ ایمان کیا شے ہے اور اس پر

بقیہ حاشیہ

﴿۲۴﴾ پُر برکت اثر لاکھوں دلوں پر وہ ڈالتا آیا ہے۔ وہ بلاشبہ صفات کمالیہ حق تعالیٰ کا ایک نہایت مصفّا آئینہ ہے جس میں سے وہ سب کچھ ملتا ہے جو ایک سالک کو مدارجِ عالیہ معرفت تک پہنچنے کے لئے درکار ہے۔

اور جیسا کہ ہم عنوان اس حاشیہ پر لکھ چکے ہیں معرفت حقّانی کے عطا کرنے کے لئے تین دروازے قرآن شریف میں کھلے ہوئے ہیں ایک عقلی یعنے خدائے تعالیٰ کی ہستی اور خالقیّت اور اس کی توحید اور قدرت اور رحم اور قیّومی اور مجازات وغیرہ صفات کی شناخت کے لئے جہاں تک علوم عقلیہ کا تعلق ہے استدلالی طریق کو کامل طور پر استعمال کیا ہے اور اس استدلال کے ضمن میں صناعت منطق وعلم بلاغت وفصاحت وعلوم طبعی وطبابت وہیئت وہندسہ ودقائق فلسفیہ وطریق جدل ومناظرہ وغیرہ تمام علوم کو نہایت لطیف وموزوں طور پر بیان کیا ہے جس سے اکثر دقیق مسائل کا پیچ کھلتا ہے۔ پس یہ طرز بیان جو فوق العادت ہے از قسم اعجاز عقلی ہے کیونکہ بڑے بڑے فیلسوف جنہوں نے منطق کو ایجاد کیا اور فلاسفی کے قواعد مرتب کئے اور بہت کچھ طبعی اور ہیئت میں کوشش مغز زنی کی وہ بباعث نقصان عقل اپنے ان علوم سے اپنے دین کو مدد نہیں دے سکے اور نہ اپنی غلطیوں کی اصلاح کر سکے اور نہ اوروں کو فائدہ دینی پہنچا سکے بلکہ اکثر ان کے دہریہ اور ملحد اور ضعیف الایمان رہے اور جو بعض ان میں سے کسی قدر خدائے تعالیٰ پر ایمان لائے انہوں نے ضلالت کو صداقت کے ساتھ ملا کر اور خبیث کو طیّب کے ساتھ مخلوط

﴿۲۵﴾ ثواب مترتب ہونے کی کیوں امید کی جاتی ہے سو جاننا چاہیئے کہ ایمان اس اقرار لسانی وتصدیق قلبی سے مراد ہے جو تبلیغ و پیغام کسی نبی کی نسبت محض تقویٰ اور دور اندیشی کے لحاظ سے صرف نیک ظنی کی بنیاد پر یعنے بعض وجوہ کو معتبر سمجھ کر اور اس طرف غلبہ اور رجحان پا کر بغیر انتظار کامل اور قطعی اور

بقیہ حاشیہ

﴿۲۵﴾ کر کے راہ راست کو چھوڑ دیا۔ پس یہ الٰہی عقل از قبیل خارق عادت ہے جس کے استدلال میں کوئی غلطی نہیں اور جس نے علوم مذکورہ سے ایک ایسی شائستہ خدمت لی ہے جو کبھی کسی انسان نے نہیں لی اور اس کے ثبوت کے لئے یہی کافی ہے کہ دلائل وجود باری عزّاسمہٗ اور اس کی توحید و خالقیت وغیرہ صفات کمالیہ کے اثبات میں بیان قرآن شریف کا ایسا محیط وحاوی ہے جس سے بڑھ کر ممکن ہی نہیں کہ کوئی انسان کوئی جدید برہان پیش کر سکے اگر کسی کو شک ہو تو وہ چند دلائل عقلی متعلق اثبات ہستی باری عزّاسمہٗ یا اس کی توحید یا اس کی خالقیّت یا کسی دوسری الٰہی صفت کے متعلق بطور امتحان پیش کرے تا بالمقابل قرآن شریف میں سے وہی دلائل یا ان سے بڑھ کر اس کو دکھلائے جائیں جس کے دکھلانے کے ہم آپ ہی ذمہ وار ہیں غرض یہ دعویٰ اور یہ تعریف قرآنی لاف و گذاف نہیں بلکہ حقیقت میں حق ہے اور کوئی شخص عقائد حقّہ کے اثبات میں کوئی ایسی دلیل پیش نہیں کر سکتا جس کے پیش کرنے سے قرآن شریف غافل رہا ہو۔ قرآن شریف بآواز بلند بیسیوں جگہ اپنے احاطہ تامہ کا دعویٰ پیش کرتا ہے چنانچہ بعض آیات ان میں سے ہم اس حاشیہ میں درج بھی کر چکے ہیں سو اگر کوئی طالب حق آزمائش کا شائق ہو تو ہم اس کی تسلی کامل کرنے کے لئے مستعد اور تیار اور ذمّہ وار ہیں مگر افسوس تو یہ ہے کہ اس پر غفلت اور لاپروائی اور بے قدری کے زمانہ میں ایسے لوگ بہت ہی تھوڑے ہیں جو صدق دلی سے طالب حق ہو کر اس خاصیّتِ عظمیٰ و معجزہ کبریٰ کی آزمائش چاہیں بلکہ وہ اسی میں اپنی سرخروئی سمجھ لیتے ہیں کہ بات کو

﴿۲۶﴾ واشگاف ثبوت کے دلی انشراح سے قبولیت وتسلیم ظاہر کی جائے لیکن جب ایک خبر کی صحت پر وجوہ کاملہ قیاسیہ اور دلائل کافیہ عقلیہ مل جائیں تو اس بات کا نام ایقان ہے جس کو دوسرے لفظوں میں علم الیقین بھی کہتے ہیں اور جب خدائے تعالیٰ خود اپنے خاص جذبہ اور موہبت سے خارق عادت

بقیہ حاشیہ ﴿۲۶﴾ سنتے ہی انکار کر دیں لیکن ظاہر ہے کہ صرف اس بات کے کہنے سے کہ ہم نہیں مانتے یا ہم اس کو خلاف عقل یا خلاف قانون قدرت سمجھتے ہیں امر متنازعہ فیہ انفصال نہیں پاتا اور صداقت پسندوں کا یہ طریق ہرگز نہیں۔ ایک شخص کو ایک امر متنازعہ فیہ کے اثبات کے لئے میدان میں کھڑے دیکھ کر اور آواز پر آواز مارتے سن کر پھر اس کی طرف رخ نہ کریں اسے آزما کر نہ دیکھ لیں اور دور بیٹھے یونہی کہتے رہیں کہ اس کی یہ باتیں جھوٹ اور بے اصل ہیں کیا یہ شیوہ کسی واقعی راست باز کا ہوسکتا ہے۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ دوسرا دروازہ معرفت الٰہی کا جو قرآن شریف میں نہایت وسیع طور پر کھلا ہوا ہے دقائق علمیہ ہیں جس کو بوجہ خارق عادت ہونے کے علمی اعجاز کہنا چاہئے وہ علوم کئی قسم کے ہیں اول علم معارف دین یعنے جس قدر معارف عالیہ دین اور اس کی پاک صداقتیں ہیں اور جس قدر نکات و لطائف علم الٰہی ہیں جن کی اس دنیا میں تکمیل نفس کے لئے ضرورت ہے ایسا ہی جس قدر نفس امارہ کی بیماریاں اور اس کے جذبات اور اس کی دوری یا دائمی آفات ہیں یا جو کچھ ان کا علاج اور اصلاح کی تدبیریں ہیں اور جس قدر تزکیہ و تصفیہ نفس کے طریق ہیں اور جس قدر اخلاق فاضلہ کے انتہائی ظہور کی علامات وخواص و لوازم ہیں یہ سب کچھ باستیفائے تام فرقان مجید میں بھرا ہوا ہے اور کوئی شخص ایسی صداقت یا ایسا نکتہ الٰہیہ یا ایسا طریق وصول الی اللہ یا کوئی ایسا نادر یا پاک طور مجاہدہ و پرستش الٰہی کا نکال نہیں سکتا جو اس پاک کلام میں درج نہ ہو۔ دوسرے علم خواص روح وعلم نفس ہے جو ایسے احاطہ تام سے اس

﴿۲۷﴾ کے طور پر انوار ہدایت کھولے اور اپنے آلاء ونعماء سے آشنا کرے اور لدُنّی طور پر عقل اور علم عطا فرماوے اور ساتھ اس کے ابواب کشف اور الہام بھی منکشف کر کے عجائبات الوہیت کا سیر کراوے اور اپنے محبوبانہ حسن و جمال پر اطلاع بخشے تو اس مرتبہ کا نام عرفان ہے جس کو دوسرے

بقیہ حاشیہ

﴿۲۷﴾ کلام معجز نظام میں اندراج پایا ہے کہ جس سے غور کرنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ بجز قادرِ مطلق کے یہ کسی کا کام نہیں۔ تیسرے علم مبدء و معاد و دیگر امور غیبیہ جو عالم الغیب کے کلام کا ایک لازمی خاصہ ہے جس سے دلوں کو تسلی و تشفی ملتی ہے اور غیب دانی خدائے قادر مطلق کی مشہودی طور پر ثابت و متحقق ہوتی ہے یہ علم اس تفصیل اور کثرت سے قرآن شریف میں پایا جاتا ہے کہ دنیا میں کوئی دوسری کتاب اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ پھر علاوہ اس کے قرآنِ شریف نے تائید دین میں اور اور علوم سے بھی اعجازی طور پر خدمت لی ہے اور منطق اور طبعی اور فلسفہ اور ہیئت اور علم نفس اور طبابت اور علم ہندسہ اور علم بلاغت وفصاحت وغیرہ علوم کے وسائل سے علم دین کا سمجھانا اور ذہن نشین کرنا یا اس کا تفہیم درجہ بدرجہ آسان کر دینا یا اس پر کوئی برہان قائم کرنا یا اس سے کسی نادان کا اعتراض اٹھانا مدنظر رکھا ہے غرض طفیلی طور پر یہ سب علوم خدمت دین کے لئے بطور خارق عادت قرآن شریف میں اس عجیب طرز سے بھرے ہوئے ہیں جن سے ہر یک درجہ کا ذہن فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اگرچہ دلی جوش اس عاجز کا اس بات کی طرف دامن دل کھینچ رہا ہے کہ ان سب علوم میں سے دو دو تین تین مسائل علمی جو قرآن شریف میں درج ہیں نمونہ کے طور پر اس جگہ لکھے جائیں اور کچھ براہین عقلیہ بھی جو اس پاک کلام میں اثبات اصول دین کے لئے اندراج پائے ہیں تحریر ہوں لیکن چونکہ یہ سب بیانات طوالت طلب ہیں اور رسالہ ہذا بوجہ قلیل الحجم ہونے کے ان کی برداشت نہیں کرسکتا اور کتاب براھین احمدیہ خود ان سب باتوں کی متکفل ہے اس لئے خوفِ اطناب سے ترک کر دیا گیا۔ طالبین حق انشاء اللہ تعالیٰ براہین احمدیہ میں ان

﴿۲۸﴾ لفظوں میں عین الیقین اور ہدایت اور بصیرت کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ اور جب ان تمام مراتب کی شدّت اثر سے عارف کے دل میں ایک ایسی کیفیت حالی عشق اور محبت کے باذنہٖ تعالیٰ پیدا ہو جائے کہ تمام وجود عارف کا اس کی لذت سے بھر جائے اور آسمانی انوار اس کے

بقیہ حاشیہ

﴿۲۸﴾ سب مقاصد کو پالیں گے مگر اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اگرچہ یہ علوم کسبی طور پر بھی لوگ حاصل کرتے ہیں لیکن ایک اُمّی محض جو سخت تاریکی اور جہالت کے زمانہ میں ایک جنگلی ملک میں پیدا ہوا جس نے مکتب میں ایک حرف نہ پڑھا اور فلاسفہ سے کبھی مخالطت نہ ہوئی اور منطق اور طبعی اور ہیئت اور علم نفس وغیرہ کا اپنی پر جہالت ملک میں نام بھی نہ سنا اس سے یہ چشمۂ فیض کامل اور صحیح طور پر جوش مارنا ایسا کہ کوئی فلسفی اس پر سبقت نہ لے جاسکے بہ بداہت عقل خارق عادت ہے۔ جو شخص بالکل ان پڑھ ہو کر ایسے بے مثل طور پر حقائق عالیہ فلسفہ وطبعی و ہیئت وعلم خواص روح و معارف دین بغیر کسی کے سکھائے اور پڑھائے کے بیان کرے تو اس کے معجزہ ہونے میں کسی دانا اور منصف مزاج کو تامل نہیں ہوسکتا۔ تیسرا دروازہ معرفت الٰہی کا جو قرآن شریف میں اللہ جلّ شانہٗ نے اپنی عنایت خاص سے کھول رکھا ہے برکات روحانیہ ہیں جس کو اعجاز تاثیری کہنا چاہئے۔ یہ بات کسی سمجھدار پر مخفی نہیں ہوگی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زادبوم ایک محدود جزیرہ نما ملک ہے جس کو عرب کہتے ہیں جو دوسرے ملکوں سے ہمیشہ بے تعلق رہ کر گویا ایک گوشۂ تنہائی میں پڑا رہا ہے۔ اس ملک کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے بالکل وحشیانہ اور درندوں کی طرح زندگی بسر کرنا اور دین اور ایمان اور حق اللہ اور حق العباد سے بے خبر محض ہونا اور سینکڑوں برسوں سے بت پرستی و دیگر ناپاک خیالات میں ڈوبے چلے آنا اور عیّاشی اور بدمستی اور شراب خوری اور قمار بازی وغیرہ فسق کے

﴿۲۹﴾ دل پر بکلی احاطہ کر کے ہر یک ظلمت وقبض وتنگی کو درمیان سے اٹھاویں یہاں تک کہ بوجہ کمال رابطہ عشق ومحبت وبباعث انتہائی جوش صدق وصفا کی بلا اور مصیبت بھی محسوس اللذت و مدرك الحلاوت ہو تو اس درجہ کا نام اطمینان ہے جس کو دوسرے لفظوں میں حق الیقین اور فلاح اور

بقیہ حاشیہ ﴿۲۹﴾ طریقوں میں انتہائی درجہ تک پہنچ جانا اور چوری اور قزّاقی اور خون ریزی اور دختر کشی اور یتیموں کا مال کھا جانے اور بیگانہ حقوق دبا لینے کو کچھ گناہ نہ سمجھنا۔ غرض ہر یک طرح کی بُری حالت اور ہر یک نوع کا اندھیرا اور ہر قسم کی ظلمت وغفلت عام طور پر تمام عربوں کے دلوں پر چھائی ہوئی ہونا ایک ایسا واقعہ مشہورہ ہے کہ کوئی متعصب مخالف بھی بشرطیکہ کچھ واقفیت رکھتا ہو اس سے انکار نہیں کرسکتا اور پھر یہ امر بھی ہر یک منصف پر ظاہر ہے کہ وہی جاہل اور وحشی اور یاوہ اور ناپارسا طبع لوگ اسلام میں داخل ہونے اور قرآن کو قبول کرنے کے بعد کیسے ہوگئے اور کیونکر تاثیرات کلام الٰہی اور صحبت نبی معصومؐ نے بہت ہی تھوڑے عرصہ میں ان کے دلوں کو یکلخت ایسا مبدل کر دیا کہ وہ جہالت کے بعد معارف دینی سے مالا مال ہوگئے اور محبت دنیا کے بعد الٰہی محبت میں ایسے کھوئے گئے کہ اپنے وطنوں اپنے مالوں اپنے عزیزوں اپنی عزتوں اپنی جان کے آراموں کو اللہ جلّ شانُہٗ کے راضی کرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ چنانچہ یہ دونوں سلسلے ان کی پہلی حالت اور اس نئی زندگی کے جو بعد اسلام انہیں نصیب ہوئے قرآن شریف میں ایسی صفائی سے درج ہیں کہ ایک صالح اور نیک دل آدمی پڑھنے کے وقت بے اختیار چشم پُر آب ہو جاتا ہے۔ پس وہ کیا چیز تھی جو ان کو اتنی جلدی ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف کھینچ کر لے گئی وہ دو ہی باتیں تھیں ایک یہ کہ وہ نبی معصومؐ اپنی قوتِ قدسیہ میں نہایت ہی قوی الاثر تھا ایسا کہ نہ کبھی ہوا اور نہ ہوگا۔ دوسری خدائے قادر مطلق حیّ قیوم کے پاک کلام کی زبردست اور عجیب

﴿۳۰﴾ نجات سے بھی تعبیر کرتے ہیں مگر یہ سب مراتب ایمانی مرتبہ کے بعد ملتے ہیں اور اس پر مترتّب ہوتے ہیں۔ جو شخص اپنے ایمان میں قوی ہوتا ہے وہ رفتہ رفتہ ان سب مراتب کو پالیتا ہے لیکن جو شخص ایمانی طریق کو اختیار نہیں کرتا اور ہر یک صداقت کے قبول کرنے سے اوّل قطعی اور یقینی

﴿۳۰﴾ **بقیہ حاشیہ** تاثیریں تھیں کہ جو ایک گروہ کثیر کو ہزاروں ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لے آئیں بلاشبہ یہ قرآنی تاثیریں خارق عادت ہیں کیونکہ کوئی دنیا میں بطور نظیر نہیں بتلا سکتا کہ کبھی کسی کتاب نے ایسی تاثیر کی۔ کون اس بات کا ثبوت دے سکتا ہے کہ کسی کتاب نے ایسی عجیب تبدیل و اصلاح کی جیسی قرآن شریف نے کی وید تو خود تہیدست ہے اور ایک شخص بھی ثابت نہیں ہوسکتا کہ جو کبھی اور کسی زمانہ میں بذریعہ تاثیرات وید کمالات باطنی تک پہنچا ہو اور اس قدر تو وید کے پیرو خود اقرار کرتے ہیں کہ صرف وید کے چار رشی کمال تک پہنچے ہیں وبس مگر چار کا کامل ہونا بھی بے ثبوت ہے سچ تو یہ ہے کہ وید کے ماننے والوں کو کبھی اس قدر بھی نصیب نہیں ہوا کہ خدائے تعالیٰ کو واحد لاشریک مان کر مبدء جمیع فیوض کا سمجھیں اور اسی کے کامل القدرت ہاتھ کو ہر یک وجود کا موجد قرار دیں اور اس کے بھائی بند نہ بن بیٹھیں اگر کوئی شخص اس بات کو برا مانیں تو اسی کی گردن پر ہے کہ تاثیرات طیبہ وید کو ثابت کر کے دکھلا دے اور ان الزاموں کو اس کے سر پر سے اٹھا دے۔ جن سے ہندوؤں کے پرمیشر کی کچھ بھی عزت باقی نہ رہی ہمیں وید سے کوئی بے وجہ عناد نہیں مگر ہم سچ سچ کہتے ہیں اور ہم اپنے خدائے قادر مطلق کو گواہ رکھ کر بیان کرتے ہیں کہ ہمارا اور کسی خداترس کا دلی انصاف اس بات کو ہرگز قبول نہیں کرسکتا کہ جس کامل ذات کے برکت☆ وجود سے ذرہ ذرہ قائم ہے اور جو تمام دنیا کا مالک کہلاتا ہے اس کی بادشاہی صرف دوسروں کے سہارے سے چلی آتی ہے نہ اپنی قدرت خاصہ سے اور تمام روحیں اور اجسام یونہی اتفاق اور قسمت سے اس کو مل گئے ہیں نہ آپ پیدا کرنے سے اور اس کی خدائی اتفاقی ہے نہ حقیقی۔ اب وید سے مونہہ پھیر کر قرآن شریف کی طرف دیکھنا چاہئے کہ کیسی پاک تاثیریں رکھتا ہے

☆ سہو کتابت ہے۔ صحیح ''بابرکت'' ہے۔ ناشر

﴿۳۱﴾ اور نہایت واشگاف ثبوت مانگتا ہے اس کی طبیعت کو اس راہ سے کچھ مناسبت نہیں اور وہ اس لائق ہرگز نہیں ہوسکتا کہ اس قادر غنی بے نیاز کے فیوض حاصل کرے۔ عادت اللہ قدیم سے اسی طرح پر جاری ہے اور یہ اس فن علم الٰہی کا نہایت باریک نکتہ ہے جس پر سعادت مندوں کو

بقیہ حاشیہ

﴿۳۱﴾ لاکھوں مقدسوں کا یہ تجربہ ہے کہ قرآن شریف کے اتباع سے برکات الٰہی دل پر نازل ہوتی ہیں اور ایک عجیب پیوند مولیٰ کریم سے ہوجاتا ہے خدائے تعالیٰ کے انوار اور الہام ان کے دلوں پر اترتے ہیں اور معارف اور نکات ان کے مونہہ سے نکلتے ہی ایک قوی توکل ان کو عطا ہوتی ہے اور ایک محکم یقین ان کو دیا جاتا ہے اور ایک لذیذ محبت الٰہی جو لذّت وصال سے پرورش یاب ہے ان کے دلوں میں رکھی جاتی ہے اگر ان کے وجودوں کو ہاون مصائب میں پیسا جائے اور سخت شکنجوں میں دے کر نچوڑا جائے تو ان کا عرق بجز حبّ الٰہی کے اور کچھ نہیں۔ دنیا ان سے ناواقف اور وہ دنیا سے دور تر و بلند تر ہیں۔ خدا کے معاملات ان سے خارق عادت ہیں انہیں پر ثابت ہوا ہے کہ خدا ہے۔ انہیں پر کھلا ہے کہ ایک ہے جب وہ دعا کرتے ہیں تو وہ ان کی سنتا ہے۔ جب وہ پکارتے ہیں تو وہ انہیں جواب دیتا ہے جب وہ پناہ چاہتے ہیں تو وہ ان کی طرف دوڑتا ہے وہ باپوں سے زیادہ ان سے پیار کرتا ہے اور ان کی در و دیوار پر برکتوں کی بارش برساتا ہے پس وہ اس کی ظاہری و باطنی و روحانی و جسمانی تائیدوں سے شناخت کئے جاتے ہیں اور وہ ہر یک میدان میں ان کی مدد کرتا ہے کیونکہ وہ اس کے اور وہ ان کا ہے۔ یہ باتیں بلا ثبوت نہیں اور ہم عنقریب رسالہ **سراج منیر** میں انشاء اللہ القدیر ایک کھلا کھلا ثبوت اس کا دکھلائیں گے۔ لیکن ہم اس جگہ یہ ظاہر کرنا چاہئے[1] کہ کسی دوسرے دین میں یہ برکتیں ہرگز نہیں۔ وید نے اگر آریوں کے دلوں پر کچھ اثر ڈالا ہے تو وہ صرف گالیاں اور دشنام دہی ہے تمام مقدسوں کو فریبی کہنا سب پاک

[1]: سہو کاتب ہے صحیح ''چاہتے ہیں''۔ ناشر۔

﴿۳۲﴾ غور کرنی چاہئے کہ ہمیشہ ثواب اور فیضان سماوی ایمان پر ہی مترتّب ہوتا ہے۔ اس راہ کا سچا فلسفہ یہی ہے کہ انسان دین قبول کرنے کی ابتدائی حالت میں اس بے نیاز مطلق اور اس کی قدرت اور اس کے وعد و وعید اور اس کے اخبار و اسرار کے ماننے میں لنبے لنبے انکاروں سے مجتنب رہے کیونکہ ایمانی صورت کے قائم رکھنے کے لئے (جس پر تمام ثواب وابستہ ہے) ضرور تھا کہ خدائے تعالیٰ امور ایمانیہ کو ایسا منکشف نہ کرتا کہ وہ دوسرے بدیہات کی طرح ہر یک عام اور خاص کی نظر میں مسلّم الوجود ہو جاتی۔ یہ تو سچ ہے کہ انسان مکلّف بوجہ عقل ہے نامعقول باتوں کو مان نہیں سکتا اور نہ درحالت انکار قابل الزام ٹھہرتا ہے لیکن خدا تمہیں ہدایت کرے تم خوب سوچ لو کہ خدائے تعالیٰ بھی کسی نامعقول بات پر (جو عندالعقل اس کی قدرت اور طاقت سے بعید ہے) ایمان لانے کے لئے تمہیں مجبور نہیں کرتا۔ اور ہمارے کسی لفظ سے یہ نہیں نکلتا کہ تم کسی ایسی بات پر ایمان لاؤ جو فی الحقیقت دور بین نظروں میں نامعقول ہے بلکہ ہماری تقریر کا مدعا اور لب لباب یہ ہے کہ ایمانی امور ایسے ہونے چاہئے کہ جو من وجہ ظاہر اور من وجہ مخفی ہوں اور امکانی طور پر عقل ان کا وجود باور تو کر سکے۔ مگر دوسرے مشہودات

بقیہ حاشیہ ﴿۳۲﴾ نبیوں کا نام مکار رکھنا دنیا کے برگزیدوں کو بجز اپنے تین یا چار وید کے رشیوں نامعلوم الوجود کو جھوٹا اور دغاباز اور ٹھگ قرار دینا انہیں لوگوں کا کام ہے کیا ان لوگوں کے مونہہ سے بجز بدظنیوں اور بدزبانیوں کے کبھی کچھ معارف الٰہی کے نکات بھی نکلے ہیں۔ کیا بجز گندی باتوں اور نابکار خیالات یا تحقیر اور توہین اور ٹھٹھے اور ہنسی اور پرشرارت اور بدبودار لفظوں کے کبھی کوئی دقیق بھید معرفت الٰہی کا بھی ان کی زبان سے سنا گیا ہے۔ کیا ان برتنوں سے کبھی کوئی صفا دلی کا قطرہ بھی مترشح ہوا ہے یا انہوں نے باطنی پاکیزگی میں کچھ ترقی کی ہے ہرگز نہیں سو جو کچھ وید کا اثر ہے سو ظاہر ہے حاجت بیان نہیں۔ منہ۔

﴿۳۳﴾ ومرئیات بدیہہ کی طرح ہاتھ پکڑ کر دکھلا نہ سکے یعنے انسان اور گدھے وغیرہ محسوس چیزوں کی طرح ان کا وجود نہ ہو جن کو ٹٹول کر معلوم کر سکیں یا بچشم خود دیکھ سکیں یا دکھا سکیں یا اشکال ہندسی اور اعمال حسابی کی طرح ایسے منکشف نہ ہوں جن میں دس دس برس کے بچے بھی اختلاف نہ کر سکیں۔ غرض وہ کیفیت ان میں محفوظ ہو جو ایمان کا مفہوم قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے اور پھر باایں ہمہ بالغ نظروں اور حقیقت شناسوں کی نگاہوں میں نامعقول اور بعید از عقل بھی نہ ہوں۔

نہ چنداں بخور کز دہانت برائید نہ چنداں کہ از ضعف جانت برائید

اب خلاصہ و ماحصل اس تقریر کا یہ ہے کہ کسی مذہب کے قبول کرنے سے غرض یہ ہے کہ وہ طریق اختیار کیا جائے جس سے خدائے غنی مطلق جو مخلوق اور مخلوق کی عبادت سے بکلی بے نیاز ہے راضی ہو جائے اور اس کے فیوض رحمت اترنے شروع ہو جائیں جن سے اندرونی آلائشیں دور ہو کر صحن سینہ یقین اور معرفت سے پر ہو جائے سو یہ تدبیر اپنی فکر سے پیدا کرنا انسان کا کام نہیں تھا۔ اس لئے اللہ جلّ شانہ نے اپنے وجود اور اپنے عجائبات قدرت خالقیت یعنے ارواح و اجسام و ملائک و دوزخ و بہشت و بعث و حشر و رسالت و دیگر تمام اسرار مبدء و معاد کو یکساں طور پر پردہ غیب میں رکھ کر اور کچھ کچھ قیاسی یا امکانی طور پر عقل کو اس کوچہ میں گزر بھی دے کر غرض کچھ دکھلا کر اور کچھ چھپا کر بندوں کو ان سب باتوں پر ایمان لانے کے لئے مامور کیا اور یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ جب بندہ باوجود کش مکش مخالفانہ خیالات کے خدائے تعالیٰ کی ہستی پر ایمان لائے گا اور سب عجائبات اخروی و وجود دوزخ و بہشت و ملائک وغیرہ کو اس کی قدرت میں سمجھ کر دیکھنے سے پہلے ہی قبول کر لے گا تو یہ قبول کرنا اس کے حق میں صدق شمار کیا جائے گا کیونکہ ہنوز یہ چیزیں در پردہ غیب ہیں اور مرئی اور مشہود طور پر نمایاں اور ظاہر نہیں ہیں سو یہ صدق خدائے تعالیٰ کی توجہ رحمت کے لئے ایک موجب ہو جائے گا کیونکہ خدائے تعالیٰ بوجہ اپنی استغنا ذاتی کے انہیں لوگوں پر توجہ رحمت کرتا ہے جن کا صدق ظاہر ہوتا ہے۔ یوں تو انسان کی

﴿۳۴﴾ فطرتی عادت ہے کہ جو چیز کھلے کھلے طور پر مضر یا مفید ہو اس سے بہ نفرت بھاگتا یا اس کے لینے کو بصد رغبت دوڑتا ہے یعنی جیسی صورت ہو لیکن وہ اپنی اس عادت سے کسی ثواب کا مستحق نہیں ٹھہر سکتا اگر کوئی شخص بجلی سے ڈر کر اپنے کوٹھے میں چھپ جائے یا شیر سے خوف کھا کر اپنے شہر کی طرف بھاگے تو وہ ہرگز یہ نہیں کہہ سکتا کہ اے بجلی یا شیر میں نے تم سے خوف کیا تم مجھ سے راضی ہو جاؤ۔ سو ظاہر ہے کہ جو ڈرنا یا امید کرنا ضروری طور پر لازم آتا ہے وہ کسی تحسین یا آفرین کا موجب نہیں ٹھہر سکتا۔ اسی وجہ سے لازم ہے کہ جو شخص خدائے تعالیٰ اور اس کے عجائبات آخر کو مان کر رضامندی الٰہی کا خواہشمند ہے وہ ان سب چیزوں کے ماننے میں بے جا اڑوں سے پرہیز کرے اور جہاں تک ممکن ہو مطالبہ دلائل میں نرمی اختیار کر کے فقط اتنا کرے کہ ایک راہ کو دوسری راہوں پر ترجیح دیکھ لے اور ایسے یقینی ثبوت کے لئے کہ جیسے چار کا نصف دو ہے اپنی نابالغ عقل کو آوارہ اور سرگرداں نہ ہونے دے بلکہ تمام تر سعادت تو اس میں ہے کہ غیب ہی کی صورت میں قبول کرے اور ظاہری حواس کی خواہ نخواہ شہادت طلب کرنے سے اور فلسفہ کے طول طویل اور لاطائل جھگڑوں سے حتی الوسع اپنے تئیں بچاوے کیونکہ اگر خدا کو دیکھ کر ہی یا انتہائی تحقیقات سے ہی قبول کرنا ہے اور جزا سزا کو تجربہ کر کے ہی ماننا ہے تو پھر ایسے ماننے میں کون سی خاص فضیلت یا صدق پایا جاتا ہے اس طرح پر کون ہے جو قبول نہیں کرتا۔ دنیا میں ایسی طبیعت کا کوئی بھی آدمی نہیں کہ اگر اس کو پورا پورا ثبوت خدا کی ہستی یا عالم مجازات یا عجائبات قدرت کا مل جائے تو پھر وہ منکر ہی رہے مثلاً اگر خدائے تعالیٰ ہر یک انسان کو نظر آجائے اور سب کو اپنی خدائی قدرتیں دکھلا دے یا اگر مثلاً ایسا ہو کہ دس بیس ہزار آدمی ہر یک قوم اور ہر یک ملک کی قبروں سے اٹھ کر اپنی اپنی قوم اور قبیلہ میں آجائیں اور اپنے اپنے بیٹوں اور پوتوں کو خدا اور اس کی سزا و جزا کی ساری حقیقت سنا دیں تو پھر ممکن نہیں کہ پھر بھی کوئی شخص کافر اور بے دین رہ جائے۔ اب اس جگہ بالطبع سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس حالت میں خدائے تعالیٰ ان باتوں کے کرنے پر قادر تھا اور اس پختہ ثبوت سے کفر اور بے دینی کی جڑھ کاٹی جاتی تھی تو پھر اس نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ بلاشبہ اگر وہ ایسا کرتا تو پھر حق اور

﴿۳۵﴾ باطل کا بکمال صفائی فیصلہ ہوجاتا اور فلسفہ کی نکمی اور بودی اور ظنّی اور وہمی دلائل کی کچھ حاجت نہ رہتی تو اس کا جواب یہی ہے کہ جو اوپر گزر چکا یعنے بے شبہ خدائے تعالیٰ ایسا کرسکتا تھا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ایسا جلوۂ دیدار دکھا سکتا تھا کہ ایک ہی تجلی سے سب گردنیں جھک جاتیں اور ایک ہی دفعہ تمام دنیا کی دینی نزاعوں کا تصفیہ ہوجاتا لیکن ایسا کرنے میں وہ بات جس سے ثواب ملتا ہے اور صادقوں کو مراتب عالیہ اور قرب اور وجاہت عطا کی جاتی ہے وہ باقی نہ رہتی یعنی ایمان بالغیب جس کی وجہ سے درجات اخروی ملتے ہیں وہ اپنی صورت میں محفوظ نہ رہتا۔ سو یہ بڑے بھاری درجہ کی صداقت ہے جو سوال مذکورہ بالا پر غور کرنے سے ہر یک اعلیٰ و ادنیٰ کو سمجھ آسکتی ہے۔ غرض ایمان پر ثواب اور اجر ملنے کا یہی بھید ہے کہ جن چیزوں پر ایمان لایا جاتا ہے وہ اگرچہ غور اور نظر کرنے سے صحیح اور راست ہیں۔ لیکن ان کا ثبوت ایسا کھلا کھلا ثبوت نہیں ہے جیسے اور مشہودات اور محسوسات کا ہوا کرتا ہے بلکہ ایمان بالغیب کی حد میں ہیں سو صادق آدمی جب خدا اور اس کی سزا و جزا وغیرہ امور غیبیہ پر ایمان لاتا ہے تو اس ایمان میں بوجہ انواع اقسام کے اوہام اور نفس امارہ کی چارطرفہ کشاکش کی سخت آزمائش میں پڑتا ہے۔ آخر چونکہ وہ صادق ہوتا ہے اس لئے سب راہیں چھوڑ کر اور سب خیالات پر غالب آکر اسی رب رحیم کی راہ اختیار کرلیتا ہے اور اس صدق کی برکت سے کہ وہ اپنے علم سے زیادہ رجوع اور اپنی واقفیت سے زیادہ وفا اور اپنے تجربہ سے زیادہ استحکام اختیار کرتا ہے۔ جناب الٰہی میں قبول کیا جاتا ہے۔ اور پھر اسی صدق وصفا کی برکت سے عرفانی آنکھیں اس کو عنایت ہوتی ہیں اور ربّانی لذت اور محبت اس کو عطا کی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ اس مرتبہ تک جا پہنچتا ہے جہاں تک انسانی کمالات ختم ہوجاتے ہیں مگر یہ سب کچھ کامل طور پر پیچھے سے ملتا ہے پہلے نہیں۔ یہ تو معرفت صحیحہ تک پہنچنے کے لئے سنت اللہ یا یوں کہو کہ قانون قدرت ہے لیکن اس زمانہ کے خشک فلسفیوں نے اس صداقت پر ایک ذرّہ اطلاع نہیں پائی ☆ اور وہ بالکل اس بات سے بے خبر ہیں کہ کیونکر انسان

☆ **حاشیہ** جاننا چاہئے کہ خدائے تعالیٰ اور عالم مجازات اور دیگر امور مبدء اور معاد کے ماننے میں

﴿۳۶﴾ ایمان کے محکم اور استوار زینہ سے عرفان کے بلند مینار تک پہنچتا ہے اور اسی بے خبری کی وجہ سے ان میں اپنے قدم اول میں ہی تعجیل اور جلدی بھری ہوئی ہے اور نہایت شتاب کاری سے علم دین کو ایک ادنیٰ سا کام اور ایک ناکارہ ہنر سمجھ کر یہ ارادہ کر رہے ہیں کہ مذہب کے تمام اصول وفروع کو اپنی ابتدائی حالت میں ہی بغیر انتظار دوسرے حالات مترقّبۂ کمالات فطرت کے اس طرح پر دریافت کر لیں جیسے کوئی ہندسہ یا حساب کا مسئلہ دریافت کیا جاتا ہے اور اگر کوئی دقیقۂ دینی اس حد کے انکشاف تک نہ پہنچ سکے تو اس کی نسبت صاف حکم صادر کر دیں کہ یہ سراسر باطل اور پیرایہ صداقت سے خالی ہے مگر جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں یہ ایمانی حکمت کا طریق نہیں ہے۔

﴿۳۶﴾ **بقیہ حاشیہ** فلسفیوں کا طریقہ انبیاء علیہم السلام کے طریقہ سے بہت مختلف ہے نبیوں کے طریق کا اصلِ اعظم یہ ہے کہ ایمان کا ثواب تب مترتب اور بار ور ہوگا کہ جب غیب کی باتوں کو غیب ہی کی صورت میں قبول کیا جائے اور ظاہری حواس کی کھلی کھلی شہادتیں یا دلائل ہندسیہ کے یقینی اور قطعی ثبوت طلب نہ کئے جائیں کیونکہ تمام و کمال مدار ثواب اور استحقاقِ قرب وتوصّل الٰہی کا تقویٰ پر ہے اور تقویٰ کی حقیقت وہی شخص اپنے اندر رکھتا ہے جو افراط آمیز تفتیشوں اور لمبے چوڑے انکاروں اور ہر ہر جزئی کی موشگافی سے اپنے تئیں بچاتا ہے اور صرف دور اندیشی کے طور سے ایک راہ کی سچائی کا دوسری راہوں پر غلبہ اور رجحان دیکھ کر بحسن ظن قبول کر لیتا ہے۔ اسی بات کا نام ایمان ہے اور اسی ایمان پر فیوض الٰہی کا دروازہ کھلتا ہے اور دنیا و آخرت میں سعادتیں حاصل ہوتی ہیں جب کوئی نیک بندہ ایمان پر محکم قدم مارتا ہے اور پھر دعا اور نماز اور فکر اور نظر سے اپنی حالت علمی میں ترقی چاہتا ہے تو خدائے تعالیٰ خود اس کا متولّی ہو کر اور آپ اس کا ہاتھ پکڑ کر درجۂ ایمان سے درجۂ عین الیقین تک اس کو پہنچا دیتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ بعد استقامت ومجاہدات و

﴿۳۷﴾ بلکہ انسانی ظلمت یا شیطانی رعونت کی ایک تاریکی ہے کیونکہ اگر ایسا ہی ہوتا اور مذہب کے تمام اجزاء اور جو کچھ اس میں بھرا ہوا ہے پہلے ہی سے **اظہر من الشمس** اور بدیہی اور بیّن الانکشاف ہوتے یا اشکال ہندسی اور حساب کے اعمال کی طرح قطعی الثبوت دکھائی دیتے تو پھر اس حالت میں ایمان ایمان نہ رہتا اور جو ایمان لانے پر ثواب اور سعادتیں اور برکتیں مترتب ہوتی ہیں ان کو انسان ہرگز نہ پاسکتا کیونکہ ظاہر ہے کہ بیّن الحقیقت اور ظاہر الوجود باتوں کو مان لینا ایمان نہیں ہے۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ میں اس بات پر ایمان لایا کہ پانی سرد اور آگ گرم ہے اور ہر ایک انسان آنکھوں سے دیکھتا اور کانوں سے سنتا اور مونہہ سے کھاتا اور پاؤں سے چلتا ہے اور میں اس

بقیہ حاشیہ

﴿۳۷﴾ ریاضات وتزکیہ وتصفیہ نفس ملتا ہے پہلے نہیں اور جو شخص پہلے ہی تمام جزئیات کی بکلی صفائی کرنا چاہتا ہے اور قبل از صفائی اپنے بدعقائد اور بداعمال کو کسی حالت میں چھوڑنا نہیں چاہتا وہ اس ثواب اور اس راہ کے پانے سے محروم ہے کیونکہ ایمان اسی حد تک ایمان ہے جب تک وہ امور جن کو مانا گیا ہے کسی قدر پردۂ غیب میں ہیں یعنی ایسی حالت پر واقعہ ہیں جو ابھی تک عقلی ثبوت نے ان پر احاطہ تام نہیں کیا اور نہ کسی کشفی طور پر وہ نظر آئی بلکہ ان کا ثبوت صرف غلبۂ ظن تک پہنچا ہے وبس۔

یہ تو انبیا کا سچا فلسفہ ہے جس پر قدم مارنے سے کروڑہا بندگان خدا آسمانی برکتیں پاچکے ہیں اور جس پر ٹھیک ٹھیک چلنے سے بے شمار خلق اللہ معرفت تامہ کے درجہ تک پہنچ چکی ہیں اور ہمیشہ پہنچتی ہیں اور جن اعلیٰ درجہ کے **تعینیوں** کو شوخی اور جلدی سے فلسفی لوگوں نے ڈھونڈا اور نہ پایا وہ سب مراتب ان ایماندار بندوں کو بڑی آسانی سے مل گئے اور اس سے بھی بڑھ کر اس میں معرفت تامہ کے درجہ تک پہنچ گئے کہ جو کسی فلسفی کے کانوں نے اس کو نہیں سنا۔

﴿۳۸﴾ بات پر ایمان لایا کہ آفتاب اور قمر موجود ہیں اور زمین پر بہت سے جمادات اور نباتات اور حیوانات پائے جاتے ہیں تو ایسا ایمان لانا ایک ہنسی کی بات ہے نہ کہ ایمان اور اسی وجہ سے بدیہی اور کھلی کھلی باتوں کو ماننا عنداللہ وعندالعقلاء ثواب پانے کا موجب نہیں ٹھہر سکتا بلکہ ایمان وہ شے ہے کہ جن باتوں کو عقل قبول تو کرتی ہے مگر بوجہ در پردہ غیب ہونے کے جیسا کہ چاہئے ان کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتی ان باتوں میں اپنی فراست فطرتی سے کچھ ترجیح یعنے آثارِ صداقت دیکھ کر اور کسی قدر دلائل عقلیہ کا غلبہ اس طرف پاکر اور پھر خدا کے کلام کو اس پر شاہد ناطق و صادق معلوم کر کے ان باتوں کو مان لیا جائے یہی ایمان ہے جو ذریعہ خوشنودی خداوند کریم

﴿۳۸﴾ **بقیہ حاشیہ** اور نہ اس کی آنکھ نے دیکھا اور نہ کبھی اس کے دل میں گزرا۔ لیکن اس کے مقابلہ پر خشک فلاسفروں کا جھوٹا اور مغشوش فلسفہ جس پر آج کل کے نوتعلیم یافتہ لوگ فریفتہ ہو رہے ہیں اور جس کے بدنتائج کی بے خبری نے بہت سے سادہ لوحوں کو برباد کر دیا ہے۔ یہ ہے کہ جب تک کسی اصل یا فرع کا قطعی طور پر فیصلہ نہ ہو جائے اور بکلی اس کا انکشاف نہ ہو جائے تب تک اس کو ہرگز ماننا نہیں چاہئے گو خدا ہو یا کوئی اور چیز ہو۔ ان میں سے اعلیٰ درجہ کے اور کامل فلاسفر جنہوں نے ان اصولوں کی سخت پابندی اختیار کی تھی انہوں نے اپنا نام محققین رکھا جن کا دوسرا نام دہریہ بھی ہے۔ ان کامل فلاسفروں کا بہ پابندی اپنے اصول قدیمہ کے یہ مذہب رہا ہے کہ چونکہ خدائے تعالیٰ کا وجود قطعی طور پر بذریعۂ عقل ثابت نہیں ہوسکتا اور نہ ہم نے اس کو بچشم خود دیکھا اس لئے ایسے خدا کا ماننا ایک امر مظنون اور مشتبہ کا مان لینا ہے جو اصول متقرّرہ فلسفہ سے بکلی بعید ہے سو انہوں نے پہلے ہی خدائے تعالیٰ کو درمیان سے اڑایا۔ پھر فرشتوں کا یوں فیصلہ کیا کہ یہ بھی خدائے تعالیٰ کی طرح نظر نہیں آتے چلو یہ بھی درمیان سے اٹھاؤ۔ پھر روحوں کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ رائے

﴿۳۹﴾ جلّ شانہٗ ہوجاتا ہے اور بعد اس کے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں مرتبہ ایقان ہے اور پھر اس کے بعد مرتبہ عرفان کا ہے یعنے جبکہ بندہ ایسی باتوں کو مان لیتا ہے جن کو اس کی عقل امکان یا جواز یا وجوب کی صورت میں قبول تو کر لیتی ہے مگر انکشاف کلّی کے طور پر ان پر احاطہ نہیں کر سکتے تو خدائے تعالیٰ کی نظر میں وہ شخص صادق ٹھہر جاتا ہے اور حضرت خداوند کریم عزّ اسمہٗ بہ برکت اس ایمان کے عرفان کا مرتبہ اس کو عطا کر دیتا ہے یعنی اپنی طرف سے علم و معرفت و سکینت اس پر نازل کرتا ہے اور کشفی اور الہامی نوروں سے وہ بقیّہ ظلمت بھی اٹھا دیتا ہے جس کے اٹھانے سے عقل دود آمیز عاجز رہ گئی تھی اسی جہت سے خدائے تعالیٰ نے جیسے انسان کی فطرت میں مبادی امور کے کسی قدر سمجھنے

بقیہ حاشیہ ﴿۳۹﴾ ظاہر کی کہ ہم کوئی ثبوت قابل اطمینان اس بات پر نہیں دیکھتے کہ بعد مرنے کے روح باقی رہ جاتی ہے نہ کوئی روح نظر آتی ہے اور نہ واپس آ کر کچھ اپنا قصہ سناتی ہے بلکہ سب روحیں مفارقت بدن کے بعد خدا اور فرشتوں کی طرح بے اثر و بے نشان ہیں سو ان کا بھی وجود ماننا خلاف دلیل و برہان ہے۔ ان سب فیصلوں کے بعد ان کی نظر عمیق نے تکالیف شرعیہ کی مشقت اور حلال حرام کا فرق اصول فلسفہ کا سخت مخالف سمجھا۔ اس لئے انہوں نے صاف صاف اپنی رائے ظاہر کر دی کہ ماں اور بہن اور جورو میں فرق کرنا یا اور چیزوں میں سے بلا ثبوت ضرر طبّی بعض چیزوں کو حرام سمجھ لینا یہ سب بناوٹی باتیں ہیں جن پر کوئی فلسفی دلیل قائم نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ ننگا رہنے میں کوئی شناعت عقلی ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس میں طبّی قواعد کے رو سے فوائد ہیں۔ اسی طرح ان فلاسفروں کے اور بھی مسائل ہیں۔ اور خلاصہ ان کے مذہب کا یہی ہے کہ وہ بجز دلائل قطعیہ عقلیہ کے کسی چیز کو نہیں مانتے اور ان کی فلسفیانہ نگاہ میں گو کیسی کوئی بدعملی ہو جب تک براہین قطعیہ فلسفیہ سے اس کا بد ہونا ثابت نہ ہو لے یعنے جب تک اس میں کوئی طبی ضرر یا دنیوی بدانتظامی متصور

﴿۴۰﴾ کے لئے ایک عقلی قوت رکھی ہے اسی طرح انسان میں کشف اور الہام کے پانے کی بھی ایک قوت مخفی ہے جب عقلِ انسانی اپنی حدِّ مقررہ تک چل کر آگے قدم رکھنے سے رہ جاتی ہے تو اس جگہ خدائے تعالیٰ اپنے صادق اور وفادار بندوں کو کمال عرفان اور یقین تک پہنچانے کی غرض سے الہام اور کشف سے دستگیری فرماتا ہے اور جو منزلیں بذریعہ عقل طے کرنے سے رہ گئی تھیں اب وہ بذریعہ کشف اور الہام طے ہو جاتی ہیں اور سالکین مرتبہ **عین الیقین** بلکہ **حقّ الیقین** تک پہنچ جاتے ہیں یہی سنت اللہ اور عادت اللہ ہے جس کی رہنمائی کے لئے تمام پاک نبی دنیا میں آئے ہیں اور جس پر چلنے کے بغیر کوئی شخص سچی اور کامل معرفت تک نہیں پہنچا مگر کم بخت خشک فلسفی کو کچھ ایسی جلدی ہوتی ہے کہ وہ یہی ﴿۴۱﴾

بقیہ حاشیہ ﴿۴۰﴾ نہ ہو تب تک اس کا ترک کرنا بے جا ہے مگر جو دوسرے درجہ کے فلاسفر ہیں انہوں نے لوگوں کے لعن طعن سے اندیشہ کر کے اپنے فلاسفری اصولوں کو کچھ نرم کر دیا ہے اور قوم کے خوف اور ہم جنسوں کی شرم سے خدا اور عالم جزا اور دوسری کئی باتوں کو ظنی طور پر تسلیم کر بیٹھے ہیں لیکن یہ اعلیٰ درجہ کے فلاسفر ان کو سخت نالائق اور بدفہم اور غبی الطبع اور بزدل اور اپنی سوسائیٹی کے بدنام کنندہ خیال کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے فلاسفر ہونے کا دعویٰ تو کیا لیکن اصول فلسفہ پر جیسا کہ حق چلنے کا تھا نہیں چلے۔ اس لئے اول درجہ کے فلاسفر اس بات سے عار رکھتے ہیں کہ ان ناقصوں کو فلاسفر کے باعزّت لفظ سے مخاطب یا موسوم کیا جائے کیونکہ انہوں نے کچھ کچھ تو فلسفہ کے طریقہ پر قدم مارا اور کچھ عام لوگوں کی ملامت لعنت سے ڈر کر نبیوں کے عقائد میں بھی (جو فلسفیوں کے منشاء کے موافق قطعی اور یقینی دلائل سے ثابت نہیں ہو سکتے) ٹانگ اڑا دی اس لئے یہ لوگ ان کی نظر میں نیم حکیم ہیں حقیقی فلاسفر نہیں ہاں ممکن بلکہ قرین قیاس ہے اور امید کی جاتی ہے کہ جیسے جیسے ایک سخت جوش قطعی اور یقینی اور نہایت واشگاف ثبوت عقلی طلب کرنے کا انکے مستعد اور ہونہار لوگوں کے دلوں میں آتا جائے گا۔ ویسی ویسی وہ کسریں

چاہتا ہے کہ جو کچھ کھلنا ہے وہ عقلی مرتبہ پر ہی کھل جائے اور نہیں جانتا کہ عقل انسانی اپنی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں اٹھا سکتی اور نہ طاقت سے آگے قدم رکھ سکتی ہے اور نہ اس بات کی طرف فکر دوڑاتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے انسان کو اس کے کمالات مطلوبہ تک پہنچانے کے لئے صرف جوہرِ عقل ہی عطا نہیں کیا بلکہ کشف اور الہام پانے کی قوّت بھی اس کی فطرت میں رکھی ہے سو جو کچھ خدائے تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے وسائل خدا شناسی انسان کی سرشت کو عطا کئے ہیں۔ ان وسائل میں سے صرف ایک ابتدائی اور ادنیٰ درجہ کے وسیلہ کو استعمال میں لانا اور باقی وسائل خدا شناسی سے بکلّی بے خبر رہنا بڑی بھاری بدنصیبی ہے اور ان قوتوں کو ہمیشہ بیکار رکھ کر ضائع کر دینا اور ان سے فائدہ نہ اٹھانا پرلے درجہ کی بے سمجھی ہے سو ایسا شخص سچا فلسفی ہرگز نہیں ہوسکتا کہ جو کشف اور الہام پانے کی قوت کو معطل اور بیکار چھوڑتا ہے بلکہ اس سے انکار کرتا ہے حالانکہ ہزاروں مقدّسوں کی شہادت سے کشف اور الہام کا پایا جانا بہ پایہ ثبوت پہنچ چکا ہے اور تمام سچے عارف اسی طریق سے معرفت کاملہ تک

بقیہ حاشیہ ﴿۴۱﴾ جو باقی رہ گئے ہیں ان کے خیالات سے وہ سب نکل جائیں گے اور عقائد اور اعمال میں پوری پوری مطابقت اپنے بڑے بھائیوں سے کرلیں گے تب وہ شیطانی اور ظلمانی دو کالے پانی دنیا کے برباد کرنے کے لئے ایک ہی ہو کر بہیں گے اور اگر آئندہ ذرّیت میں فلسفہ نے ترقی کی تو وہ بجائے اس کے کہ حال کے فلسفیوں کی طرح یہ سوال کریں کہ اگر ملائک یا شیاطین کچھ چیز ہیں تو ہمیں دکھلاؤ یہ اعلیٰ درجہ کے سوالات کریں گے کہ اگر خدا اور اس کی قدرتیں کچھ چیز ہیں تو ہمیں ظاہر ظاہر بلا واسطہ اسباب دکھاؤ اور اگر روحیں بعد مفارقت بدن باقی رہ جاتی ہیں اور ان کا وجود بھی کچھ چیز ہے تو وہ بھی ہمیں دکھلاؤ غرض جیسے جیسے ان نوآموزوں کے فلسفہ میں صیقل ہوتا جائے گا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ سوال ان کے دلوں میں پیدا ہوتے جائیں گے یہاں تک کہ اول درجہ کے فلاسفروں سے ہاتھ جا ملائیں گے۔ ابھی تو حال کچا اور خیال بھی کچا ہے۔ منہ۔

﴿۴۲﴾ پہنچے ہیں۔ آریہ مت والے جن کا دھرم دلی روشنی سے علاقہ نہیں رکھتا وہ کشف اور ایسے الہام سے تو قطعاً منکر ہیں جو امور غیبیہ اور خوارق اعجازیہ پر مشتمل ہو بقول ان کے وید پیشگوئیوں سے بکلّی خالی اور قدرتی نشانوں سے بکلّی تہیدست ہے مگر باایں ہمہ پھر بھی الہامی کتاب وید ہی کو مانتے ہیں۔ غرض جیسا کہ خدائے تعالیٰ کا کلام اس کی صفات کمالیہ کا آئینہ ہونا چاہئے یہ انوار الٰہی وید میں ثابت نہیں کر سکتے بلکہ اپنے ہی مونہہ سے اقرار کرتے ہیں کہ ان کا وید اخبارِ غیب اور اسرارِ قدرت سے بکلّی عاری اور عاجز ہے لیکن ان سب خرابیوں کے ساتھ اس بات پر بھی اصرار کرتے ہیں کہ الہام الٰہی وید ہی پر ختم ہے وہ ہمیشہ کے کشف اور الہام سے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ صرف چار آدمیوں کو جن پر وید اترا یہ قوت الہامی بوجہ ان کے نیک اعمال کے قدرت نے عطا کی تھی مگر بعد ان کے کسی کو نہیں ملی گویا وہ چار آدمی ایک انوکھی پیدائش کے تھے جن سے باقی جمیع بنی آدم کو ان کی فطرت یا عمل کے رُو سے کچھ مناسبت نہیں سو یہ قوم روحانی اندھا ہونے پر راضی ہے ہاں آج کل عقل عقل تو پکارتے ہیں اور قانون قدرت بھی کسی کے مونہہ سے سن لیا ہے تب ہی تو لالہ مرلیدھر صاحب نے اعتراض کیا ہے کہ شقّ القمر قانون قدرت کے برخلاف ہے مگر ہمیں لالہ صاحب موصوف کے اس تقلیدی اعتراض پر نظر کر کے بڑا ہی افسوس آتا ہے کاش انہوں نے کہیں سے یہ بھی سنا ہوتا کہ خدائے تعالیٰ کی خدائی اور الوہیّت اس کی قدرت غیر محدودہ اور اسرار نامعدودہ سے وابستہ ہے جس کو قانون کے طور پر کسی حد کے اندر گھیر لینا انسان کا کام نہیں ہے خداشناسی کے لئے یہ بڑا بھاری بنیادی مسئلہ ہے کہ خدائے ذوالجلال کی قدرتیں اور حکمتیں بے انتہا ہیں اس مسئلہ کی حقیقت سمجھنے اور اس پر عمیق غور کرنے سے سب الجھاؤ اور پیچ خیالات کا رفع ہو جاتا ہے اور سیدھا راہ حق شناسی اور حق پرستی کا نظر آنے لگتا ہے۔ ہم اس جگہ اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ خدائے تعالیٰ ہمیشہ اپنی ازلی ابدی صفات کے موافق کام کرتا ہے اور اگر ہم دوسرے لفظوں میں انہیں ازلی ابدی صفات پر چلنے کا نام قانون الٰہی رکھیں تو بے جا نہیں مگر ہمارا کلام اور بحث اس میں ہے کہ وہ آثار صفات ازلی ابدی یا یوں کہو کہ وہ قانون قدیم الٰہی محدود یا معدود کیوں مانا جائے ہاں بے شک یہ تو ہم مانتے ہیں اور مان لینا چاہئے کہ جو کچھ صفتیں جناب الٰہی کی ذات میں موجود ہیں انہیں صفات

﴿۴۳﴾ غیر محدود کے آثار اپنے اپنے وقتوں میں ظہور میں آتے ہیں نہ کوئی امر ان کا غیر اور وہ صفات ہر یک مخلوق ارضی وسماوی پر مؤثر ہو رہی ہیں اور انہیں آثار الصّفات کا نام سنت اللہ یا قانون قدرت ہے مگر چونکہ خدائے تعالیٰ معہ اپنی صفات کاملہ کے غیر محدود اور غیر متناہی ہے اس لئے ہماری بڑی نادانی ہوگی اگر ہم یہ دعویٰ کریں کہ اس کے آثار الصّفات یعنی قوانین قدرت باندازہ ہمارے تجربہ یا فہم یا مشاہدہ کے ہیں اس سے بڑھ کر نہیں۔ آج کل کے فلسفی الطبع لوگوں کی یہ بڑی بھاری غلطی ہے کہ اول وہ قانون قدرت کو ایسا سمجھ بیٹھے ہیں جس کی من کل الوجوہ حد بست ہو چکی ہے۔ اور پھر بعد اس کے جو امر نیا پیش آئے اس کو ہرگز نہیں مانتے اور ظاہر ہے کہ اس خیال کی بنا راستی پر نہیں ہے اور اگر یہی سچ ہوتا تو پھر کسی نئی بات کے ماننے کے لئے کوئی سبیل باقی نہ رہتا اور امور جدیدہ کا دریافت کرنا غیر ممکن ہو جاتا کیونکہ اس صورت میں ہر یک نیا فعل بصورت نقص قوانین طبعی نظر آئے گا اور اس کے ترک کرنے سے ناحق ایک جدید صداقت کو ترک کرنا پڑے گا یہی وجہ ہے کہ یہ منحوس اصول آج تک دکھانے کے ہی دانت رہے ہیں نہ کھانے کے اور امور جدیدہ کا قوی ظہور اس قاعدہ کی تار و پود کو ہمیشہ توڑتا رہا ہے جب کسی زمانہ میں کوئی جدید خاصہ متعلق علم طبعی یا ہیئت وغیرہ علوم کے متعلق ظہور پکڑتا رہا ہے تو ایک مرتبہ فلسفہ کے شیش محل پر ایک سخت بھونچال کا موجب ہوا ہے جس سے متکبر فلسفیوں کا شور شرارہ کچھ عرصہ کے واسطے فرو ہوتا رہا ہے یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کے خیالات ہمیشہ پلٹے کھاتے رہے ہیں اور کبھی ایک ہی صورت یا ایک ہی نقشہ پر ہرگز قائم نہیں رہے اگر کوئی صفحات تاریخ زمانہ میں واقعات سوانح عمری حکماء پر غور کرے تو اس کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کے خیالات کی ٹرین کتنی مختلف سڑکوں یا یہ کہ کس قدر متناقض چالوں پر چلی ہے اور کیسے داغ خجالت اور ندامت کے ساتھ ایک رائے کو دوسری رائے سے تبدیل کرتے آئے ہیں اور کیونکر انہوں نے ایک مدت دراز تک کسی بات کا انکار کر کے اور قانون قدرت سے اس کو باہر سمجھ کر آخر نہایت متندمانہ حالت میں اسی بات کو قبول کر لیا ہے سو اس تبدیل آراء کا کیا سبب تھا یہی تو تھا کہ جو کچھ انہوں نے سمجھ رکھا تھا وہ ایک ظنی بات تھی جس کی

﴿۴۴﴾ مشاہدات جدیدہ نے تکذیب کی سو جن شکلوں اور حالتوں میں وہ مشاہدات جدیدہ جلوہ گر ہوئے انہیں کے موافق ان کی راؤں کی پٹڑی بدلتی اور الٹتی پلٹتی رہی اور جدھر تجارب جدیدہ کا رخ پلٹتا رہا ادھر ہی ان کے خیالات کی ہوائیں پلٹا کھاتی رہیں غرض فلسفیوں کے خیالات کی لگام ہمیشہ امور جدید الظہور کے ہاتھ میں رہی ہے اور اب بھی بہت کچھ ان کی نظروں سے چھپا ہوا ہے جس کی نسبت امید کی جاتی ہے کہ وہ آئندہ ٹھوکریں کھا کھا کر اور طرح طرح کی رسوائیاں اٹھا اٹھا کر کسی نہ کسی وقت قبول کریں گے کیونکہ قوانین قدرت انسانی عقل کے دفتر میں ابھی تک ایسے منضبط نہیں اور نہ ہو سکتے ہیں جن پر نظر کر کے نئی تحقیقاتوں سے نوامیدی ہو۔ کیا کوئی عقلمند خیال کر سکتا ہے کہ انسان دنیا کے مکتب خانہ میں باوجود اپنی اس قدر عمر قلیل کے تحصیل اسرارِ ازلی ابدی سے بکلّی فراغت پا چکا ہے اور اب اس کا تجربہ عجائبات الٰہیہ پر ایسا محیط ہو گیا ہے کہ جو کچھ اس کے تجربہ سے باہر ہو وہ فی الحقیقت خدائے تعالیٰ کی قدرت سے باہر ہے میں جانتا ہوں کہ ایسا خیال بجز ایک بے شرم اور ابلہ آدمی کے کوئی دانشمند نہیں کر سکتا۔ فلاسفروں میں سے جو واقعی نیک دانا اور سچے روحانی آدمی گزرے ہیں انہوں نے خود تسلیم کر لیا کہ ہمارے خیالات جو محدود اور منقبض ہیں خدا اور اس کے بے انتہا بھیدوں اور حکمتوں کی شناخت کا ذریعہ نہیں ہو سکتے بارہا فلاسفروں نے اپنی راؤں میں ندامتیں اٹھائیں اور صدہا خواص قاعدہ طبعی کے برخلاف اور قوانین طبعیہ کے نقیض ہو کر پھر مشاہدہ کے رو سے ثابت ہو گئے تو آخر وہ ماننے ہی پڑے اور علوم طبعی یا ہیئت کی وہاں کچھ پیش نہ گئی۔ ہاں بعض سوانح عجیبہ جو تاریخی طور پر ثابت کی جاتی ہیں جیسے یہی معجزہ شق القمر جو لالہ مرلید ھر صاحب کی نظر میں پرمیشر کے ازلی ابدی قانون قدرت کے برخلاف ہے ایسے سوانحہ پر یقین لانا یا نہ لانا اپنے علم وسیع یا محدود پر موقوف ہے یہ حجّت ہرگز نہیں ہو سکتی کہ یہ واقعہ علوم طبعی یا ہیئت کے برخلاف ہے کیونکہ قدرتِ قدیمہ کاملہ کے موافق یا مخالف ہونا بعد احاطۂ قدرت کے معلوم ہو سکتا ہے اس لئے یہ علوم ناقصہ ہیئت وطبعی جو ہمارے دفتروں میں منضبط ہیں وہ اس تعریف کے ہرگز لائق نہیں جو انہوں نے کوئی دقیقہ اور کوئی امر تہہ میں چھپا ہوا

﴿۴۵﴾ نہیں چھوڑا اور نہ ایسا بھروسہ ان پر کرنا عقلمندی ہے۔ خواص جدید الظہور کا ایک عجیب کرشمہ ہے جو ہمیشہ قیاسی علوم کی بربادی اور بے عزتی کرتا رہا ہے اور کرے گا اور جس طرح ہمارے زمانہ نے ایسے علوم جدیدہ پائے جن سے پہلے لوگ بے خبری میں گزر گئے یا باطل کو حق کہتے سو گئے ایسا ہی ممکن بلکہ قرین قیاس ہے کہ آنے والی ذریت اس زمانہ کی غلطیاں نکالے اور وہ باتیں ان پر ظاہر ہوں جو اس زمانہ پر ظاہر نہیں ہوئیں آسمان تو آسمان ہے زمین کے خواص جاننے سے ابھی کب فراغت ہو چکی ہے۔

تو کارِ زمین رانکو ساختی کہ با آسمان نیز پرداختی

غرض علوم جدیدہ کا سلسلہ منقطع ہونا نظر نہیں آتا شق القمر کے ایک تاریخی واقعہ سے کیوں اتنا نفرت یا تعجب کرو۔ گزشتہ دنوں میں تو جس کو کچھ تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے ایک یورپین فلاسفر کو سورج کے ٹوٹنے کی ہی فکر پڑ گئی تھی پھر شاید شگاف ہو کر مل گیا۔ فلاسفروں کو ابھی بہت کچھ سمجھنا اور معلوم کرنا باقی ہے۔ کے آمدی کے پیر شدی۔ ابھی تو نام خدا ہے غنچہ صبا تو چھو بھی نہیں گئی ہے یہ نہایت محقق صداقت ہے کہ ہر یک چیز اپنے اندر ایک ایسی خاصیت رکھتی ہے جس سے وہ خدائے تعالیٰ کی غیر متناہی قدرتوں سے اثر پذیر ہوتی رہی سو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خواص اشیاء ختم نہیں ہو سکتے گو ہم ان پر اطلاع پائیں یا نہ پائیں اگر ایک دانہ خشخاش کے خواص تحقیق کرنے کے لئے تمام فلاسفر اولین و آخرین قیامت تک اپنی دماغی قوتیں خرچ کریں تو کوئی عقلمند ہرگز باور نہیں کر سکتا کہ وہ ان خواص پر احاطہ تام کر لیں سو یہ خیال کہ اجرام علوی یا اجسام سفلی کے خواص جس قدر بذریعہ علم ہیئت یا طبعی دریافت ہو چکے ہیں اسی قدر پر ختم ہیں اس سے زیادہ کوئی بے سمجھی کی بات نہیں۔

اب خلاصہ اس تمام مقدمہ کا یہ ہے کہ قانون قدرت کوئی ایسی شے نہیں ہے کہ ایک حقیقت ثابت شدہ کے آگے ٹھہر سکے کیونکہ قانون قدرت خدائے تعالیٰ کے ان افعال سے مراد ہے جو قدرتی طور پر ظہور میں آئے یا آئندہ آئیں گے لیکن چونکہ ابھی خدائے تعالیٰ اپنی قدرتوں کے دکھلانے سے تھک نہیں گیا ہے اور نہ یہ کہ اب قدرت نمائی سے بے زور ہو گیا ہے یا سو گیا ہے یا کسی طرف کو

﴿۴۶﴾ کھسک گیا ہے یا کسی خارجی قاسر سے مجبور کیا گیا ہے اور مجبوراً آئندہ کے عجائب کاموں سے دستکش ہو گیا ہے اور ہمارے لئے وہی چند صدیوں کی کارگزاری (یا اس سے کچھ زیادہ سمجھ لو) چھوڑ گیا ہے اس لئے ساری عقلمندی اور حکمت اور فلسفیت اور ادب اور تعلیم اسی میں ہے کہ ہم چند موجودہ مشہودہ قدرتوں کو جنہیں ابھی صدہا طور کا اجمال باقی ہے مجموعہ قوانین قدرت خیال نہ کر بیٹھیں اور اس پر نادان لوگوں کی طرح ضد نہ کریں کہ ہمارے مشاہدات سے خدائے تعالیٰ کا فعل ہرگز تجاوز نہیں کر سکتا کیونکہ یہ صرف احمقانہ دعویٰ ہے جو ہرگز ثابت نہیں کیا گیا اور نہ ثابت کیا جا سکتا ہے۔ ہم نے مانا کہ مذہب نیچر کا نقیض نہیں ہے۔ مگر یہ آپ کیونکر ہم سے تسلیم کراتے ہیں کہ سب خواص نیچر یہ پر انسان محیط ہو چکا ہے کیا اس پر کوئی دلیل بھی ہے یا نرا تحکم ہی سے مونہہ بند کرنا چاہتے ہیں یہ صاف ظاہر ہے کہ اگر تجارب و مشاہدات جو آج تک قلمبند ہو چکے ہیں صحیح اور کامل ہوتے تو علوم جدیدہ کو قدم رکھنے کی جگہ نہ رہتی حالانکہ آپ لوگ بھی کہا کرتے ہیں کہ علوم جدیدہ کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھلا ہے میں سوچ میں ہوں کہ کیونکر ایسی چیزیں کامل اور قطعی طور پر مقیاس الصّداقت یا میزان الحق ٹھہر سکتی ہیں جن کے اپنے ہی پورے طور کے انکشاف میں ابھی بہت سی منازل باقی ہیں اور اس پیچ در پیچ معمّا نے یہاں تک حکماء کو حیران اور سرگردان کر رکھا ہے کہ بعض ان میں سے حقائقِ اشیاء کے منکر ہی ہو گئے (منکرین حقائق کا وہی گروہ ہے جس کو سوفسطائی کہتے ہیں) اور بعض ان میں سے یہ بھی کہہ گئے کہ اگرچہ خواص اشیاء ثابت ہیں تاہم دائمی طور پر ان کا ثبوت نہیں پایا جاتا۔ پانی آگ کو بجھا دیتا ہے مگر ممکن ہے کہ کسی ارضی یا سماوی تاثیر سے کوئی چشمہ پانی کا اس خاصیت سے باہر آ جائے آگ لکڑی کو جلا دیتی ہے مگر ممکن ہے کہ ایک آگ بعض موجبات اندرونی یا بیرونی سے اس خاصیت کو ظاہر نہ کر سکے کیونکہ ایسی عجائب باتیں ہمیشہ ظہور میں آتی رہتی ہیں۔ حکماء کا یہ بھی قول ہے کہ بعض تاثیرات ارضی یا سماوی ہزاروں بلکہ لاکھوں برسوں کے بعد ظہور میں آتی ہیں جو ناواقف اور بے خبر لوگوں کو بطور خارقِ عادت معلوم دیتی ہیں اور کبھی کبھی کسی کسی زمانہ میں ایسا کچھ ہوتا رہتا ہے کہ کچھ عجائبات

﴿۴۷﴾ آسمان میں یا زمین میں ظاہر ہوتے ہیں جو بڑے بڑے فیلسوفوں کو حیرت میں ڈالتے ہیں اور پھر فلسفی لوگ ان کے قطعی ثبوت اور مشاہدہ سے خیرہ اور متندّم ہوکر کچھ نہ کچھ تکلّفات کر کے طبعی یا ہیئت میں ان کو گھسیڑ دیتے ہیں تا ان کے قانون قدرت میں کچھ فرق نہ آجائے ایسا ہی یہ لوگ اِدھر کی اُدھر لگا کر اور نئی باتوں کو کسی علمی قاعدہ میں جبراً دھنسا کر گزارہ کر لیتے ہیں جب تک پردار مچھلی نہیں دیکھی گئی تھی تب تک کوئی فلسفی اس کا قائل نہ تھا اور جب تک متواتر دم کے کٹنے سے دم کٹے کتے پیدا نہ ہونے لگے تب تک اس خاصیت کا کوئی فلاسفر اقراری نہ ہوا اور جب تک بعض زمینوں میں کسی سخت زلزلہ کی وجہ سے کوئی ایسی آگ نہ نکلی کہ وہ پتھروں کو پگھلا دیتی تھی مگر لکڑی کو جلا نہیں سکتی تھی تب تک فلسفی لوگ ایسی خاصیت کا آگ میں ہونا خلاف قانون قدرت سمجھتے رہے جب تک اسپیی ریٹر کا آلہ نہیں نکلا تھا کس فلسفی کو معلوم تھا کہ عمل ٹرینس فیوژن آف بلڈ (یعنے ایک انسان کا خون دوسرے انسان میں داخل کرنا) قانون فطرت میں داخل ہے۔ بھلا اس فلاسفر کا نام لینا چاہئے جو الیکٹرک مشین یعنی بجلی کی کل نکلنے سے پہلے اس بجلی لگانے کے عمل کا قائل تھا۔

فلسفی را چشم حق بین سخت نابینا بود گرچہ بیکن باشد و یا بوعلی سینا بود

یہ ثابت ہو چکا ہے اور ہمیشہ مشاہدہ میں آتا ہے کہ جو لوگ خواہ نخواہ قانونِ قدرت کے پابند کہلاتے ہیں وہ اپنی رائے میں بہت کچے ہوتے ہیں اگر دس بیس معتبر اور پختہ عقلمند اور ان کے ہم رتبہ آدمی کوئی عجیب بات ہنسی کے طور پر بھی بیان کر دیں مثلاً یہ کہہ دیں کہ ہم ایک پردار آدمی کو بچشم خود دیکھ آئے ہیں یا ایک پتھر میں سے شہد مترشح ہوتا ہم نے دیکھا کیا بلکہ کھایا ہے یا آسمان سے ہم نے پھول برستے دیکھے اور پھولوں میں سے سونا نکلا یا شاید کوئی واقعہ صحیحہ ہی پیش آوے جیسے آج کل کے بعض اخباروں میں شائع کیا گیا ہے کہ یورپ کے ایک ملک میں ایک پتھر تیس من وزنی برسا جس میں ہڈیاں بھی ملی ہوئی ہیں شاید ان کی ہڈیاں ہیں جو چاند کے کمرہ میں رہنے والے ہیں تو فی الفور فلاسفر صاحب کے دل میں ایک دھڑکا سا

﴿۴۸﴾ شروع ہو جائے گا تو یہ دھڑکا اور اضطراب اس کم بخت کا اس کے نقصان عقل اور فہم پر صریح شہادت دیتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر سرمایہ اس کا ظن ہے کیونکہ کسی قطعی ثبوت میں انسان کبھی تردّد نہیں کر سکتا مثلاً اگر کسی زندہ آدمی کو دس بیس آدمی مل کر یہ کہیں کہ تو زندہ نہیں بلکہ مرا ہوا ہے تو اس قدر کیا وہ دس ہزار آدمی کی شہادت سے بھی اپنی زندگی سے شک میں نہیں پڑے گا بلکہ بے شمار اشخاص کا مجمع بھی اپنے حلفی گواہوں سے اس کو اضطراب میں نہیں ڈالے گا کیونکہ اس کو اپنی زندگی پر پورا پورا یقین ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ فلسفہ میں جو واقعی دانا ہیں وہ تجارب فلسفیہ پر بہت ہی کم یقین رکھتے ہیں کیونکہ ان کے معلومات وسیع ہیں اور ان کو اپنے فلسفہ کی اندرونی حقیقت معلوم ہے۔

علّامہ شارح قانون جو طبیب حاذق اور بڑا بھاری فلسفی ہے ایک جگہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے جو یونانیوں میں یہ قصے بہت مشہور ہیں جو بعض عورتوں کو جو اپنے وقت میں عفیفہ اور صالحہ تھیں بغیر صحبت مرد کے حمل ہو کر اولاد ہوئی ہے۔ پھر علّامہ موصوف بطور رائے کے لکھتا ہے کہ یہ سب قصے افترا پر محمول نہیں ہو سکتے کیونکہ بغیر کسی اصل صحیح کے مختلف افراد اور مہذب قوموں میں ایسے دعاوی ہرگز فروغ نہیں پا سکتے ہیں اور نہ عورتوں کو جُرأت ہو سکتی ہے کہ وہ زانیہ ہونے کی حالت میں اپنے حمل کی ایسی وجہ پیش کریں جس سے اور بھی ہنسی کرائیں اور ہمیں اس بات سے پرہیز کرنا چاہئے کہ خواہ نخواہ ایسی تمام عورتوں پر زنا کا الزام لگائیں جو مختلف ملکوں اور قوموں اور زمانوں میں مستور الحال گزر چکی ہیں کیونکہ طبّی قواعد کے رو سے ایسا ہونا ممکن ہے وجہ یہ کہ بعض عورتیں جو بہت ہی نادر الوجود ہیں بباعثِ غلبۂ رجولیت اس لائق ہوتی ہیں کہ ان کی منی دونوں طور قوت فاعلی وانفعالی رکھتی ہو اور کسی سخت تحریک خیال شہوت سے جنبش میں آ کر خود بخود حمل ٹھہرنے کا موجب ہو جائے۔ میں کہتا ہوں کہ ایسے قصے ہندوؤں میں بھی مشہور ہیں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندان کی انہیں قصوں پر بنیاد پائی جاتی ہے۔

﴿۴۹﴾ غرض یہ خیال ہندوؤں میں بھی پرانا چلا آتا ہے یہاں تک کہ رگ وید میں لکھا ہے کہ ایک نیک بخت رشی کی لڑکی کو فقط اندر دیوتا کی ہی توجہ سے حمل ہو گیا تھا اور ایسا ہی شمس وقمر سے بھی شرفا آریہ کی پاکدامن لڑکیوں کو حمل ہوتا رہا ہے۔ اب ان قصوں اور کہانیوں کو جو بہ کثرت مختلف قوموں میں پائی جاتی ہیں یکمرتبہ مردود اور باطل سمجھ کر پایۂ اعتبار سے ساقط کر دینا حکیمانہ طریق نہیں ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ اگر ان قصوں کو ان کے زوائد سے الگ کر کے دیکھا جائے تو ان کے نیچے وہی ایک دقیق خاصہ علم طبعی کا چھپا ہوا نظر آتا ہے جس کی طرف علّامہ نے اشارہ کیا ہے اور اس بات پر ضد نہیں کرنی چاہئے کہ اگر یہ بات کچھ حقیقت رکھتی ہے تو پھر عام طور پر کیوں وقوع میں نہیں آتی کیونکہ اول تو یہ سوانح ایسے نادرالوقوع نہیں ہیں جیسے آج کل کے نئے فلسفی ان کو خیال کر رہے ہیں بلکہ مختلف قوموں میں اس کے آثار سلسلہ وار چلے آئے ہیں۔ اگرچہ عبرانیوں میں تو صرف حضرت مسیح اس طرز کی پیدائش میں بیان کئے گئے ہیں لیکن یونانیوں اور آریوں کی کتابوں میں اس کی نظیریں بہت پائی جاتی ہیں اور حال کے زمانہ اور اس کے قریب قریب بھی بعض ممالک کی عورتیں حمل دار ہو کر ایسا کچھ بیان کرتی رہی ہیں اب ان سب قصوں کی نسبت گو کسی منکر کی کیسی ہی رائے ہو مگر صرف ان کے نادرالوقوع ہونے کی وجہ سے وہ سب کی سب رد نہیں کی جاسکتیں اور ان کے ابطال پر کوئی دلیل فلسفی قائم نہیں ہوسکتی بلکہ اکثر یونانی فلسفی (آسمانوں کے ماننے والے) اور انہیں میں سے افلاطون اور ارسطو بھی اس بات پر متفق ہیں کہ حادث چیزوں کی مبادی آسمانوں کی حرکتیں اور ان کے مختلف دورے ہیں۔ اسی جہت سے علوی اور سفلی چیزوں کے حکم اور حال مختلف ہوتے ہیں اور اسی بنا پر ان کے مذہب کے رو سے ممکن ہے کہ ایک دور میں ایسی عجائب چیزیں یا عجائب شکلوں کے جانور پیدا ہوں کہ نہ تو دور سابق میں اور نہ دور لاحق میں ان کی نظیر پائی جائے غرض نادرالظہور اشیاء کا سلسلہ اس وضع عالم کو لازمی پڑا ہوا ہے۔ اور علّامہ موصوف نے اس مقام میں ایک تقریر بہت ہی عمدہ لکھی ہے وہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ سب انسان ایک نوع میں ہونے کی وجہ سے باہم مناسب الطبع واقعہ ہیں مگر پھر بھی ان

﴿۵۰﴾

میں سے بعض کو نادر طور پر کبھی کبھی کسی کسی زمانہ میں خاص خاص طاقتیں یا کسی اعلیٰ درجہ کی قوتیں عطا ہوتی ہیں جو عام طور پر دوسروں میں نہیں پائی جاتیں جیسے مشاہدہ سے ثابت ہوا ہے کہ بعض نے حال کے زمانہ میں تین سو برس سے زیادہ عمر پائی ہے جو بطور خارق عادت ہے اور بعض کی قوت حافظہ یا قوت نظر ایسے کمال درجہ کو پہنچی ہے جو اس کی نظیر نہیں پائی گئی اور اس قسم کے لوگ بہت نادر الوجود ہوتے ہیں جو صدہا یا ہزاروں برسوں کے بعد کوئی فرد ان میں سے ظہور میں آتا ہے اور چونکہ عوام الناس کی نظر اکثر امور کثیر الوقوع اور متواتر الظہور پر ہوا کرتی ہے اور یہ بھی ہوتا ہے کہ عام لوگوں کی نگاہ میں جو باتیں کثیر الوقوع اور متواتر الظہور ہوں وہ بطور قاعدہ یا قانون قدرت کے مانی جاتی ہیں اور انہیں کی سچائی پر انہیں اعتماد ہوتا ہے اس لئے دوسرے امور جو نادر الوقوع ہوتے ہیں وہ بمقابل امور کثیر الوقوع کے نہایت مضمحل اور مشتبہ بلکہ باطل کے رنگ میں دکھائی دیتے ہیں اسی وجہ سے عوام کیا بلکہ خواص کو بھی ان کے وجود میں شکوک اور شبہات پیدا ہو جاتے ہیں۔ سو بڑی غلطی جو حکما کو پیش آتی ہے اور بڑی بھاری ٹھوکر جو ان کو آگے قدم رکھنے سے روکتی ہے یہ ہے کہ وہ امور کثیر الوقوع کے لحاظ سے نادر الوقوع کی تحقیق کے درپے نہیں ہوتے اور جو کچھ ان کے آثار چلے آتے ہیں ان کو صرف قصے اور کہانیاں خیال کر کے اپنے سر پر سے ٹال دیتے ہیں حالانکہ یہ قدیم سے عادت اللہ ہے جو امور کثیر الوقوع کے ساتھ نادر الوقوع عجائبات بھی کبھی کبھی ظہور میں آتے رہتے ہیں اس کی نظیریں بہت ہیں جن کا لکھنا موجب تطویل ہے اور **حکیم بقراط** نے اپنی ایک طبّی کتاب میں چند چشم دید بیماروں کا بھی حال لکھا ہے۔ جو قواعدِ طبّی اور تجربہ اطباء کے رو سے وہ ہرگز قابل علاج نہیں تھے مگر ان بیماروں نے عجیب طور پر شفا پائی جس کی نسبت ان کا خیال ہے کہ یہ شفا بعض نادر تاثیرات ارضی یا سماوی سے ہے۔ اس جگہ ہم اس قدر اور لکھنا چاہتے ہیں کہ یہ بات صرف نوع انسان میں محدود نہیں کہ کثیر الوقوع اور نادر الوقوع خواص کا اس میں سلسلہ چلا آتا ہے بلکہ اگر غور کر کے دیکھیں تو یہ دوہرا سلسلہ ہر یک نوع میں پایا جاتا ہے مثلاً نباتات میں سے آک کے درخت کو دیکھو کہ کیسا تلخ اور زہرناک

﴿۵۱﴾ ہوتا ہے مگر کبھی مدتوں اور برسوں کے بعد ایک قسم کی نبات اس میں پیدا ہو جاتی ہے جو نہایت شیریں اور لذیذ ہوتی ہے اب جس شخص نے اس نبات کو کبھی نہ دیکھا ہو اور معمولی قدیمی تلخی کو دیکھتا آیا ہو بے شک وہ اس نبات کو ایک امر طبعی کی نقیض سمجھے گا ایسا ہی بعض دوسری نوع کی چیزوں میں بھی دور دراز عرصہ کے بعد کوئی نہ کوئی خاصہ نادر ظہور میں آجاتا ہے کچھ تھوڑا عرصہ گزرا ہے کہ مظفر گڈھ میں ایک ایسا بکرا پیدا ہوا کہ جو بکریوں کی طرح دودھ دیتا تھا۔ جب اس کا شہر میں بہت چرچا پھیلا تو میکالف صاحب ڈپٹی کمشنر مظفر گڈھ کو بھی اطلاع ہوئی تو انہوں نے یہ ایک عجیب امر قانون قدرت کے برخلاف سمجھ کر وہ بکرا اپنے روبرو منگوایا چنانچہ وہ بکرا جب ان کے روبرو دوہا گیا تو شاید قریب ڈیڑھ سیر دودھ کے اس نے دیا اور پھر وہ بکرا بحکم صاحب ڈپٹی کمشنر عجائب خانہ لاہور میں بھیجا گیا۔ تب ایک شاعر نے اس پر ایک شعر بھی بنایا اور وہ یہ ہے۔

مظفر گڈھ جہاں پر ہے مکالف صاحب عالی یہاں تک فضل باری ہے کہ بکرا دودھ دیتا ہے

اس کے بعد تین معتبر اور ثقہ اور معزز آدمی نے میرے پاس بیان کیا کہ ہم نے بچشم خود چند مردوں کو عورتوں کی طرح دودھ دیتے دیکھا ہے بلکہ ایک نے ان میں سے کہا کہ امیر علی نام ایک سید کا لڑکا ہمارے گاؤں میں اپنے باپ کے دودھ ہی سے پرورش پایا تھا کیونکہ اس کی ماں مرگئی تھی۔ ایسا ہی بعض لوگوں کا تجربہ ہے کہ کبھی ریشم کے کیڑے کی مادہ بے نر کے انڈے دے دیتی ہے اور ان میں سے بچے نکلتے ہیں۔ بعض نے یہ بھی دیکھا کہ چوہا مٹی خشک سے پیدا ہوا جس کا آدھا دھڑ تو مٹی تھی اور آدھا چوہا بن گیا۔ حکیم فاضل قرشی یا شاید علّامہ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ایک بیمار ہم نے دیکھا جس کا کان ماؤف ہو کر بہرہ ہو گیا تھا پھر کان کے نیچے ایک ناسور سا پیدا ہو گیا جو آخر وہ سوراخ سے ہو گئے اس سوراخ کی راہ سے وہ برابر سن لیتا تھا گویا خدا نے اس کے لئے دوسرا کان عطا کیا۔ ان دونوں طبیبوں میں سے ایک نے اور غالباً قرشی نے خود اپنی اڈّی میں سوراخ ہو کر اور پھر اس راہ سے مدت تک براز یعنے پاخانہ آتے رہنا تحریر کیا ہے۔ جالینوس سے سوال کیا گیا کہ کیا انسان آنکھوں

﴿۵۲﴾ کی راہ سے سن سکتا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ ہنوز تجربہ شہادت نہیں دیتا لیکن ممکن ہے کہ کوئی ایسی مشارکت کانوں اور آنکھوں کی مخفی ہو جو کسی ہاتھ کے عمل سے یا کسی سماوی موجب سے ظہور پذیر ہو کر اس خاصیت کے ظہور کا موجب ہو جائے کیونکہ ابھی علمِ استدراک خواص مختتم نہیں۔ ڈاکٹر برنی آر نے اپنے سفرنامہ کشمیر میں پیر پنجال کی چڑھائی کی تقریب بیان پر بطور ایک عجیب حکایت کے لکھا ہے جو ترجمہ کتاب مذکور کے صفحہ ۸۰ میں درج ہے کہ ایک جگہ پتھروں کے ہلانے جلانے سے ہم کو ایک بڑا سیاہ بچھو نظر پڑا جس کو ایک نوجوان مغل نے جو میری جان پہچان والوں میں سے تھا اٹھا کر اپنی مٹھی میں دبالیا اور پھر میرے نوکر کے اور میرے ہاتھ میں دے دیا مگر اس نے ہم میں سے کسی کو بھی نہ کاٹا۔ اس نوجوان سوار نے اس کا باعث یہ بیان کیا کہ میں نے اس پر قرآن کی ایک آیت پڑھ کر پھونک دی ہے اور اسی عمل سے اکثر بچھوؤں کو پکڑ لیتا ہوں۔ اور صاحب کتاب فتوحات وفصوص جو ایک بڑا بھارا نامی فاضل اور علوم فلسفہ وتصوف میں بڑا ماہر ہے وہ اپنی کتاب فتوحات میں لکھتا ہے کہ ہمارے مکان پر ایک فلسفی اور کسی دوسرے کی خاصیت احراق آگ میں کچھ بحث ہو کر اس دوسرے شخص نے یہ عجیب بات دکھلائی کہ فلسفی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کوئلوں کی آگ میں جو ہمارے سامنے مجمر میں پڑی ہوئی تھی ڈال دیا اور کچھ عرصہ اپنا اور فلسفی کا ہاتھ آگ پر رہنے دیا۔ مگر آگ نے ان دونوں ہاتھوں میں سے کسی پر ایک ذرا بھی اثر نہ کیا۔ اور راقم اس رسالہ نے ایک درویش کو دیکھا کہ وہ سخت گرمی کے موسم میں یہ آیت قرآنی پڑھ کر وَ اِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ [1] زنبور کو پکڑ لیتا تھا اور اس کی نیش زنی سے بکلّی محفوظ رہتا تھا۔ اور خود اس راقم کے تجربہ میں بعض تاثیرات عجیبہ آیت قرآنی کی آچکی ہیں جن سے عجائبات قدرت حضرت باری جل شانہٗ معلوم ہوتے ہیں۔ غرض یہ عجائب خانہ دنیا کا بے شمار عجائبات سے بھرا ہوا ہے جو دانا اور شریف حکیم گزرے ہیں انہوں نے اپنے چند معدود معلومات پر ہرگز ناز نہیں کیا اور وہ اس بات کو بہت بے شرمی اور گستاخی سمجھتے رہے ہیں کہ اپنے محدود تجربہ کا نام

[1] الشعرآء : ۱۳۱

﴿۵۳﴾ خدائے تعالیٰ کا قانون قدرت رکھیں مگر ان کے مقلّد بباعث اپنی خامی اور ناتمامی کے سخت درجہ پر قانونِ قدرت کے قائل بلکہ غلام پائے جاتے ہیں سو یہ اسی مثل کا مصداق ہے کہ در پدر شیرینی بسیار است لیکن پسر گرمی دار است۔ بالخصوص اس زمانہ کے نوآموز لڑکوں میں قانونِ قدرت کا خیال واجبی حد سے بڑھ گیا ہے اکثر نامقید اور آوارہ طبع اور ملحدانہ طبیعت کے آدمی ان کم فہم لڑکوں کو بگاڑتے جاتے ہیں جن کی نادانی اور سادہ لوحی رحم کے لائق ہے۔ یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ اگر خواص قدرتیہ کا خاتمہ ہو چکا ہے تو اس کا یہ لازمی نتیجہ ہونا چاہئے کہ آئندہ خواص جدیدہ ظہور میں نہ آویں۔ اور اگر ابھی خاتمہ نہیں ہوا اور نئے انکشافات اور تازہ معلومات کے کھلنے کی امید ہے تو پھر کیوں ایک نئی بات کو سنتے ہی بکری کی طرح انکار میں گردن ہلا دیں خدا نے ان کو یہ سمجھ نہیں دی کہ عجائبات الٰہی کا میدان جو رنگارنگ اور بے انتہا چشموں اور کہولوں اور آبشاروں سے آبپاشی پودہ نفس ناطقہ انسان کے لئے پُر ہے وہ کیونکر تجارب محدودہ کی ظرف تنگ میں سما سکتا ہے اور اگر ایسا فرض بھی کر لیا جائے کہ خدائے تعالیٰ کی قدرتیں اسی حد تک ختم اور خرچ ہو چکی ہیں جو ہمیں معلوم ہے تو پھر اس سے کیونکر خدائے تعالیٰ کا اپنی ذات اور اپنی قدرتوں اور اپنی حکمتوں میں بے انتہا ہونا قائم رہ سکتا ہے اس کی غیر محدود حکمتوں اور قدرتوں کو سمجھنے کے لئے یہی ایک تو راہ ہے کہ ایک ذرّہ کے موافق بھی اگر کوئی چیز ہو تو اس پر اگر تمام انسانی عقلیں قیامت تک غور کریں تو اس کے عجائبات کی تہ تک نہیں پہنچ سکتیں کیا جس نے یہ پُر بہار آسمان جو مہر و ماہ اور ستاروں کے چراغوں سے سج رہا ہے اور یہ رشک گلزار زمین جو رنگارنگ مخلوقات سے آباد ہو رہی ہے بغیر ایک ذرّہ مشقّت اٹھانے کے صرف اپنے ارادہ سے پیدا کر دیا اس کی قدرتوں کا کوئی انتہا پا سکتا ہے۔ اور یہ بات نہایت ظاہر و بدیہی ہے کہ جب تک علوم و خواص جدیدۃ الظہور کی اس عالم بے ثبات کے ساتھ دُم لگی ہوئی ہے تب تک کوئی دانا اپنے معلومات محدودہ و معدودہ کو قانونِ قدرت کے نام سے موسوم نہیں کر سکتا اور خود ہمیں اپنی اس غیر مستقل اور اوباشانہ عادت سے شرمندہ ہونا چاہئے کہ اول ہم کسی بات کے عدم امکان پر ایسا سخت اصرار کریں کہ گویا خدائے تعالیٰ کو اس کی خدائی کے

﴿۵۴﴾ کاموں سے ہی جواب دے دیں اور پھر اسی بات کا وقوع اور ظہور اور ثبوت دیکھ کر اسی مونہہ سے یہ کہنا شروع کر دیں کہ ہاں یہ قانونِ قدرت میں ہی داخل ہے ایسے لوگ جن میں فطرتی طور پر مادہ حیا کا کم پایا جاتا ہے وہ اگر یہ سیرت اختیار رکھیں تو انہیں کچھ مضائقہ نہیں لیکن اگر ایک باعزّت اور باتہذیب و بامرتبت جنٹلمین یہ طریقہ متزلزلہ اختیار کرے جو اسے بیسیوں مرتبہ سخت انکاروں کے بعد اقرار کرنا پڑے تو البتہ یہ افسوس کا مقام ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر ہم اپنے مجربات و مشاہدات کا اعتبار نہ کریں تو پھر سب علوم ضائع ہو جائیں گے مگر میں اس کے جواب میں بجز اس دعا کے کہ اے خدائے قادر مطلق ان کو حقیقت شناسی کی سمجھ بخش اور کیا کہہ سکتا ہوں کیا خواص جدیدہ کے پیدا ہونے سے پہلے علوم ضائع ہو جایا کرتے ہیں مثلاً آگ بالخاصیّت محرق ہے جس کی اس خاصیت کو بارہا ہم تم آزما چکے ہیں بلکہ یہ خاصیت ہمارے مجربات ومشاہدات متواترہ میں سے ہے مگر باایں ہمہ یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی ایسی دوا یا روغن پیدا ہو کہ جب وہ کسی عضو یا کسی اور چیز پر لگایا جائے تو آگ اپنی خاصیّت احراق اس پر ظاہر نہ کر سکے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود آگ میں ہی باذنہٖ تعالیٰ کسی اندرونی یا بیرونی حوادث سے یہ صورت پیدا ہو جائے ایسا ہی یہ بھی ممکنات میں سے ہے کہ کوئی اس قسم کی آگ زمین سے یا آسمان سے پیدا ہو جو اپنے خواص میں اس آگ سے اختلاف رکھتی ہو جیسی نار حجاز جس کے نکلنے کی خبر چھ سو باون برس پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی جو صحیح بخاری اور مسلم میں پانسو برس پہلے ظہور سے مندرج اور شائع ہو چکی تھی۔ غرض صدہا ایسی صورتیں تأثیرات ارضی یا سماوی اور موجبات اندرونی یا بیرونی سے ظہور میں آسکتی ہیں کہ جو ایک چیز کی خاصیت موجودہ مجربہ میں خلل انداز ہو سکیں اور علوم جدیدہ کا دروازہ جو نہایت وسیع اور غیر متناہی طور پر کھلا ہوا ہے وہ اسی بنا پر تو ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم بے سمجھے سوچے میری بات کو اپنی رائے کی بنیاد قرار دو۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ تم خوب جانچو اور پرکھو اور کھوٹے کھرے میں تمیز کرو اور جو کچھ زمانہ تمہیں دکھلا رہا ہے اسے اچھی طرح آنکھیں کھول کر دیکھو پھر اگر یہی رائے غالب اور فائق نظر آئے (تو اے ہمارے ملک کے نوجوانوں) اسے قبول کرو۔

﴿۵۵﴾ نصیحت گوش کن جانان کہ از جان دوست تر دارند جوانان سعادت مند پند پیر دانا را

میری رائے میں فلسفیوں سے بڑھ کر اور کسی قوم کی دلی حالت خراب نہ ہوگی۔ خدا میں اور بندہ میں وہ چیز جو بہت جلد جدائی ڈالتی ہے وہ شوخی اور خود بینی اور متکبری ہے سو وہ اس قوم کے اصول کو ایسی لازم پڑی ہوئی ہے کہ گویا انہیں کے حصہ میں آ گئی ہے یہ لوگ خدائے تعالیٰ کی قدرتوں پر حاکمانہ قبضہ کرنا چاہتے ہیں اور جس کے مونہہ سے اس کے برخلاف کچھ سنتے ہیں اس کو نہایت تحقیر اور تذلیل کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور افسوس کا مقام یہ ہے کہ نوخیزوں کے عام خیالات اسی طرف بڑھتے جاتے ہیں یہ کسی قوی دلیل کا اثر نہیں بلکہ ہمارے ملک کے لوگوں میں بھیڑ یا چال چلنے کا بہت سا مادہ موجود ہے جس سے تعلیم یافتہ جماعت بھی مستثنیٰ نہیں سو اس فطرت اور عادت کے جو لوگ ہیں وہ ایک بڑی ڈھاری والے کو گڑھے میں پڑا ہوا دیکھ کر فی الفور اس میں کود پڑتے ہیں اور اس سے بڑھ کر ان کے ہاتھ میں اور کوئی دلیل نہیں ہوتی کہ یہ فلاں عقلمند کا قول ہے۔ غرض زہرناک ہوا کے چلنے سے کمزور لوگ بہت جلد ہلاک ہوتے ہیں لیکن ایک روشن دل آدمی جس کی فطرت میں خدائے تعالیٰ نے وسعت علمی کی استعداد رکھی ہوئی ہے وہ ایسے خیالات کو کہ خدائے تعالیٰ کے اسرار پر احاطہ کرنا کسی انسان کا کام ہے بغائت درجہ عقل و ایمان سے دور سمجھتا ہے۔ واقعی جتنا انسان عجائبات غیر متناہیہ حضرت باری جلّ شانہٗ پر اطلاع پاتا ہے۔ اتنا ہی غرور اور گھمنڈ اس کا ٹوٹ جاتا ہے اور نئے طالب علموں کی شوخیاں اور بے راہیاں اس کے دل و دماغ سے جاتی رہتی ہیں اور مدّت دراز تک ٹھوکریں کھانے کی وجہ سے ابتدائی حالت کے تہ و بالا ہوئے ہوئے خیالات کچھ کچھ روبراہ ہوتے جاتے ہیں جیسے ایک بڑے فلاسفر کا قول ہے کہ میں نے علم اور تجربہ میں ترقیات کیں یہاں تک کہ آخری علم اور تجربہ یہ تھا کہ مجھ میں کچھ علم اور تجربہ نہیں سچ ہے دریائے غیر متناہی علم و قدرت باری جلّ شانہٗ کے آگے ذرّہ ناچیز انسان کی کیا حقیقت ہے کہ دم مارے۔ اور اس کا علم اور تجربہ کیا شے ہے تا اس پر نازل کرے سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا [1] کیا عمدہ اور صاف اور پاک اور خدائے تعالیٰ کی عظمت اور بزرگی کے موافق یہ عقیدہ

[1] البقرة : ۳۳

﴿۵۶﴾ ہے کہ جو کچھ اس سے ہونا ثابت ہے وہ قبول کیا جائے اور جو کچھ آئندہ ثابت ہو اس کے قبول کرنے کے لئے آمادہ رہیں اور بجز امور منافی صفات کمالیہ حضرت باری عزّ اسمہٗ سب کاموں پر اس کو قادر سمجھا جائے اور امکانی طور پر سب ممکناتِ قدرت پر ایمان لایا جائے یہی طریق اہل حق ہے جس سے خدائے تعالیٰ کی عظمت و کبریائی قبول کی جاتی ہے اور ایمانی صورت بھی محفوظ رہتی ہے جس پر ثواب پانے کا تمام مدار ہے نہ یہ کہ چند محدود باتیں اس غیر محدود کے گلے کا ہار بنائی جائیں اور یہ خیال کیا جائے کہ گویا اس نے اپنے ازلی ابدی زمانہ میں ہمیشہ اسی قدر قدرتوں میں اپنی جمیع طاقتوں کو محدود کر رکھا ہے یا اسی حد پر کسی قاسر سے مجبور ہو رہا ہے اگر خدائے تعالیٰ ایسا ہی محدود القدرت ہوتا تو اس کے بندوں کے لئے بڑے ماتم اور مصیبت کی جگہ تھی وہ عظیم الشان قدرتوں والا اپنی ذات و صفات میں لایدرک و لاانتہا ہے کون جانتا ہے کہ اس نے پہلے کیا کیا کام کیا اور آئندہ کیا کیا کرے گا تَعَالَی اللّٰہُ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔ ایک حکیم کا قول ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی بھی گمراہی نہیں کہ انسان اپنی عقل کے پیمانہ سے باری عزّ اسمہٗ کے ملک کو ناپنا چاہے یہ بیانات بہت صاف ہیں جن کے سمجھنے میں کوئی دقّت نہیں لیکن بڑی مشکل کی یہ بات ہے کہ دنیا پرست آدمی جس کی نظر دنیا کی مدح وذم پر لگی ہوئی ہے وہ جب ایک رائے اپنی قائم کر کے مشہور کر دیتا ہے تو پھر اس رائے کا چھوڑنا (خواہ کیسی ہی وجوہات بیّنہ مخالف رائے نکل آویں) اس پر بہت مشکل ہو جاتا ہے اور پھر جب ایسے غلط خیالات میں چند نامی عقلاء مبتلا ہو جائیں تو ادنیٰ استعداد کے آدمی ان خیالات کی تقلید کرنا اور بے سوچے سمجھے اس پر قدم مارنا اپنی عقلمندی ثابت کرنے کے لئے ایک ذریعہ سمجھ لیتے ہیں فلسفی تقلید ہمیشہ اسی طرح پھیلتی رہی ہے کم استعداد لوگ جو بچوں کی سی کمزوری رکھتے ہیں وہ بڑے بابا کا مونہہ دیکھ کر وہی باتیں کہنے لگتے ہیں جو اس بزرگ کے مونہہ سے نکلیں گو وہ واقعی ہوں یا غیر واقعی۔ اور صحیح ہوں یا غیر صحیح۔ ان کو اپنی سمجھ تو ہوتی ہی نہیں ناچار وہ کسی نامی صیّاد کے دام میں پھنس جاتے ہیں واقعی جتنا انسان تقلید سے نفرت کر کے بھاگتا ہے اُتنا ہی تقلید میں بار بار پڑتا ہے۔

﴿۵۷﴾ اِس جگہ اس بات کا جواب دینا بھی مناسب ہے کہ اگر سب امور قوانین ازلیہ وابدیہ میں داخل ہیں یعنے پہلے ہی سے بندھے ہوئے چلے آتے ہیں تو پھر معجزات کیا شے ہیں سو جاننا چاہئے کہ بے شک یہ تو سچ ہے کہ قوانین ازلیہ وابدیہ سے یا یوں کہو کہ خدائے تعالیٰ کے ازلی ارادہ اور اس کے قضا وقدر سے کوئی چیز باہر نہیں گو ہم اس پر اطلاع پاویں یا نہ پاویں۔ جفّ القلم بما ھو کائن مگر اسی عادت الٰہیہ نے جو دوسرے لفظوں میں قانون قدرت سے موسوم ہوسکتی ہے بعض چیزوں کے ظہور کو بعض کے ساتھ مشروط کر رکھا ہے پس جو امور ازلی ابدی ارادہ نے مقدسوں کی دعاؤں اور ان کی برکات انفاس اور ان کی توجہ اور ان کی عقد ہمت اور ان کے اقبال ایّام سے وابستہ کر رکھے ہیں اور ان کے تضرعات اور ابتہالات پر مترتب کی جاتی ہیں وہ امور جب انہیں شرائط اور انہیں وسائل سے ظہور میں آتے ہیں تب ان امور کو اس خاص حالت میں معجزہ یا کرامت یا نشان یا خارق عادت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس جگہ خارق عادت کے لفظ سے اس شبہ میں نہیں پڑنا چاہئے کہ وہ کون سا امر ہے جو عادت الٰہیہ سے باہر ہے کیونکہ اس محل میں خارق عادت کے قول سے ایک مفہوم اضافی مراد ہے یعنے یوں تو عادات ازلیہ وابدیہ خدائے کریم جلّ شانہٗ سے کوئی چیز باہر نہیں مگر اس کی عادات جو بنی آدم سے تعلق رکھتی ہیں دو طور کی ہیں ایک عادات عامہ جو روپوش اسباب ہو کر سب پر مؤثر ہوتی ہیں دوسری عادات خاصّہ جو بتوسط اسباب اور بلاتوسطِ اسباب خاص ان لوگوں سے تعلق رکھتی ہیں جو اس کی محبت اور رضا میں کھوئی جاتی ہیں یعنے جب انسان بکلّی خدائے تعالیٰ کی طرف انقطاع کر کے اپنی عادات بشریہ کو استرضاءِ حق کے لئے تبدیل کر دیتا ہے تو خدائے تعالیٰ اس کی اس حالت مبدلہ کے موافق اس کے ساتھ ایک خاص معاملہ کرتا ہے جو دوسروں سے نہیں کرتا یہ خاص معاملہ نسبتی طور پر گویا خارق عادت ہے جس کی حقیقت انہیں پر کھلتی ہے جو عنایت الٰہی سے اس طرف کھینچے جاتے ہیں۔ جب انسان اپنی بشری عادتوں کو جو اس میں اور اس کے ربّ میں حائل ہیں شوق توصّل الٰہی میں توڑتا ہے تو خدائے تعالیٰ بھی اپنی عام عادتوں کو اس کے لئے توڑ دیتا ہے یہ توڑنا بھی عاداتِ

﴿۵۸﴾ ازلیہ میں سے ہے کوئی مستحدث نہیں ہے جو مورد اعتراض ہو سکے گویا قدیم قانون حضرت احدیّت جلّ شانہٗ اسی طور پر چلا آتا ہے کہ جیسے جیسے انسان کا بھروسا خدائے تعالیٰ پر بڑھتا ہے ایسا ہی اس طرف سے الوہیّت کی قدرتوں کی چمکار اور اس کی کرنیں زیادہ سے زیادہ اس پر پڑتی ہیں اور جیسے جیسے اس طرف سے ایک پاک اور کامل تعلق ہوتا جاتا ہے ایسا ہی اس طرف سے بھی کامل اور طیب برکتیں ظاہر و باطن پر اترتی ہیں اور جیسی جیسی محبت الٰہی کی موجیں عاشق صادق کے دل سے اٹھتی ہیں ایسا ہی اس طرف سے بھی ایک نہایت صاف اور شفاف دریائے محبت کا زور شور سے چھوٹتا ہے اور دائرہ کی طرح اس کو اپنے اندر گھیر لیتا ہے اور اپنے الٰہی زور سے کھینچ کر کہیں کا کہیں پہنچا دیتا ہے اور جیسا یہ امر صاف صاف ہے ویسا ہی ہمارے نیچر کے مطابق بھی ہے ہم تم بھی جیسے جیسے دوستی اور محبت اور اخلاص میں بڑھتے ہیں تو اس دوطرفہ صفائی محبت کی یہی نشانی ہوا کرتی ہے کہ دونوں طرف سے آثار خلوص و اتحاد و یگانگت کے ظاہر ہوں نہ صرف ایک طرف سے ہو ہر یک دوست اپنے دوست کے ساتھ عوام الناس کی نسبت معاملہ خارق عادت رکھتا ہے جب انسان اپنی پہلی زندگی کی نسبت ایک ایسی نئی زندگی حاصل کرتا ہے جس کو نسبتی طور پر خارق عادت کہہ سکتے ہیں تو اسی دم سے وہی قدیم خدا اپنی تجلّیات نادرہ کے رو سے ایک نیا خدا اس کے لئے ہو جاتا ہے اور وہ عادتیں اس کے ساتھ ظہور میں لاتا ہے جو پہلی زندگی کی حالت میں کبھی خیال میں بھی نہیں آئی تھیں۔ خوارق کی کَل جس سے عجائبات قدرتیہ حرکت میں آتی ہیں انسان کی تبدیل یافتہ روح ہے اور وہ سچی تبدیلی یہاں تک آثار نمایاں دکھاتی ہے کہ بعض اوقات ایک ایسے طور سے شور محبت دل پر استیلا پکڑتا ہے اور عشق الٰہی کے پُرزور جذبات اور صدق اور یقین کی سخت کششیں ایسے مقام پر انسان کو پہنچا دیتی ہیں کہ اس عجیب حالت میں اگر وہ آگ میں ڈالا جائے تو آگ اس پر کچھ اثر نہیں کر سکتی اگر وہ شیروں اور بھیڑیوں اور ریچھوں کے آگے پھینک دیا جائے تو وہ اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتے کیونکہ اس وقت وہ صدق اور عشق کے کامل اور قوی تجلیات سے بشریت کے خواص کو پھاڑ کر کچھ اور ہو جاتا ہے اور جس طرح لوہے کے ظاہر و باطن پر آگ مستولی ہو کر

﴿۵۹﴾ آگ کو اپنے رنگ میں لے آتی ہے اسی طرح یہ بھی آتشِ محبتِ الٰہی کے ایک سخت استیلا سے کچھ کچھ اس طاقت عظمیٰ کے خواص ظاہر کرنے لگتا ہے جو اس پر محیط ہوگئی ہے سو یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ عبودیّت پر ربوبیّت کا کامل اثر پڑنے سے اس سے ایسے خوارق ظاہر ہوں۔ بلکہ تعجب تو یہ ہے کہ ایسے اثر کے بعد بھی عبودیّت کی معمولی حالت میں کچھ فرق پیدا نہ ہو کیونکہ اگر لوہا آگ میں تپانے سے کسی قدر خاصّہ آگ کا ظاہر کرنے لگے تو یہ امر سراسر مطابق قانونِ قدرت ہے لیکن اگر سخت تپانے کے بعد بھی اسی پہلی حالت پر رہے اور کوئی خاصیت جدید اس میں پیدا نہ ہو تو یہ عندالعقل صریح باطل ہے سو فلاسفی تجارب بھی ان خوارق کے ضروری ہونے پر شہادت دے رہے ہیں۔ یہ افسانہ نہیں اس پر عارفانہ روح لے کر غور کرو۔ کیا بدنصیب وہ شخص ہے جو اس کو افسانہ سمجھے اور غور نہ کرے اس حالت خارقہ کو عارف کا دل جو مبدّل ہے خوب شناخت کرتا ہے۔ دنیا اس حالت سے غافل ہے اور انکار کرتی ہے پر وہ جو اس مرتبہ تک پہنچا ہے وہ اس یقینی صداقت کے تصور سے سرور میں ہے۔ یہ تجلّیات الٰہیہ کا ایک دقیق بھید ہے اور اعلیٰ درجہ کا رازِ معرفت ہے اور انسانی روح کے تعلقات جو در پردہ وہ اپنے ربّ کریم سے نہایت نازک اور لایدرک طور پر واقعہ ہیں وہ اسی نقطہ پر آ کر کھلتے ہیں اور اسی نقطہ پر ایک طرفۃ العین کے لئے بندہ کے ہاتھ خدا کے ہاتھ اور اس کی آنکھیں خدا کی آنکھیں اور اس کی زبان خدا کی زبان کہلاتی ہے اور ربوبیت کی چادر ذرّہ عبودیت پر پڑ کر اس کو اپنے انوار میں متواری اور اپنی پرزور موجوں کے نیچے گم کر دیتی ہے۔ فلسفیوں کی پرغرور روحیں اس انتہائی مرتبہ کے دریافت کرنے سے بے نصیب گئیں اور خدائے عزّوجلّ نے دل کے غریب اور سادہ لوگوں کو یہ حالتیں دکھا دیں اور ان پر وارد کر دیں۔ وَ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ اب خلاصہ کلام یہ کہ خدائے تعالیٰ کی ذات میں بہت سی عجائب رحمتیں اور بہت سی نادر وفاداریاں ہیں مگر کھلے کھلے طور پر انہیں پر ظاہر ہوتی ہیں کہ جو لوگ اسی کے ہو جاتے ہیں اور اسی کے ہو رہتے ہیں اور اس ایک کے پانے کے لئے بہتوں کی جدائی اختیار کرتے ہیں خاک میں گرتے ہیں تا وہ پکڑ لے

﴿۶۰﴾ نام ونگ سب کھوہ دیتے ہیں تا وہ راضی ہوجائے رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا وَ ادْخِلْنَا فِیْ عِبَادِکَ الْمُخْلَصِیْنَ۔ اٰمِیْن۔

جنس نام ونگ وعزت رازِ دامان ریختم یار آمیزد مگر باما بہ خاک آمیختم
دل بدادیم ازکف وجاں دررہے انداختیم ازپئے وصلِ نگاری حیلہ ہا انگیختم

اب ہم وہ **مباحثہ مذہبی** جو مابین ہمارے اور لالہ مرلیدھر صاحب ڈرائینگ ماسٹر کے بالمواجہ وقوع میں آیا ذیل میں درج کرتے ہیں۔

وہ یہ ہے۔

اعتراض ازطرف لالہ مرلیدھر صاحب ڈرائینگ ماسٹر

میں نے اس وقت چھ۶ سوال پوچھنے ہیں جن میں سے پہلا یہ ہے کہ اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ نبی معجزے دکھلاتے رہے ہیں چنانچہ حضرت محمد صاحب نے چاند کے دو ٹکڑے کرکے دونوں آستینوں سے نکال دیا۔ سو یہ امر قانون قدرت کے برخلاف ہے کہ ایک شے ہزاروں میل لمبی چوڑی یا ہزاروں میل قطر والی چھ انچہ یا ایک فٹ کے سوراخ سے نکل جاوے اور چاند جو ماہواری گردش زمین کے گرد کرتا ہے وہ اپنی گردش کو چھوڑ کر ادھر ادھر ہوجائے جس سے انتظام عالم میں ہی فرق آجائے۔ اور پھر علاوہ اس کے سوائے دو چار شخصوں کے کوئی نہ دیکھے۔ کیونکہ کسی ملک میں مثلاً ہندوستان چین برہما وغیرہ کی تاریخوں میں اس کا کچھ ذکر نہیں پایا جاتا۔ اِس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ باتیں بالکل بناوٹی ہیں اگر اصلی ہیں تو ان کا کیا ثبوت ہے۔ مرلیدھر

جواب ازمؤلفِ رسالہ ہذا

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

ماسٹر صاحب نے جو معجزہ شق القمر پر اعتراض کیا ہے کہ شق القمر ہونا خلافِ عقل

﴿۶۱﴾

ہے اور دوسرے یہ کہ آستین میں سے چاند کے دوٹکڑے ہوکر نکل جانا صریح عقل کے برخلاف ہے۔اس کے جواب میں واضح ہو کہ یہ اعتراض کہ کیونکر چاند دوٹکڑے ہوکر آستین میں سے نکل گیا تھا یہ سراسر بے بنیاد اور باطل ہے کیونکہ ہم لوگوں کا ہرگز یہ اعتقاد نہیں ہے کہ چاند دوٹکڑے ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آستین میں سے نکلا تھا اور نہ یہ ذکر قرآن شریف میں یا حدیث صحیح میں ہے اور اگر کسی جگہ قرآن یا حدیث میں ایسا ذکر آیا ہے تو وہ پیش کرنا چاہیئے۔ یہ ایسی ہی بات ہے کہ جیسے کوئی آریہ صاحبوں پر یہ اعتراض کرے کہ آپ کے یہاں لکھا ہے کہ **مہان دیو جی** کی لٹوں سے گنگا نکلی ہے۔ پس جس اعتراض کی ہمارے قرآن یا حدیث میں کچھ بھی اصلیت نہیں اس سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو بس یہی کہ ماسٹر صاحب کو اصول اور کتب معتبرہ اسلام سے کچھ بھی واقفیت نہیں۔ بھلا اگر یہ اعتراض ماسٹر صاحب کا کسی اصل صحیح پر مبنی ہے تو لازم ہے کہ ماسٹر صاحب اسی جلسہ میں وہ آیت قرآن شریف پیش کریں جس میں ایسا مضمون درج ہے یا اگر آیت قرآن نہ ہو تو کوئی حدیث صحیح ہی پیش کریں جس میں ایسا کچھ بیان کیا گیا ہو اور اگر بیان نہ کرسکیں تو ماسٹر صاحب کو ایسا اعتراض کرنے سے متندم ہونا چاہئے کیونکہ منصب بحث ایسے شخص کے لئے زیبا ہے جو فریق ثانی کے مذہب سے کچھ واقفیت رکھتا ہو باقی رہا یہ سوال کہ شق قمر ماسٹر صاحب کے زعم میں خلافِ عقل ہے جس سے انتظام ملکی میں خلل پڑتا ہے یہ ماسٹر صاحب کا خیال سراسر قلت تدبّر سے ناشی ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ جلّ شانہٗ جو کام صرف قدرت نمائی کے طور پر کرتا ہے وہ کام سراسر قدرتِ کاملہ کی ہی وجہ سے ہوتا ہے نہ قدرتِ ناقصہ کی وجہ سے یعنے جس ذات قادر مطلق کو یہ اختیار اور قدرت حاصل ہے کہ چاند کو دوٹکڑہ کرسکے اس کو یہ بھی تو قدرت حاصل ہے کہ ایسے پُرحکمت طور سے یہ فعل ظہور میں لاوے کہ اس کے انتظام میں بھی کوئی خلل عائد نہ ہو اسی وجہ سے تو وہ سرب شکتی مان اور قادرِ مطلق

﴿۶۲﴾ کہلاتا ہے اور اگر وہ قادر مطلق نہ ہوتا تو اس کا دنیا میں کوئی کام نہ چل سکتا۔ ہاں یہ شناعتِ عقلی آریوں کے اکثر عقائد میں جابجا پائی جاتی ہے جس سے ایک طرف تو ان کے اعتقادات سراسر خلاف عقل معلوم ہوتے ہیں اور دوسری طرف خلاف قدرت وعظمتِ الٰہی بھی جیسے روحوں اور اجزاء صغار عالم کا غیر مخلوق اور قدیم اور انادی ہونا اصول آریہ سماج کا ہے۔ اور یہ اصول صریح خلاف عقل ہے اگر ایسا ہو تو پرمیشر کی طرح ہر ایک چیز واجب الوجود ٹھہر جاتی ہے اور خدائے تعالیٰ کے وجود پر کوئی دلیل قائم نہیں رہتی بلکہ کاروبار دین کا سب کا سب ابتر اور خلل پذیر ہو جاتا ہے کیونکہ اگر ہم سب کے سب خدائے تعالیٰ کی طرح غیر مخلوق اور انادی ہی ہیں تو پھر خدائے تعالیٰ کا ہم پر کونسا حق ہے اور کیوں وہ ہم سے اپنی عبادت اور پرستش اور شکر گزاری چاہتا ہے اور کیوں گناہ کرنے سے ہم کو سزا دینے کو طیار ہوتا ہے اور جس حالت میں ہماری روحانی بینائی اور روحانی تمام قوتیں خود بخود قدیم سے ہیں تو پھر ہم کو فانی قوتوں کے پیدا ہونے کے لئے کیوں پرمیشر کی حاجت ٹھہری۔ غرض خلاف عقل بات اگر تلاش کرنی ہو تو اس سے بڑھ کر اور کوئی بات نہیں جو خدائے تعالیٰ کو اول اپنا خدا کہہ کر پھر اس کو خدائی کے کاموں سے الگ رکھا جائے لیکن جو کام خدائے تعالیٰ کا صرف قدرت سے متعلق ہے اس پر وہ شخص اعتراض کر سکتا ہے کہ اول خدائے تعالیٰ کی تمام قدرتوں پر اس نے احاطہ کر لیا ہو۔ اور اس جگہ یہ بھی واضح رہے کہ مسئلہ شق القمر ایک تاریخی واقعہ ہے جو قرآن شریف میں درج ہے اور ظاہر ہے کہ قرآنِ شریف ایک ایسی کتاب ہے جو آیت آیت اس کی بروقت نزول ہزاروں مسلمانوں اور منکروں کو سنائی جاتی تھی اور اسی کی تبلیغ ہوتی تھی اور صدہا اس کے حافظ تھے مسلمان لوگ نماز اور خارج نماز میں اس کو پڑھتے تھے پس جس حالت میں صریح قرآن شریف میں وارد ہوا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور جب کافروں نے یہ نشان دیکھا تو کہا کہ جادو ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ۔ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا

﴿۶۳﴾ وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ [1] تو اس صورت میں اس وقت کے منکرین پر لازم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر جاتے اور کہتے کہ آپ نے کب اور کس وقت چاند کو دو ٹکڑے کیا اور کب اس کو ہم نے دیکھا لیکن جس حالت میں بعد مشہور اور شائع ہونے اس آیت کے سب مخالفین چپ رہے اور کسی نے دم بھی نہ مارا تو صاف ظاہر ہے کہ انہوں نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ضرور دیکھا تھا تب ہی تو ان کو چون و چرا کرنے کی گنجائش نہ رہی غرض یہ بات بہت صاف اور ایک راست طبع محقق کے لئے بہت فائدہ مند ہے کہ قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی جھوٹا معجزہ بحوالہ اپنے مخالفوں کی گواہی کے لکھ نہیں سکتے تھے اور اگر کچھ جھوٹ لکھتے تو ان کے مخالف ہم عصر اور ہم شہر اس زمانہ کے اسے کب پیش جانے دیتے۔ علاوہ اس کے سوچنا چاہئے کہ وہ مسلمان لوگ جن کو یہ آیت سنائی گئی اور سنائی جاتی تھی وہ بھی تو ہزاروں آدمی تھے اور ہر یک شخص اپنے دل سے یہ محکم گواہی پاتا ہے کہ اگر کسی پیر یا مرشد یا پیغمبر سے کوئی امر محض دروغ اور افترا ظہور میں آوے تو سارا اعتقاد ٹوٹ جاتا ہے اور ایسا شخص ہر ایک شخص کی نظر میں برا معلوم ہونے لگتا ہے، اس صورت میں صاف ظاہر ہے کہ اگر یہ معجزہ ظہور میں نہیں آیا تھا اور افترا محض تھا تو چاہئے تھا کہ ہزارہا مسلمان جو آنحضرت پر ایمان لائے تھے ایسے کذب صریح کو دیکھ کر یکلخت سارے کے سارے مرتد ہو جاتے لیکن ظاہر ہے کہ ان باتوں میں سے کوئی بات بھی ظہور میں نہیں آئی پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ معجزہ شق القمر ضرور وقوع میں آیا تھا۔ ہر یک منصف اپنے دل میں سوچ کر دیکھ لے کہ کیا تاریخی طور پر یہ ثبوت کافی نہیں ہے کہ معجزہ شق القمر اسی زمانہ میں بحوالہ شہادت مخالفین قرآن شریف میں لکھا گیا اور شائع کیا گیا اور پھر سب مخالف اس مضمون کو سن کر چپ رہے کسی نے تحریر یا تقریر سے اس کا ردّ نہ کیا اور ہزاروں مسلمان اس زمانہ کی رویت کی گواہی دیتے رہے اور یہ بات ہم مکرر لکھنا چاہتے ہیں کہ قدرت اللہ پر اعتراض کرنا خود ایک وجہ سے انکار خدائے تعالیٰ ہے کیونکہ اگر خدائے تعالیٰ

[1] القمر: ۳،۲

﴿۶۴﴾ کی قدرت مطلقہ کو نہ مانا جائے اور حسب اصول تناسخ آریہ صاحبان یہ اعتقاد رکھا جائے کہ جب تک زید نہ مرے بکر ہرگز پیدا نہیں ہوسکتا۔ اس صورت میں تمام خدائی اس کی باطل ہو جاتی ہے بلکہ اعتقاد صحیح اور حق یہی ہے کہ پرمیشر کو سرب شکتی مان اور قادر مطلق تسلیم کیا جائے اور اپنے ناقص ذہن اور ناتمام تجربہ کو قدرت کے بے انتہا اسرار کا محک امتحان نہ بنایا جائے ورنہ ہمہ دانی کے دعویٰ پر اس قدر اعتراض وارد ہوں گے اور ایسی خجالتیں اٹھانی پڑیں گی کہ جن کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ انسان کا قاعدہ ہے کہ جو بات اپنی عقل سے بلند تر دیکھتا ہے اس کو خلاف عقل سمجھ لیتا ہے حالانکہ بلند تر از عقل ہونا شے دیگر ہے اور خلاف عقل ہونا شے دیگر۔ بھلا میں ماسٹر صاحب سے پوچھتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ اس بات پر قادر رہتا یا نہیں کہ جس قدر اب جرم قمری مشہود و محسوس ہے اس سے آدھے سے بھی کام لے سکتا اور اگر قادر نہیں تو اس پر عقلی دلیل جو عندالعقل تسلیم ہو سکے کون سی ہے اور کس کتاب میں لکھی ہے تو جس حالت میں معجزہ شق القمر میں یہ بات ماخوذ ہے کہ ایک ٹکڑا اپنی حالت معہودہ پر رہا اور ایک اس سے الگ ہو گیا وہ بھی ایک یا آدھ منٹ تک یا اس سے بھی کم۔ تو اس میں کون سا استبعاد عقلی ہے اور بفرض محال اگر استبعاد عقلی بھی ہو تو ہم کہتے ہیں کہ عقل ناقص انسان کی ہر یک کام ربانی تک کب پہنچ سکتی ہے بھلا آپ ہی بتلاویں کہ یہ مسئلہ جو آپ کے اصول کے رو سے ستیارتھ پرکاش میں پنڈت دیانند صاحب نے لکھا ہے کہ روح انسانی اَوس کی طرح کسی گھاس پات وغیرہ پر گرتی ہے پھر اس کو کوئی عورت کھا لیتی ہے اس سے بچہ پیدا ہوتا ہے یہ کس قدر عقل کے برخلاف اور تمام اطباء اور فلاسفہ کی تحقیق کے مخالف ہے۔☆ کیونکہ ظاہر ہے کہ بچہ صرف عورت ہی کی منی سے پیدا نہیں ہوتا

﴿۶۴﴾ ☆ **حاشیہ** لالہ مرلیدھر صاحب ڈرائینگ ماسٹر نے چودھویں مارچ ۱۸۸۶ء کے جلسۂ بحث میں جس میں راقم رسالہ ہذا کا حق تھا کہ پہلے اپنا اعتراض پیش کرے وقت کو ناحق ضائع کرنے کے لئے گیاراں مارچ ۸۶ء

﴿۶۵﴾ بلکہ عورت اور مرد دونوں کی منی سے پیدا ہوتا ہے اور اس کے اخلاق روحانی بھی صرف ماں سے مشابہت نہیں رکھتے بلکہ ماں اور باپ دونوں سے مشابہت رکھتے ہیں تو پھر یہ اعتقاد کس قدر نامعقول اور خلاف عقل ہے کہ گویا ایک عورت کی غذا میں ہی وہ روح مخلوط ہو کر کھائی جاتی ہے اور مرد اس سے محروم رہ جاتا ہے۔ پھر سوچنا چاہیئے کہ کیا روح کوئی جسم کی قسم ہے کہ جسم سے مخلوط ہو جاتی ہے دیکھو کس قدر یہ اصول بعید از عقل ہے۔ ماسوا اس کے زمین کے نیچے سے ہزاروں جانور زندہ نکلتے ہیں اور بہت سی چیزوں میں سینکڑوں برسوں کے بعد کیڑے پڑ جاتے ہیں ان چیزوں میں کہاں سے اور کس راہ سے روح آ جاتی ہے۔ غرض اگر آپ یہ دعویٰ نہ کرتے کہ جو امر بظاہر برتر از عقل معلوم ہو وہ خدائے تعالیٰ کی قدرت سے بعید ہے تو ہمیں کچھ ضرور نہ تھا کہ آپ پر

بقیہ حاشیہ

﴿۶۵﴾ کے بحث کے متعلق ایک فضول جھگڑا شروع کر دیا اور چند سطریں مندرجہ ذیل لکھ کر اور ان پر اپنے دستخط کر کر جلسہ عام میں ایک بڑے جوش سے کھڑے ہو کر سنائیں اور وہ یہ ہیں۔

آج پہلے اس کے کہ میں کوئی نیا سوال پیش کروں مرزا صاحب کی پہلے روز کی تقریر میں سے وہ حصہ جو انہوں نے فرمایا ہے کہ ستیارتھ پرکاش میں لکھا ہے کہ روحیں اَوس وغیرہ پر پھیلتی ہیں اور عورتیں کھاتی ہیں تو آدمی پیدا ہوتے ہیں پیش کرتا ہوں یہ ستیارتھ پرکاش میں کسی جگہ نہیں اگر ہے تو ستیارتھ پرکاش مَیں دیتا ہوں اس میں سے نکال کر دکھلاویں تا کہ سچ اور جھوٹ کی نرتی لوگ کر لیں۔

۱۴/ مارچ ۱۸۸۶ء۔ مرلیدھر ڈرائینگ ماسٹر۔

اس کے جواب میں اول تو میں نے یہ کہا کہ پہلے روز کی تقریر اسی روز کے ساتھ ختم ہوئی۔ آپ پر لازم تھا کہ اسی روز جھگڑا شروع کرتے اب یہ کیونکر اس جلسہ بحث میں

﴿۶۶﴾ اعتراض کرتے لیکن اب تو ماسٹر صاحب آپ پر فرض ہو گیا کہ اول اپنے گھر کی باتوں کو (جو صریح خلاف عقل معلوم ہوتی ہیں۔) عقل کے رو سے ثابت کر لیں پھر کسی دوسرے پر اعتراض کریں بھلا جس حالت میں آپ کے نزدیک روح بھی ایک باریک جسم ہے جو اوس یعنے شبنم کی طرح ہو کر آسمان سے گرتی ہے تو آپ پر یہ بھی سوال وارد ہوگا کہ انڈے میں جب بچہ مرجاتا ہے تو وہ کس راہ سے نکل جاتی ہے۔ اور پھر جب اس لاش یا میّت میں اندر ہی اندر کیڑے پڑ جاتے ہیں تو وہ کس راہ سے آتے ہیں پانی کے کیڑے اور ہوا کے کیڑے اور پھلوں کے کیڑے کس اَوس سے پیدا ہوتے ہیں ہر یک منصف سمجھ سکتا ہے کہ یہ بات کہنا کہ یہ امر خلافِ عقل ہے اس شخص کے لئے حق پہنچتا ہے کہ جس نے اوّل اپنے گھر کی صفائی کر لی ہو لیکن درحقیقت عقائد اسلام میں تو ایک بات بھی خلاف عقل

بقیہ حاشیہ ﴿۶۶﴾ تحریک کے لائق نہیں بلکہ از قبیل + مُشتے کہ بعد از جنگ یاد آمد۔ ہے اگر آپ کو چار روز کی بات اب جا کر سوجھی ہے تو آپ بروقت شائع کرنے اپنے مضمون کے بطور خود لکھ دیں کہ یہ حوالہ غلط ہے۔ پھر دیکھا جائے گا۔ اور میں اب بھی کتاب نکال کر دکھلا دیتا لیکن مجھے پتہ یاد نہیں اور نہ میں ناگری پڑھ سکتا ہوں یہ سب عذرات سن کر ماسٹر صاحب نے سراسر مکابرہ کی راہ سے اسی پر ضد کرنا شروع کیا کہ جب تک اس کا تصفیہ نہ ہو لے دوسری گفتگو نہیں کر سکتے اس پر مولوی الٰہی بخش صاحب وکیل نے بھی انہیں بہت سمجھایا کہ اس موقعہ پر گزشتہ قصوں کو لے بیٹھنا بے جا ہے آج کے دن آج ہی کی بحث ہونی چاہیئے بھلا اتنی بڑی کتاب جس کا پتہ و مقام خاص یاد نہیں اگر کسی سے پڑھائی بھی جائے تو کیا دو چار روز سے کم میں ختم ہو سکتی ہے اس کے جواب میں لالہ صاحب نے تُند ہو کر ان کو فرمایا کہ کیا آپ عدالتوں میں ایسی ہی وکالتیں کیا کرتے ہیں یہ رعایت کی بات ہے غرض جب دیکھا گیا کہ خدا نے ماسٹر صاحب کی کچھ ایسی ہی سمجھ رکھی ہے

﴿۶۷﴾ پائی نہیں جاتی۔ ہاں بعض امور دقیقہ برتر از عقول ناقصہ ہیں جو کمال معرفت کی حالت میں منکشف ہو جاتے ہیں مگر آپ کے مذہب میں تو ہزاروں باتیں خلاف عقل اور خلاف شان الوہیت پائی جاتی ہیں تو پھر آپ دوسروں پر کیونکر اعتراض کر سکتے ہیں۔ پس اسی قدر کافی ہے۔

ماسٹر صاحب کا جواب الجواب معہ اس کی ردّ کے

قولہٗ مرزا صاحب میرے سے حدیث یا آیت مانگتے ہیں اور ساتھ ہی قرآن کی آیت تحریر فرما کر اقرار کرتے ہیں کہ قمر کے دو ٹکڑے حضرت نے کئے۔

اقـــول صاحب من میں نے چاند کے دو ٹکڑے ہونے پر تو آپ سے کسی آیت یا حدیث

بقیہ حاشیہ ﴿۶۷﴾ کہ وہ بہر حال اپنے الٹے کو سیدھا اور دوسرے کے سیدھے کو الٹا خیال کرتے ہیں تو قصہ کوتاہ کرنے کی غرض سے ان کو کہا گیا کہ جب ہم یہ بحث شائع کریں گے تو اس مقام پر ستیارتھ پرکاش کا حوالہ بھی ضرور لکھ دیں گے چنانچہ ماسٹر صاحب نے جب تک یہ اقرار تحریری نہ لکھا لیا تب تک صبر نہ آیا سو آج وہ روز ہے جو ہم اس وعدہ کو پورا کریں اور دیکھیں کہ ماسٹر صاحب کس قدر انسانی غیرت کو کام میں لا کر شرمندہ اور منفعل ہوتے ہیں۔

لیکن اوّل اس بات کا کھول دینا ازبس ضروری ہے کہ جس حالت میں ستیارتھ پرکاش میں وہ مضمون جس کا حوالہ دیا گیا تھا صاف درج تھا تو پھر کیوں ماسٹر صاحب نے اس کے اندراج سے صاف انکار کیا اور اس کے مطالبہ میں اس قدر بے جا ضد کی کہ بہت سے وقت کو کھویا جس سے ہمارا حق بالمقابل اعتراض کرنے کا بہت سا ضائع ہوا اس کا سبب تین میں سے ایک ہے یا تو یہ کہ ابھی ماسٹر صاحب کو اپنے مذہب کی کتابوں کی کچھ خبر ہی نہیں صرف دیکھا دیکھی بحث کرنے کا شوق ہو گیا ہے یا دوسرا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے

﴿۶۸﴾ کی سند نہیں مانگی بلکہ ایک ادنیٰ استعداد کا اردو خوان بھی میرے جواب کو پڑھ کر سمجھ سکتا ہے کہ میں نے تو آپ سے یہ ثبوت مانگا تھا کہ قرآن شریف یا حدیث میں کہاں لکھا ہے کہ چاند دو ٹکڑے ہوکر زمین پر گر پڑا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آستینوں میں سے اس کو نکال دیا سو آپ نے اس کا کچھ ثبوت نہ دیا۔

قولہ میرا سوال تھا کہ جو بات خلافِ قانون قدرت ہے (یعنے شق القمر) وہ کس طرح ہوسکتی۔

اقول بے شک اس قدر حصہ آپ کے سوال کا تو بہت صحیح اور درست ہے کہ خلاف قانون قدرت ازلی وابدی کوئی بات ظہور میں نہیں آتی لیکن ساتھ اس کے یہ دعویٰ آپ کا کہ اس قانون ازلی وابدی پر انسانی عقل نے احاطہ تام کرلیا ہے اور پھر اس خیال باطل

﴿۶۸﴾ **بقیہ حاشیہ** کہ خبر تو تھی لیکن خیانت کی راہ سے دوسروں کے بہکانے اور دھوکا دینے کے لئے ایک امر حق کو چھپانا چاہا ہے یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس قسم کے جھوٹے اور لغو مسائل کا حتّی الوسع لوگوں کے روبرو ظاہر نہ کرنا پنڈت دیانند کی طرف سے بطور وصیت فہمائش ہے جس پر ان کے پیرو عمل کررہے ہیں اور یہ آخری سبب قرین قیاس ہے اور یہی وجہ تھی کہ ماسٹر صاحب نے اپنا تمام جوش اسی میں خرچ کیا کہ ایسا نالائق مضمون اور ایسا باطل خیال ستیارتھ پرکاش میں ہرگز نہیں ہے اور نہ پنڈت دیانند صاحب کی شان کے لائق ہے کہ ایسی احمقانہ باتیں ان کی قلم سے نکلیں مگر شکر ہے کہ آخر چور پکڑا گیا۔ اور اس جگہ ماسٹر صاحب کو بھی معلوم رہے کہ پنڈت صاحب کی یہ ایک نئی غلطی نہیں بلکہ ان کی اکثر تحریریں ایسی ہی ہیں کہ جن کو غلطستان کہنا چاہئے اُن کی فطرت ہی کچھ ایسی واقعہ تھی کہ باریک باتوں تک ان کی عقل نہیں پہنچ سکتی تھی اور خالص اور منقوش دلائل میں فرق نہیں کرسکتے تھے ہاں بعض اوقات پیچھے سے وقت گزرنے کے بعد سمجھ بھی جاتے تھے کہ ہم سے

﴿۶۹﴾ کے رو سے شق القمر پر اعتراض کرنا یہ بالکل غلط اور سراسر سمجھ کا پھیر ہے عقلمندی یہ ہے کہ قانون قدرت جو ہنوز انسانی دفتروں میں غیر مکمل ہے اس کو ہمیشہ عجائبات جدید الظہور کا تابع رکھنا چاہیے نہ یہ کہ جو عجائبات خواص عالم نئے نئے کھلتے جائیں ان کو باوجود ثبوت کے اس وجہ سے رد کر دیں کہ جو کچھ آج تک ہمیں معلوم ہے یہ اس سے زائد امر ہے۔ اس سے زیادہ تر کون سی فضول گوئی اور بے سمجھی ہوگی کہ اپنے چند روزہ اور محدود اور مشتبہ تجربہ کو خدائے تعالیٰ کا مکمل قانون قدرت خیال کر بیٹھیں اور پھر جو آئندہ اسرار کھلتے جائیں ان کو اس بنا پر خلاف قانون قدرت سمجھ لیں کہ وہ ہمارے معلومات سابقہ سے زیادہ ہیں مجھے یقین ہے کہ آپ نے اس رسالہ کے مقدمہ مذکورہ بالا کو پڑھ کر سمجھ لیا ہوگا کہ قانون قدرت کیا چیز ہے اور کس حالت میں کسی امر کو کہہ سکتے ہیں

بقیہ حاشیہ ﴿۶۹﴾ غلطی ہوئی مگر وہ سمجھنا کچھ اپنی لیاقت سے نہیں بلکہ لوگوں کے اعتراضات بارش کی طرح چاروں طرف سے برس کر متنبہ کرتے تھے اور اسی نقصان فہم کی وجہ سے پنڈت دیانند کا اپنی تمام زندگی میں یہ طریق رہا ہے کہ اول ایک بات کا دعویٰ کرنا کہ یہ مسئلہ وید کا ہے اور ہمارے ویدوں میں یوں ہی لکھا ہے اور پھر اس کو کسی رسالہ وغیرہ میں چھپوا دینا اور پھر جس وقت دانشمند لوگ اس پر اعتراض کر کے اس کا باطل ہونا کھول دیں اور لاجواب کر دیں تو پھر اس مسئلہ سے گریز کر جانا اور یہ عُذر پیش کر دینا کہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ہمارا قصور نہیں ہے بلکہ سہو کاتب ہے چنانچہ پہلے انہوں نے اپنے ستیارتھ پرکاش میں جو وید بھاش کے مشتہر کرنے سے پہلے لکھی گئی ہے صفحہ ۴۲ میں لکھا تھا کہ پتھروں میں سے جو کوئی جیتا ہو اس کا ترپن نہ کرے اور جتنے مر گئے ہوں ان کا تو ضرور کرے اور اس پر چند فوائد اور دلائل بھی بیان کئے تھے لیکن پھر مدت کے بعد انہوں نے اشتہار دیا کہ یہ سہو کاتب ہے۔

﴿۷۰﴾ کہ یہ خلافِ قانون قدرت ہے اور اگر آپ نے اب تک اس مقدمہ کو غور کر کے نہیں دیکھا تو میں آپ کو توجہ دلاتا ہوں کہ آپ غور سے اس مفید مقام کو پڑھیں کیونکہ ان علمی نکات کے جانے بغیر آپ قانون قدرت کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے۔

قولہ شق القمر سے انتظام عالم میں فتور واقعہ ہو جاتا ہے۔

اقول اگر کسی کی خود اپنی ہی عقل میں فتور نہ ہو تو سمجھ سکتا ہے کہ کسی چیز کے ایک نئے خاصہ کا ظہور میں آنا اس کے پہلے خاصہ کے ابطال کے لئے ایک لازمی امر نہیں ہے سو اسی قاعدہ کے رو سے دانشمند لوگ جو خدائے تعالیٰ کی عظیم الشان قدرتوں سے ہمیشہ ہیبت زدہ رہتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ حکیم مطلق جس کی حکمتوں کا انتہا نہیں اس کی طرف سے قمر و شمس میں ایسی خاصیت مخفی ہونا ممکن ہے کہ باوجود انشقاق کے ان کے فعل میں فرق

﴿۷۰﴾ **بقیہ حاشیہ** گویا کاتب نے اپنی طرف سے ایک صفحہ معہ دلائل و فوائد لکھ مارا اور پنڈت صاحب سوئے رہے انہیں کچھ خبر نہیں۔

پھر شاید عرصہ باراں سال کا یا کچھ کم و بیش ہوا ہوگا کہ پنڈت صاحب نے ایک اشتہار اپنا دستخطی کانپور میں مشتہر کیا تھا کہ اکیس شاستر ایشر کرت یعنے خدا کا کلام ہے۔ پھر رفتہ رفتہ جیسے شاستروں کی خوبیاں پنڈت صاحب پر کھلتی گئیں ان کو انسان کا کلام سمجھتے گئے یہاں تک کہ تھوڑے ہی عرصہ میں چار وید ایشر کرت رہ گئے اور باقی سب انسانی کتابیں ٹھہرائی گئیں پھر اس کے بعد ویدوں کا حصہ جس کو براہمن کہتے ہیں ان کی نظر میں صحیح ثابت نہیں ہوا تو آخر اس کو بھی ایشر کرت سے باہر کر دیا اور صرف اس کے دوسرے حصہ سنگتا (منتر بہاگ) کو الہامی سمجھا گیا۔ کاش پنڈت صاحب ایک دو سال اور بھی جیتے تا ان نوخیال آریوں کو چاروں ویدوں سے بھی آزاد کر جاتے۔ اتھرون وید کا قصہ تو جلد پاک ہو جاتا کیونکہ اس کی نسبت تو پہلے ہی بعض ہندوؤں کا

﴿۷۱﴾ نہ آوے اسی کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۔ [۱] نزدیک آ گئی وہ گھڑی اور پھٹ گیا چاند۔ اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ روز ازل سے حکیم مطلق نے ایک خاصہ مخفی چاند میں رکھا ہوا تھا کہ ایک ساعت مقررہ پر اس کا انشقاق ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ نجوم اور شمس اور قمر کے خواص کا ظہور ساعات مقررہ سے وابستہ ہے اور ساعات کو حدوث عجائبات سماوی وارضی میں بہت کچھ دخل ہے اور حقیقت میں قوانین قدرتیہ کا شیرازہ انہیں ساعات سے باندھا گیا ہے سو کیا عمدہ اور پُرحکمت اور فلسفیانہ اشارہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے آیت مندرجہ بالا میں فرمایا کہ چاند کے پھٹنے کی جو ساعت مقرر اور مقدر تھی وہ نزدیک آ گئی اور چاند پھٹ گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس آیت کے آگے بھی فرماتا ہے وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۔ [۲]

بقیہ حاشیہ

﴿۷۱﴾ خیال آتا ہے کہ وہ براہمن پشتک ہے اور تین ویدوں میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔ خیر یہ جھگڑا ہمارے اس وقت کے بحث سے متعلق نہیں صرف یہ ظاہر کرنا تھا کہ پنڈت دیانند قائم الرائے آدمی نہیں تھا اور فطرت سے ان کو ایک موٹی عقل ملی تھی جس کی وجہ سے وہ دوسروں کی باتوں کو تو کیا سمجھتے اپنی رائے کے آخری نتائج سے بھی اکثر بے خبر رہتے تھے یہی وجہ تھی کہ ان کے خیالات ایک ہی مرکز پر قائم نہیں رہ سکتے تھے۔ اوائل میں ان کی یہ رائے تھی کہ تناسخ باطل ہے چنانچہ یہ رائے ان کی ایک مرتبہ وکیل ہند امرتسر میں بھی چھپی تھی پھر اسی اخبار میں لکھا تھا کہ اب پنڈت صاحب فرماتے ہیں کہ اب میں نے عقیدہ تناسخ کو اختیار کر لیا ہے گو پہلے نہیں تھا پھر چاندا پور کے مباحثہ پر جو ان کی طرف سے ایک رسالہ نکلا تھا اس میں انہوں نے مکتی جاودانی کا صاف اقرار کیا تھا چنانچہ اب تک رسالہ موجود ہے اور جب سوال کیا گیا کہ اگر مکتی جاودانی ہے تو پھر روح کسی نہ کسی دن مکتی پا کر ختم ہو جائیں گے کیونکہ پرمیشر میں تو یہ قدرت

[۱] القمر : ۲ [۲] القمر : ۴

﴿۷۲﴾ یعنے کفار نے تو چاند پھٹنے کو سحر پر حمل کیا اور تکذیب کی مگر یہ سحر نہیں ہے بلکہ خدائے تعالیٰ کی ان امور یعنے قوانین قدرتیہ میں سے ہے جو اپنے اپنے وقتوں میں قرار پکڑنے والے ہیں اور عقلمند انسان اس نشان قدرت سے کیوں تعجب کرے کیا اللہ تعالیٰ کے کارخانہ قدرت میں یہی ایک بات بالاتر از عقل ہے جو حکیموں اور فلسفیوں کی سمجھ میں نہیں آتی اور باقی تمام اسرار قدرت انہوں نے سمجھ لئے ہیں اور کیا یہ ایک ہی عقدہ لاینحل ہے اور باقی سب عقدوں کے حل کرنے سے فراغت ہو چکی ہے اور کیا اللہ تعالیٰ کے عجائب کاموں میں سے یہی ایک عجیب کام ہے اور کوئی نہیں بلکہ اگر غور کر کے دیکھو تو اس قسم کے ہزار ہا عجائب کام اللہ تعالیٰ کے دنیا میں پائے جاتے ہیں زمین پر سخت سخت زلازل آتے رہتے ہیں اور بسا اوقات کئی میل زمین تہ و بالا ہوگئی ہے مگر پھر بھی انتظام عالم میں فتور واقع نہیں ہوا حالانکہ جیسے چاند کو اس انتظام میں دخل ہے ویسا ہی زمین کو غرض یہ ملحدانہ شکوک انہیں لوگوں

بقیہ حاشیہ

﴿۷۲﴾ ہی نہیں کہ کوئی روح پیدا کر سکے۔ اس کے جواب میں انہوں نے اپنے چیلوں کو یہ پٹی پڑھائی کہ روح بے انت ہیں کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ پھر جب ہم نے اخبار وکیل ہند میں مشتہر کیا کہ کیا پرمیشر بھی جانتا ہے یا نہیں کہ اس قدر روح ہیں تو یہ جواب ملا کہ روحوں کی تعداد کی پرمیشر کو بھی خبر نہیں اس کی بے خبری سے ہی یہ سارا انتظام دنیا کا چلا جاتا ہے پھر جب لوگوں نے اس اعتقاد پر بہت ہنسی ٹھٹھا شروع کیا تب پنڈت صاحب تنگ اور لاچار آ کر دوسری طرف الٹے اور فرمایا کہ ہاں روح تو بے انت نہیں ہیں مگر یہ بات سچ ہے کہ کسی کو اوتار ہو یا رشی ہو کوئی ہو ہمیشہ کی نجات نہیں ملے گی اور کیسا ہی کوئی اعلیٰ درجہ کا نیک اور عاشق الٰہی ہو جائے مگر تب بھی جونوں کی دائمی بلا سے اس کو مخلصی نہیں ہوگی پرمیشر تو رحیم ہی تھا مگر وہ بیچارہ کیا کر سکے ہمیشہ کی نجات دینا اس کی قدرت سے باہر ہے کیونکہ وہ کسی روح کو پیدا نہیں کر سکتا۔ اس کی ساری بدنامیوں کی جڑھ یہی ہے غرض پنڈت

﴿۷۳﴾ کے دلوں میں اٹھتے ہیں کہ جو خدائے تعالیٰ کو اپنے جیسا ایک ضعیف اور کمزور اور محدود الطاقت خیال کر لیتے ہیں اگر خدائے تعالیٰ پر اس قسم کے اعتراضات وارد ہو سکتے ہیں تو پھر کسی طور سے عقل تسلی نہیں پکڑ سکتی کہ یہ بڑے بڑے اجرام علوی و سفلی کیونکر اور کن ہتھیاروں سے اس نے بنا ڈالے۔

قولہ ممالک غیر اور اقوام غیر کی تاریخ میں ایسی بڑی بات کا ذکر (یعنی شق القمر کا ذکر) ضرور چاہئے۔

اقول میں کہتا ہوں کہ آپ اپنے اسی قول سے ملزم ٹھہر سکتے ہیں کیونکہ جس حالت میں چاند کے دو ٹکڑہ کرنے کا دعویٰ زور شور سے ہو چکا تھا یہاں تک کہ خاص قرآن شریف میں مخالفوں کو الزام دیا گیا کہ انہوں نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا اور اعراض کر کے کہا کہ یہ پکا جادو ہے۔ اور پھر یہ دعویٰ نہ صرف عرب میں بلکہ اسی زمانہ میں تمام ممالک روم و شام و مصر و فارس وغیرہ دور دراز ممالک میں پھیل گیا تھا تو اس صورت میں یہ بات کچھ تعجب کا محل نہ تھا کہ مختلف قومیں جو مخالف اسلام تھیں وہ دم بخود اور خاموش رہتیں اور بوجہ عناد

بقیہ حاشیہ ﴿۷۳﴾ صاحب کی کارروائیوں میں اس قسم کی خیانتیں بہت تھیں کہ ایک بات کو اپنے منہ سے نکالنا یا چھپوا دینا اور جب اس کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے تو فی الفور منکر ہو جانا اور پھر طبع شدہ کتاب کی ترمیم کر کے دوسری کتاب چھپوانا۔ اب ہم اصل مقصود کی طرف رجوع کر کے ستیارتھ پرکاش کا وہ مقام لکھتے ہیں جس کے لکھنے کا ماسٹر مرلیدھر صاحب کو وعدہ دیا گیا تھا اور وہ یہ ہے۔

ستیارتھ پرکاش ۱۸۷۵ء آٹھواں سمولاس صفحہ ۲۶۳۔

سوال جنم اور موت وغیرہ کس طرح سے ہوتے ہیں۔

جواب لنگ شریر یعنے جسم دقیق (روح) اور ستھول شریر جسم کثیف باہم مل کر جب ظاہر ہوتے ہیں تب اس کا نام جنم یعنے پیدائش ہوتا ہے۔ اور دونوں کی علیحدگی سے غائب ہو جانے کو موت کہتے ہیں۔

سو اس طرح سے ہوتا ہے کہ روح اپنے اعمال کے نتائج سے گردش کرتی

﴿۷۴﴾ وبغض وحسد شق القمر کی گواہی دینے سے زبان بند رکھتیں کیونکہ منکر اور مخالف کا دل اپنے کفر اور مخالفت کی حالت میں کب چاہتا ہے کہ وہ مخالف مذہب کی تائید میں کتابیں لکھے یا اس کے معجزات کی گواہی دیوے۔ ابھی تازہ واقعہ ہے کہ لالہ شرمپت و ملاوامل آریہ ساکنان قادیان و چند دیگر آپ کے آریہ بھائیوں نے قریب ۷۰ کے الہامی پیشگوئیاں اس عاجز کی بچشم خود پوری ہوتی دیکھیں جن میں پنڈت دیانند کی وفات کی خبر بھی تھی۔ چنانچہ اب تک چند تحریری اقرار بعضوں کے ہمارے پاس موجود پڑے ہیں لیکن آخر قوم کے طعن ملامت سے اور نیز ان کی اس دھمکی سے کہ ان باتوں کی شہادت سے اسلام کو تائید پہنچے گی اور وہ امر ثابت ہوگا کہ جس میں پھر وید کی بھی خیر نہیں ڈر کر مونہہ بند کر لیا اور ناراستی سے پیار کر کے راستی کی شہادت سے کنارہ کش ہو گئے سو مخالف ہونے کی حالت میں اگر کوئی ادائے شہادت سے خاموش رہے تو کچھ تعجب کی بات نہیں بلکہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اگر مخالف کی طرف سے ایک دعویٰ کا جھوٹا ہونا کھل جائے تو پھر جھوٹ کی اشاعت کے لئے قلم نہ اٹھائیں اور دروغگو کو اس کے گھر تک نہ پہنچائیں سو میں پوچھتا ہوں کہ اگر آنحضرت

بقیہ حاشیہ

﴿۷۴﴾ اور اپنے افعال کی تاثیر سے گھومتے ہوئے پانی یا کسی اناج یا ہوا میں ملتی ہے پھر جب وہ پانی یا کسی بوٹے وغیرہ کے ساتھ مل جاتی ہے تو جیسے جس کے افعال کا اثر یعنے جتنا جس کو سکھ یا دکھ ہونا ضروری ہے خدا کے حکم کی موافق ویسی جگہ اور ویسے ہی جسم میں مل کے شکم مادر میں داخل ہو جاتی ہے پھر جب حیوان یا انسان میں وہ غذا کے ساتھ اندر چلی جاتی ہے اس کے جسم کے حصہ کی کشش سے اس کا جسم بنتا ہے اسی طریقہ سے جو پرمیشر نے مقرر کر رکھا ہے روح نکلنے کے بعد آفتاب کی کرنوں کے ساتھ اوپر کو کھینچی جاتی ہے اور پھر چاند کے نور کے ساتھ (اوس کی طرح) زمین پر کسی بوٹی وغیرہ پر گرتی ہے۔ پھر بموجب طریقۂ مذکورہ بالا جسم اختیار کرتی ہے۔

یہ پنڈت صاحب کی عبارت ہے جو ہم نے ستیارتھ پرکاش سے نکال کر اس جگہ لکھی ہے اب ہم ماسٹر صاحب سے پوچھتے ہیں کہ کیوں صاحب ابھی سچ اور جھوٹ کی نرتی ہوئی یا نہیں۔ اس وقت ذرا آپ فرمائیں تو سہی کہ آپ کے دل کا کیا حال ہے کیا وہ آپ کا قول سچ نکلا کہ

﴿۷۵﴾ صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے عام اور علانیہ طور پر یہ دعویٰ مشہور کر دیا تھا کہ میرے ہاتھ سے معجزہ شق القمر وقوع میں آ گیا ہے اور کفار نے اس کو بچشم خود دیکھ بھی لیا ہے مگر اس کو جادو قرار دیا اپنے اس دعویٰ میں سچے نہیں تھے تو پھر کیوں مخالفین آنحضرت جو اسی زمانہ میں تھے جن کو یہ خبریں گویا نقارہ کی آواز سے پہنچ چکی تھیں چپ رہے اور کیوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مواخذہ نہ کیا کہ آپ نے کب چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھایا اور کب ہم نے اس کو جادو کہا اور اس کے قبول سے مونہہ پھیرا اور کیوں اپنے مرتے دم تک خاموشی اختیار کی اور مونہہ بند رکھا یاں تک کہ اس عالم سے گزر گئے کیا ان کی یہ خاموشی جوان کی مخالفانہ حالت اور جوش مقابلہ کے بالکل برخلاف تھی اس بات کا یقین نہیں دلاتے کہ کوئی ایسی سخت روک تھی جس کی وجہ سے کچھ بول نہیں سکتے تھے مگر بجز ظہور سچائی کے اور کون سی روک تھی یہ معجزہ مکہ میں ظہور میں آیا تھا اور مسلمان ابھی بہت کمزور اور غریب اور عاجز تھے پھر تعجب یہ کہ ان کے بیٹوں یا پوتوں نے بھی انکار میں کچھ زبان کشائی نہ کی حالانکہ ان پر واجب ولازم تھا کہ اتنا بڑا دعویٰ اگر افترا محض تھا اور صدہا کوسوں میں مشہور ہو گیا تھا اس کی ردّ میں

بقیہ حاشیہ ﴿۷۵﴾ مضمون مذکورہ بالا ستیارتھ پرکاش میں کسی جگہ نہیں۔ افسوس اس روز ناحق آپ نے ہمارے اوقات کو ضائع کیا اور اپنی علمی حیثیت کا پردہ پھاڑا اور آج آپ ہی جھوٹے نکلے۔ ہر کہ باصادقاں آویخت آبروئے خود ریخت۔

اب آپ سوچ لیں کہ آپ کے پنڈت صاحب ویدان نے کیسا ایک ناقص خیال خلاف عقل وخلاف تجارب طبعی وطبابت ظاہر کیا ہے تمام عقلا جانتے ہیں کہ روح کا تعلق صرف بچہ کی والدہ سے نہیں ہوتا بلکہ والد اور والدہ دونوں سے ہوتا ہے اور روحانی اخلاق کا افاضہ بچہ کے وجود پر والدین کی طرف سے ہوتا ہے نہ ان میں سے ایک کی طرف سے۔ ہاں اگر پنڈت صاحب یہ کسی بوٹی وغیرہ پر گرتی ہے جس کو مرد اور عورت دونوں کھا لیتے ہیں اور دونوں منیوں میں روح کا عرق مخلوط ہو جاتا ہے تب بھی کچھ بات تھی مگر اس جگہ یہ شبہ پیدا ہوگا کہ کیا رُوح آدھی آدھی ہو کر گرتی ہے اور اگر ایسا ہی ہے تو پھر دو ٹکڑے

﴿۷۶﴾ کتابیں لکھتے اور دنیا میں شائع اور مشہور کرتے اور جبکہ ان لاکھوں آدمیوں عیسائیوں، عربوں، یہودیوں، مجوسیوں وغیرہ میں سے ردّ لکھنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی اور جو لوگ مسلمان تھے وہ علانیہ ہزاروں آدمیوں کے روبرو چشم دید گواہی دیتے رہے جن کی شہادتیں آج تک اس زمانہ کی کتابوں میں مندرج پائی جاتی ہیں تو یہ صریح دلیل اس بات پر ہے کہ مخالفین ضرور شق القمر مشاہدہ کر چکے تھے اور ردّ لکھنے کے لئے کوئی بھی گنجائش باقی نہیں رہی تھی اور یہی بات تھی جس نے ان کو منکرانہ شور وغوغا سے چپ رکھا تھا سو جبکہ اسی زمانہ میں کروڑہا مخلوقات میں شق القمر کا معجزہ شیوع پا گیا مگر ان لوگوں نے خجلت زدہ ہو کر اس کے مقابلہ پر دم بھی نہ مارا تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس زمانہ کے مخالفین اسلام کا چپ رہنا شق القمر کے ثبوت کی دلیل ہے نہ کہ اس کے ابطال کی۔ کیونکہ اس بات کا جواب مخالفین اسلام کے پاس کوئی نہیں کہ جس دعویٰ کا رد انہیں ضرور لکھنا چاہئے تھا انہوں

بقیہ حاشیہ

﴿۷۶﴾ ہونے کے بعد اس کا پیوند کیونکر ہو جاتا ہے۔ غرض پنڈت صاحب اپنے اس باطل اعتقاد سے عجب حیص بیص میں اپنے پس ماندگوں کو پھنسا گئے ہیں اور وید کے فلسفہ کا عجیب ایک نمونہ دکھا گئے۔

اور ہم اس جگہ یہ بھی بیان کرنا چاہتے ہیں کہ پنڈت دیانند صاحب کا یہ اعتقاد کہ روح جسم ہے یہ بھی سراسر غلط اور فاسد ہے روح ہرگز جسم نہیں ہے جسم قسمت کو قبول کرتا ہے اور روح قابل انقسام نہیں اور اگر یہ کہو کہ وہ جز لایتجزی ہے یعنے پرمانو (پرکرتی) ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ کئی روحوں کو باہم جوڑ کر ایک بڑا جسم طیّار ہو جائے جس کو دیکھ سکیں اور ٹٹول سکیں کیونکہ جز لایتجزی جس کو آریہ لوگ پرکرتی یا پرمانو کہتے ہیں یہی خاصیّت رکھتی ہے جیسے پنڈت صاحب آپ ہی قائل ہیں کہ اجسام کثیف پرمانوں کے باہم ملنے سے طیّار ہوتے ہیں مگر کیا پنڈت صاحب کا کوئی شاگرد ایسا جسم ہم کو دکھا سکتا ہے جو دو چار ہزار یا دو چار لاکھ یا کسی اور اندازہ

﴿۷۷﴾ نے کیوں نہیں لکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی معمولی درویش یا گوشہ نشین نہیں تھے تا یہ عذر پیش کیا جائے کہ ایک فقیر صلح مشرب جس نے دوسرے مذاہب پر کچھ حملہ نہیں کیا چشم پوشی کے لائق تھا بلکہ آں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عام مخالفین کا جہنمی ہونا بیان کرتے تھے اس صورت میں مطلق طور پر جوش پیدا ہونے کے موجبات موجود تھے۔ ماسوا اس کے یہ بھی کچھ ضروری معلوم نہیں ہوتا کہ واقعہ شق القمر پر جو چند سیکنڈ سے کچھ زیادہ نہیں تھا ہر یک ولایت کے لوگ اطلاع پا جائیں کیونکہ مختلف ملکوں میں دن رات کا قدرتی تفاوت اور کسی جگہ مطلع ناصاف اور پُرغبار ہونا اور کسی جگہ ابر ہونا ایسا ہی کئی اور ایک موجبات عدم رویت ہوجاتے ہیں اور نیز بالطبع انسان کی طبیعت اور عادت اس کے برعکس واقع ہوئی ہے کہ ہر وقت آسمان کی طرف نظر لگائے رکھے بالخصوص رات کے

بقیہ حاشیہ ﴿۷۷﴾ پر روحوں کے باہم ملنے سے طیار ہوگیا ہو اور دیکھنے اور ٹٹولنے میں آسکتا ہو۔ سو یہ دیانند صاحب کا پوچ خیال ہے کہ روح بھی پرمانو ہی ہے۔

ماسوا اس کے ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ جز لا یتجزی دلائل عقلیہ اور ہندسیہ سے باطل ہے اور اس کے ابطال پر ایک آسان دلیل یہ ہے کہ اگر جز لایتجزی یعنے پرمانو (پرکرتی) کو دو چیزوں کے درمیان رکھا جائے تو ضرور ہے کہ وہ دونوں چیزیں اطراف مخالف سے اس کو مس کریں گی اور یہ امر تقسیم کو ثابت کرنے والا ہے۔

دوسرے یہ کہ نقطہ بھی جز لا یتجزی ہے اور بموجب اُصول موضوعہ علمِ ہندسہ کے ہم کو اختیار ہے کہ ایک نقطہ سے دوسرے نقطہ تک خط مستقیم کھینچ لیں مثلاً ہم مختار ہیں کہ نقاط ا اور ب میں ا۔۔۔۔ب ایک ایسا خط مستقیم کھینچ لیں جس کا کُل مجموعہ گیارہ نقطے ہوں پھر بعد اس کے ہم یہ بھی اختیار رکھتے ہیں کہ بموجب شکل دہم مقالہ اولیٰ تحریر اقلیدس اس خط محدود کی تنصیف کریں۔ سو ظاہر ہے

﴿۷۸﴾ وقت جو سونے اور آرام کرنے کا اور بعض موسموں میں اندر بیٹھنے کا وقت ہے ایسا التزام بہت بعید ہے۔

پھر ان سب باتوں کے بعد ہم یہ بھی لکھتے ہیں کہ شق القمر کے واقعہ پر ہندوؤں کی معتبر کتابوں میں بھی شہادت پائی جاتی ہے مہابھارتہ کے دھرم پرب میں بیاس جی صاحب لکھتے ہیں کہ ان کے زمانہ میں چاند دوٹکڑے ہوکر پھر مل گیا تھا۔ اور وہ اس شق قمر کو اپنے بے ثبوت خیال سے بسوامتر کا معجزہ قرار دیتے ہیں لیکن پنڈت دیانند صاحب کی شہادت اور یورپ کے محققوں کے بیان سے پایا جاتا ہے کہ مہابھارتہ وغیرہ پُران کچھ قدیم اور پرانے نہیں ہیں بلکہ بعض پُرانوں کی تالیف کو تو صرف آٹھ سو یا نو سو برس ہوا ہے۔ اب قرین قیاس ہے کہ مہابھارتہ یا اس کا واقعہ بعد مشاہدہ

بقیہ حاشیہ

﴿۷۸﴾ کہ اس خط کے دوٹکڑے برابر کرنے سے درمیانی نقطہ (جو پرمانو ہے) منقسم ہوجائے گا اور یہی مطلب تھا۔ ماسوا اس کے جو شخص علم نفس میں سے کچھ پڑھا ہوگا اور دلائل عدم تجسم روح اس نے دیکھے ہوں گے اس پر صاف کھل جائے گا کہ پنڈت دیانند نے اس اپنے اعتقاد میں ایسی ڈبل غلطی کھائی ہے جس سے ثابت ہوگیا ہے کہ وہ بالکل علم روح سے بیگانہ اور ناآشنا ہے۔ کیا روح میں جسمانی لوازم وخواص بھی پائے جاتے ہیں؟ کیا وہ اپنے تعلق بالبدن میں تعلق جسمانی سے مشابہ ہے کیا وہ اپنے دخول اور خروج میں اجسام کی طرز اور طریق پر ہے پس جس حالت میں نہ جسم کو روح سے کچھ مشابہت ہے اور نہ روح کو جسم سے کچھ مماثلت تو کس قدر بے سمجھی ہے کہ روح کو جسم تسلیم کیا جائے اور پھر غذا کی طرح عورتوں اور دیگر مادہ حیوانات کو کھلایا جائے۔ ہم حیران ہیں کہ یہ کس قسم کی باتیں وید میں درج ہیں اور کیوں لوگوں نے ان فاش غلطیوں کو قبول کرلیا ہے۔ افسوس افسوس افسوس۔ منہ۔

﴿۷۹﴾ واقعہ شق القمر جو معجزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھا لکھا گیا اور بسوامتر کا نام صرف بے جا طور کی تعریف پر جیسا کہ قدیم سے ہندوؤں کے اپنے بزرگوں کی نسبت عادت ہے درج کیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی شہرت ہندوؤں میں مؤلف تاریخ فرشتہ کے وقت میں بھی بہت کچھ پھیلی ہوئی تھی کیونکہ اس نے اپنی کتاب کے مقالہ یازدہم میں ہندوؤں سے یہ شہرت یافتہ نقل لے کر بیان کی ہے کہ شہر دہار کہ جو متصل دریائے پہنبل صوبہ مالوہ میں واقع ہے اب اس کو شاید دہارانگری کہتے ہیں وہاں کا راجہ اپنے محل کی چھت پر بیٹھا تھا ایکبارگی اس نے دیکھا کہ چاند دو ٹکڑے ہوگیا اور پھر مل گیا اور بعد تفتیش اس راجہ پر کھل گیا کہ یہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے تب وہ مسلمان ہوگیا۔ اس ملک کے لوگ اس کے اسلام کی وجہ یہی بیان کرتے تھے اور اس گردنواح کے ہندوؤں میں یہ ایک واقعہ مشہور تھا جس بنا پر ایک محقق مؤلف نے اپنی کتاب میں لکھا۔ بہرحال جب آریہ دیس کے راجوں تک یہ خبر شہرت پا چکی ہے اور آریہ صاحبوں کے مہابہارتہہ میں درج بھی ہوگئے اور پنڈت دیانند صاحب پُرانوں کے زمانہ کو داخل زمانہ نبوی سمجھتے ہیں اور قانون قدرت کی حقیقت بھی کھل چکی تو اگر اب بھی لالہ مرلیدھر صاحب کو شق القمر میں کچھ تامل باقی ہو تو ان کی سمجھ پر ہمیں بڑے بڑے افسوس رہیں گے۔

قولہ قرآن میں لکھا جانا تاریخی ثبوت نہیں ورنہ دنیا میں جس قدر جدے جدے مذاہب والے اپنے اپنے دیوتاؤں وغیرہ کی نسبت عجائبات بیان کرتے ہیں وہ سب سچے ہوجائیں گے۔

اقول اے ماسٹر صاحب افسوس کہ تعصب کے جوش نے آپ کی کہاں تک نوبت پہنچا دی کہ آپ کی نظر میں قرآنی واقعات عام لوگوں کے مزخرفات کے برابر ہوگئے۔ ایسی باتیں جن کو لوگ بے ٹھکانہ اور بے بنیاد اپنے دیوتاؤں وغیرہ کی نسبت سینکڑوں یا ہزاروں

﴿۸۰﴾ برسوں کے بعد بنا دیتے ہیں جو نہ ان دیوتاؤں کے زمانہ میں تحریر ہو کر شائع ہوتے ہیں اور نہ معزّز اور معتبر دیکھنے والوں تک ان کا سلسلہ متواتر اور معتبر طور پر پہنچتا ہے بلکہ سراسر وہ مخلوق پرستوں کے مفتریات ہوتے ہیں جن کے ساتھ کوئی روشن دلیل نہیں ہوتی۔ ایسی بے اصل اور بے ثبوت مفتریات کو قرآنی واقعات سے آپ تشبیہہ دیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ قرآن میں لکھا جانا تاریخی ثبوت نہیں تو پھر آپ ہی فرماویں کہ جس حالت میں ایسی کتاب کی تحریر تاریخی ثبوت نہیں ہوسکتی جو اپنے زمانہ کا ایک شہرت یافتہ واقعہ مخالفوں کی گواہی کے حوالہ سے بتلاتی ہے اور کتاب بھی ایک ایسے شخص کی کتاب ہے جو تمام دنیا میں عزّت اور مرتبت کے ساتھ مشہور ہے تو پھر تاریخی ثبوت کسے کہتے ہیں۔ کیا تاریخوں کے تمام مجموعہ میں اس سے عمدہ تر کوئی ثبوت مل سکتا ہے کہ کوئی واقعہ ہم ایسی کتاب میں لکھا ہوا پاویں جو اسی زمانہ کا واقعہ ہو جس زمانہ کی وہ کتاب ہے اور اسی مصنف نے اس کو لکھا ہو جس نے اس کو دیکھا بھی ہو اور وہ مؤلّف کتاب بھی اپنی شہرت اور عزّت میں سرآمد روزگار ہو اور پھر باوجود ان سب باتوں کے مصنّف نے مخالفوں کو بطور گواہِ واقعہ قرار دیا ہو۔ اور پھر وہ کتاب بھی ایسی محفوظ چلی آتی ہو کہ اسی زمانہ میں اکثر حصہ دنیا میں شہرت پا گئی ہو اور ہزارہا حافظ اس کی ابتدا سے ہوتے آئے ہوں یاں تک کہ لاکھوں حافظوں تک نوبت پہنچ گئی ہو اور اسی زمانہ کے اس کے قلمی نسخے اور بعض تفسیریں بھی موجود ہوں اور بے شمار بندگان خدا ابتدا سے اس کو اپنی پنجگانہ نمازوں میں پڑھتے اور تلاوت کرتے اور نیز پڑھاتے چلے آئے ہوں اگر کوئی تاریخی کتاب ان سب صفتوں کی جامع دنیا بھر میں بجز قرآن شریف کے آپ کی نظر میں گزری ہے تو آپ اس کو پیش کریں اور اگر پیش نہ کرسکیں تو آپ کی سزا وہی دردِ خجالت اور انفعال کافی ہے جو لاجواب رہنے کی حالت میں آپ کے عائد حال ہوگی۔ آپ کو خبر نہیں کہ دنیا میں جس قدر بڑے بڑے مخالف باعلم عیسائی

﴿۸۱﴾ یہودی مجوسی وغیرہ ہیں وہ قرآنی شہادتوں سے یعنی ان واقعات سے جو قرآن شریف نے اپنے زمانہ کے متعلق لکھے ہیں انکار نہیں کر سکتے ہاں تعصب کی راہ سے بعض آیات کے معنے اور طور پر کر لیتے ہیں مثلاً شق القمر میں وہ آپ کی طرح یہ نہیں کہتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ امر خلاف واقعہ قرآن شریف میں لکھ دیا ہے۔ چنانچہ اس بات کی تو آپ بھی شہادت دے سکتے ہیں کہ آپ نے تمام عمر میں کوئی ایسی کتاب کسی فاضل انگریز یا یہودی کی نہیں دیکھی ہوگی جس میں انہوں نے آپ کی طرح یہ رائے ظاہر کی ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جھوٹا دعویٰ شق القمر کا قرآن میں لکھ دیا ہے کیونکہ جو فاضل قسیس اور باخبر انگریز ہیں وہ لوگ بباعث اپنی عام اور وسیع واقفیت کے خوب جانتے ہیں کہ جس طور اور التزام سے قرآن شریف نے اشاعت پائی ہے اور جس تشدّد سے مخالفوں اور موافقوں کی نگرانی اس کی آیت آیت پر رہی ہے اور جس سُرعت اور جلدی سے اس کے ہر یک مضمون کی تبلیغ لاکھوں آدمیوں کو ہوتی رہی ہے اور جس قلیل عرصہ میں جو بعد زمانۂ نبوی تیس برس سے بھی کم تھا وہ دنیا کے اکثر حصوں میں شہرت پا گیا ہے وہ ایسا طور اور طریق چاروں طرف سے محفوظ ہے کہ اس میں یہ گنجائش ہی نہیں کہ کوئی جھوٹا معجزہ یا کوئی جھوٹی پیش گوئی افترا کر کے قرآن شریف میں درج ہو سکتی جس کے افترا پر عیسائیوں یہودیوں عربوں مجوسیوں میں سے کسی کو بھی اطلاع نہ ہوتی۔ اسی وجہ سے اگرچہ آج تک صدہا فاضل انگریزوں نے بوجہ شدت عناد بہت کچھ مخالفانہ حملے اپنی کتابوں اور تفسیروں میں قرآن شریف پر کرنے چاہے ہیں جن میں وہ باطل پر ہونے کی وجہ سے کامیاب نہیں ہو سکے مگر یہ رائے جو آپ نے بیان کی آج تک ان میں سے کسی نے بھی نہیں کی۔ سو آپ کا ایسی کتاب کو مؤرخانہ وقعت سے باہر سمجھنا اور جوہر صافی اور خس و خاشاک برابر خیال کر لینا اور صاف صاف فرق دیکھ کر اپنی آنکھ پر پردہ ڈال لینا صرف نظر کا گھاٹا

﴿۸۲﴾ ہے وبس۔

قولہ ۔اگر خلاف قانون قدرت پر اس وجہ سے یقین کیا جائے کہ پرمیشر سرب شکتی مان ہے تو پھر دنیا میں ہم کسی بات کو بھی جھوٹ نہیں کہہ سکتے اور فریبی اور دغاباز لوگ روز بروز بہکا سکتے ہیں۔

اقول اے صاحب میں نے آپ کو کب اور کس وقت کہا ہے کہ بے ثبوت اور تحقیق ہر یک بات کو مان لیا کرو۔ میں تو آپ کو کھلا کھلا ثبوت دے رہا ہوں اور خود میرا یہی اصول ہے کہ بے تحقیق کسی تاریخی واقعہ کو نہیں ماننا چاہئے لیکن میں ساتھ اس کے آپ کو یہ بھی کہتا ہوں کہ اگر حقیقی دانائی سے کچھ بہرہ حاصل کرنے کا شوق ہے تو چندنا کارہ اور محدود تجارب کا نام قانون قدرت مت رکھو اور کنوئیں کے مینڈک کی طرح دنیا میں اسی قدر پانی مت سمجھو جو آپ کی نظر کے سامنے ہے۔ایک تو آپ کے مذہب میں پہلے ہی سے یہ خرابی ہے کہ آپ لوگ اپنے تئیں واجب الوجود اور قدیم ہونے میں پرمیشر کے بھائی بند خیال کر رہے ہیں پھر اگر یہ دوسرا اعتقاد فاسد بھی اس کے ساتھ مل گیا کہ پرمیشر کی طاقتیں اور قدرتیں بھی آپ کے معلومات سے زیادہ نہیں تو اس صورت میں آپ صرف بھائی بند نہ رہے بلکہ پرمیشر کے بزرگ بھی ٹھہر گئے کیونکہ بزرگوں اور باپوں کو یہ کہنا بنتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی نسبت یہ دعویٰ کریں کہ ان کے معلومات ہمارے معلومات سے زیادہ نہیں۔

قولہ باقی سوالات جو مرزا صاحب نے اس غرض سے کئے ہیں کہ پہلے انسان اپنے گھر کو سوچ لے اگر اپنے میں نقص ہو تو دوسرے سے سوال نہ کرے تمام جہان کے نزدیک یہ مسئلہ غلط ہے۔

اقول ماسٹر صاحب آپ تمام جہان کو کیوں ناحق بدنام کرتے ہیں اپنے خیالات عجیبہ سے غرض رکھیں۔ اس بات کو کون نہیں جانتا کہ بحث مباحثہ اظہار حق کی غرض سے

﴿۸۳﴾ ہونا چاہئے یعنے اس نیت سے کہ اگر حق ظاہر ہو تو اسے قبول کرلیں مگر وہ شخص جو ایک بات کو اپنے لئے تو جائز رکھتا ہے لیکن اگر فریق مخالف کے کسی امر مسلم میں اس کے ہزار جز میں سے ایک جز بھی پائی جائے اور کیسی یہ خوبی سے پائی جائے تب بھی اس کو قبول نہیں کرتا ایسے شخص کی نیت ہرگز بخیر نہیں ہوتی اور جو وقت اس کے ساتھ بحث میں خرچ ہو وہ ناحق ضائع جاتا ہے پس کیا یہ بُری بات ہے کہ ایسے شخص کو سمجھایا جائے کہ بھائی جبکہ تو خود آپ ہی ایسی باتوں کو مانتا ہے کہ نہ صرف بالاتر از عقل بلکہ خلاف عقل بھی ہیں تو جو امور عقلِ محدود انسانی سے بالاتر ہیں اور ان کا ثبوت بھی تجھے دیا جاتا ہے۔ ان کے ماننے میں تجھے کیوں تامل ہے بلکہ تمام تر دینداری و پرہیزگاری تو اس میں ہے کہ اگر انسان ایک بات کو اپنی رائے میں صحیح سمجھتا ہے تو اسی نوع کی بات میں اپنے مخالف کے ساتھ منکرانہ جھگڑا نہ لے بیٹھے کہ یہ اوباشانہ طریق ہے جس میں فریقین کی تضیع اوقات ہے پھر پر ظاہر ہے کہ ایسا جھگڑا کس قدر برا اور خلاف طریق انصاف ہوگا کہ ایسی بات سے انکار کیا جائے کہ جو اپنے مسلّمات سے صدہا درجہ صاف اور پاک اور قدرت الٰہی میں داخل اور تاریخی طور پر ثبوت بھی اپنے ساتھ رکھتی ہو۔ بے شک ایسا نکما جھگڑا کرنے والا اپنا اور اپنے مخالف کا وقت عزیز کھونا چاہتا ہے جس کو الزامی جواب سے متنبہ کرنا اپنے حفظِ اوقات کے لئے فرض طریق مناظرہ ہے اور نیز چونکہ دنیا میں مختلف طبیعتوں کے آدمی ہیں بعض لوگ جو نادر الوجود ہیں وہ تحقیقی بات سن کر اپنی ضد چھوڑ دیتے ہیں اور اکثر عوام جو تحقیقی جواب سمجھنے کا مادہ ہی نہیں رکھتے یا بعض ان میں سے کچھ مادہ تو رکھتے ہیں مگر چاند پر خاک ڈالنا چاہتے ہیں اس لئے ان کا مونہہ الزامی جوابوں سے بند ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ الزامی طور پر چند مسلّمات آپ کے آپ کو سنائے گئے ورنہ اصل مدار جواب کا تو تحقیق پر ہی ہے۔ بالآخر یہ بھی واضح رہے کہ ہر چند ویدوں میں بہت سی بے بنیاد کہانیاں بطور معجزات گزشتہ دیوتاؤں کے لکھے ہیں مثلاً رگوید اشتک اول میں لکھا ہے کہ اسونوں (دیوتاؤں) نے

﴿۸۴﴾ کسی نامعلوم زمانہ میں ایک لولی کو لوہے کی ٹانگیں دے دی تھیں اور بانجھ کو دودھیلا کر دیا تھا اور ایک اندھے کو سوجا کھا بنا دیا تھا اور ایک شخص جس کا سر کٹ گیا تھا بجائے اس سر کے گھوڑے کا سر اس پر لگا دیا تھا اور سیاوارشی کو جس کے تین ٹکڑے ہو گئے تھے از سر نو زندہ کر دیا تھا وغیرہ وغیرہ مگر ہم نے الزامی جوابوں میں ان کہانیوں کو پیش نہیں کیا کیونکہ گو ان بے اصل قصوں کو جن کا حوالہ کسی ایسے بے نشان زمانہ پر دیا گیا ہے جو وید کے وجود سے پہلے گزر چکا ہے تمام پُرانوں والے تو مانتے ہیں مگر حال کے چند آریہ سماج والے ان مقامات وید میں بڑی جان کنی سے بے سروپا و پُر تکلّف تاویلیں کرتے ہیں۔

تـتـمـه

آریوں کا اصول تناسخ قانونِ قدرت کے اصول سے منافی ہے

اے حضرات آریہ صاحبان اگر تمام جہان قانون قدرت کا قائل ہو جائے پھر بھی آپ لوگوں کو قائل ہونے کی کوئی سبیل نہیں کیونکہ قانون قدرت کے ماننے سے سب تار و پود آپ کے مذہب کا ٹوٹ جاتا ہے۔ آپ لوگ تو تصرفات قدرتیہ جناب الٰہی کے قائل ہی نہیں اور نہ قائل ہو سکتے ہیں اور قانون قدرت کو ماننا تو آپ کا مذہب ہی نہیں اور نہ ہو سکتا ہے۔ وجہ یہ کہ آپ کا مسئلہ تناسخ تب قائم رہ سکتا ہے کہ جب خدائے تعالیٰ کو اس کے مختارانہ کاموں اور ارادی قدرتوں سے اور اختیاری تصرّفات سے اور ذاتی طاقتوں اور ذاتی قوتوں سے ازل سے ابد تک معطّل اور بیکار اور عاجز اور لاچار سمجھا جائے پس اس سے ظاہر ہے کہ آپ لوگوں کا اواگون خدائے تعالیٰ کے قانون قدرت کا ضد پڑا ہوا ہے اور ضد بھی ایسی ضد کہ ایک کے ماننے سے دوسرا قائم نہیں رہ سکتا کیونکہ اگر خدائے تعالیٰ کے قادرانہ تصرفات کو تسلیم کیا جائے اور یہ مان لیا جائے کہ اس نے تمام اجرام علوی اور اجسام سفلی کو اپنی قدرت ربوبیت سے

﴿۸۵﴾ پیدا کر کے اجزائے عالم کو باہم انضباط بخشا ہے اور محض اپنی قدرت کاملہ سے اور خاص اپنے ہی ارادہ اور مشیت سے تمام چیزوں مادی وغیر مادی کو ایک پرحکمت سلسلہ انتظام میں خود اپنی حکیمانہ مصلحت سے منسلک کیا ہے تو یہی مان لینا جس کا نام دوسرے لفظوں میں قانون قدرت ہے آپ کے اصول تناسخ کی بیخ کنی کرتا ہے وجہ یہ کہ آپ کا مسئلہ تناسخ اس بنا پر کھڑا کیا ہے کہ یہ ترتیب عالم جو بالفعل موجود ہے پرمیشر کے ارادہ اور قدرت سے نہیں اور نہ اس کی حکمت اور مصلحت سے بلکہ گنہگاروں کے گناہ نے یہ مختلف صورتوں کی چیزیں پیدا کردی ہیں جس میں پرمیشر کا ذرا دخل نہیں مثلاً گائے جو دودھ دیتی ہے۔ یا گھوڑا جو سواری کے کام آتا ہے یا گدھا جو بوجھ اٹھاتا ہے۔ یا زمین جس پر ہم آباد ہیں۔ یا چاند اور سورج جو دو چمکتے ہوئے چراغ اپنی مختلف قوتوں اور خاصیتوں سے انواع اقسام کے فوائد دنیا کو پہنچاتے ہیں☆ یا گیہوں اور چنے اور چانول وغیرہ ماکولات جن کو ہم کھاتے ہیں

☆**حاشیہ** ﴿۸۵﴾ شائد کسی ناواقف آریہ کو اس جگہ دھوکا لگے کہ آریہ سماج والے اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ روح بطور تناسخ چاند یا سورج یا زمین وغیرہ سے بھی تعلق پکڑ لیتی ہے بلکہ وہ ان چیزوں کو جڑ یا بے جان سمجھتے ہیں تو اس کے جواب میں ماننا چاہئے کہ اول تو آریوں کا ایسا خیال کرنا کہ سورج و چاند و زمین و اگنی و وایو وغیرہ یہ سب بے روح چیزیں ہیں جن میں جان نہیں ہے سراسر غلط اور وید کی تعلیم سے بھی منافی ہے کیونکہ وید کے صدہا مقامات سے ثابت ہے کہ سورج چاند اور اگنی وغیرہ ارکان اولیہ عالم کے لئے ایک ایک روح ہے ان روحوں کے یونانی و مجوسی بھی قائل ہیں ایسا ہی دنیا کے تمام تناسخیہ فرقے ان ارواح کو مانتے ہیں۔ بلکہ ان کا بیان ہے کہ جب انسانی روح سورج و چاند و ستاروں وغیرہ سے تعلق پکڑتی ہے تو پھر وہ دیوتا بن کر قابل پرستش ہو جاتی ہے اسی وجہ سے تو قدیم سے

﴿۸۶﴾ یہ سب بقول آپ کے حقیقت میں انسانی روحیں ہیں جو کسی جنم گزشتہ کی شامت سے بطور تناسخ یہ صورتیں اختیار کر لی ہیں اور یہ سارا مجمع مختلف چیزوں کا جو زمین و آسمان میں نظر آتا ہے یہ سب حسب اصول آپ لوگوں کے اتفاقی ہے جس میں پرمیشر کے ارادہ اور قدرت کا سرمو دخل نہیں اور نہ اس کو ان چیزوں کے زیادہ یا کم کرنے یا موجود یا معدوم کرنے میں ایک ذرا اختیار ہے اور آپ لوگوں کے خیال میں یہ جما ہوا ہے کہ اگر انسانی روحیں مرتکب گناہوں کے نہ ہوتیں تو یہ چندیں ہزار عالم مخلوقات جو نظر آ رہا ہے ان میں سے ایک بھی نہ ہوتا۔ گویا ہر یک آرام دنیا کا بزعم آپ لوگوں کے بدکاریوں سے ہی میسر آتا ہے اور تمام دنیوی نعمتوں کے حاصل ہونے کا اصل موجب بدکاریاں ہی ہیں۔ کوئی شخص گناہ کر کے گائے کے جنم میں آئے تو آپ دودھ پئیں اور پھر کسی بدکاری سے گھوڑی کا جنم لے تو آپ کو سواری میسر ہو۔ اور پھر کسی معصیت سے گدھی یا خچر یا اونٹ کی جون میں

بقیہ حاشیہ

﴿۸۶﴾ ہندو لوگ سورج و آگ وغیرہ کی پرستش کرتے آئے ہیں اور اب بھی ان میں سے بہت سا گروہ اس پرستش پر قائم ہے یونانی بھی ان چیزوں کی پرستش کرتے رہے ہیں اور ان کا نام وہ ارباب الانواع رکھتے ہیں گبروں کا آتش پرستی کرنا تو سب سے بڑھ کر ہے۔

اگر صد سال گبر آتش فروزد چو یکدم اندراں افتد بسوزد

ماسوا اس کے یہ بات نہایت ظاہر ہے کہ ہر یک جسم میں جتنے ذرّات ہیں اسی قدر روحوں کا اس سے تعلق ہے اگر ایک قطرہ پانی کو خوردبین سے دیکھا جائے تو ہزاروں کیڑے اس میں نظر آتے ہیں ویسا ہی پھلوں میں اور بوٹیوں میں اور ہوا میں بھی کیڑے مشہود و محسوس ہیں۔ بہرحال ہر یک جسم دار چیز کیڑوں سے بھری ہوئی ہے مگر کبھی وہ کیڑے مخفی ہوتے ہیں یا یوں کہو کہ بالقوہ پائے جاتے ہیں اور کبھی ممکن قوت سے حیّز فعل میں آ جاتے ہیں مثلاً جس اناج کو دیکھو تو بظاہر ایسا معلوم ہوگا کہ اس میں کوئی کیڑا

﴿۸۷﴾ پڑے تو آپ کی بار برداری کا کام چلے پھر اگر کوئی ایسا بڑا کام کرے جس کی سزا میں اس کو عورت کی جون میں ڈالا جائے تو آپ لوگوں کو جورونصیب ہو۔ اور اگر کوئی ایک شخص کسی شامت گناہ سے مرے تب وہی روح اس کی بیٹا یا بیٹی بن کر آپ کو صاحب اولاد بنائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بموجب اصول آپ کے تمام سلسلہ خدائی کا گناہوں کے طفیل ہی چل رہا ہے۔ اور اگر گناہ ظہور میں نہ آتے تو پرمیشر تو کچھ چیز ہی نہیں تھا اور اس کی قدرتیں اور حکمتیں سب ہیچ اور بے حقیقت تھیں۔ پس آپ کو تو قانون قدرت کا نام ہی نہیں لینا چاہئے کیونکہ قانون قدرت کا تو یہ ضروری تقاضا ہے کہ تمام اجزائے عالم بحکم اس واضح قانون کے روزِ ازل سے باہم انضباط یافتہ ہیں یہ نہیں کہ کسی اتفاقی شامت سے یہ ہزاروں قسم کی مخلوقات پیدا ہوگئی ہے اور اگر وہ بلا اتفاق نہ ہوتا تو پیدا ہونے سے رہ جاتے اور پرمیشر کو کیسا ہی ان چیزوں کے پیدا کرنے کے لئے ارادہ کرتا مگر کچھ بھی نہ ہوسکتا۔ غرض جب آپ کا ایمان

بقیہ حاشیہ

﴿۸۷﴾ نہیں اور پھر خود بخود اس کے اندر میں ہی سے کچھ تغیر پیدا ہو کر اس قدر کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں کہ گویا وہ سب جسم کیڑے ہی کیڑے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ ارواح کو اجسام سے ایک لازمی اور دائمی تعلق پڑا ہوا ہے اب جو شخص تناسخ یعنے اواگون کا قائل ہے ضرور اس کو کہنا پڑے گا کہ اجسام نباتی و معدنی و حیوانی و اجرام علوی کا ایک ایک ذرّہ کسی وقت انسان کا روح تھا کیونکہ جیسا کہ تجربہ ثابت کر رہا ہے۔ ایک ایک ذرّہ جسم سے ایک ایک روح تعلق رکھتا ہے اور اجرام علوی میں روحوں کا ہونا شائد ناواقفوں کی نظر میں تعجب کا محل ہوگا لیکن حال کے فلسفیوں کی تحقیقاتوں نے کھول دیا ہے کہ کرۂ شمس وقمر وغیرہ جانداروں کی آبادی سے خالی نہیں چنانچہ پنڈت دیانند اور اس کے پیرو بھی اس بات کے قائل ہیں سو یہ بات تو ہر یک کو معلوم ہے کہ جس کرہ میں کوئی جاندار چیز ہو وہ اسی کرہ کے مادّہ

﴿۸۸﴾ اور دھرم آپ کو ایسی ایسی تعلیمیں دے رہا ہے تو پھر اس جگہ پرمیشر کی قدرتوں کا کیا ذکر اور قانونِ قدرت کے نام لینے کا کونسا محل ہے کیونکہ قدرت یا قانونِ قدرت تو اسے کہتے ہیں کہ اول اس مالک کی خالقانہ طاقتوں اور قادرانہ تصرّفات اور مختارانہ کاموں کو تسلیم کر کے پھر اس سلسلہ ظہور طاقتوں کو قانون قدرت سے مُلقّب کیا جائے مگر اس جگہ تو وہ بات ہی نہیں رہی اور پرمیشر صرف نام کا پرمیشر رہ گیا ہے جس کو ایک ذرّہ کے پیدا کرنے کی بھی طاقت نہیں ہاں روحوں پر کسی مخفی وجہ کے سبب سے اس کو تسلط ہو گیا ہے شائد کسی اگلے جنم میں اس نے بہت اچھے کرم کئے ہوں گے جس سے وہ اس حکمرانی کے لائق ٹھہر گیا۔ غرض جب پرمیشر میں قدرت کا نشان نہیں مختارانہ تصرّفات کی طاقت نہیں قادرانہ کاموں کی ہمت نہیں۔ ترتیب دنیا میں اس کو کچھ دخل ہی نہیں تو پھر ظاہر ہے کہ وہ اس لائق بھی نہیں کہ اس کا کوئی قانونِ قدرت ہو بلکہ وہی مثل صادق آئے گی کہ

﴿۸۸﴾ **بقیہ حاشیہ** سے پیدا ہوتی ہے جیسے کرۂ زمین میں جو کچھ ہے وہ زمین سے ہی پیدا ہوا ہے اور پیدا ہوتا ہے پس جبکہ اجرام علوی میں جانداروں کا ہونا ثابت ہے جس کو آریہ لوگ بھی تسلیم کرتے ہیں تو اس سے ظاہر ہے کہ وہ تمام جاندار سورج و چاند وغیرہ اجرام سے بھی پیدا ہوئے ہوں گے اور اس پیدائش سے یہ ثابت ہو گیا کہ اجسام سفلی کی طرح اجرام علوی بھی کئی طور پر روحوں کی کانیں ہیں پس اس سے تناسخ والوں کو ماننا پڑا کہ کسی زمانہ میں سورج چاند وغیرہ اجرام انسانی روحیں تھیں اور پھر وہ کسی عمل کے نیک یا بد اثر سے سورج چاند وغیرہ اجرام بن گئے اور یہ اعتقاد جس قدر قانون قدرت اور عقل کا دشمن ہے اس کے بیان کرنے کی بھی حاجت نہیں۔ فتدبر۔

منہ

﴿۸۹﴾ جامہ ندارم دامن از کجا آرام۔ ہاں اپنے ہی گناہوں کا آپ کو شکر گزار ہونا چاہئے جنہوں نے آپ کو گوؤں کا دودھ پلایا۔ گھوڑوں پر چڑھایا۔ غرض سب آپ کا کام بنایا اور سب کچھ کیا اور کرایا۔ حقیقت میں اس مسئلہ تناسخ نے آپ کو بہت کچھ فائدہ پہنچایا۔ اگر اس سے کچھ نقصان پہنچا تو بس یہی کہ ایک تو پرمیشر ہاتھ سے گیا اور دوسرا حلال حرام کا کچھ ٹھکانا نہ رہا۔ خیر پرمیشر کا تو آپ کو کیا افسوس ہوگا گزارہ تو چلا ہی جاتا ہے۔ مگر جو حلال حرام میں گڑبڑ پڑ گیا یہ خرابی ایک دنیادار غیرت مند کی نظر میں بھی جس کو ایک ذرہ ننگ و ناموس کا پاس ہو قابل برداشت نہیں کیونکہ اگر مسئلہ تناسخ صحیح ہے تو اس کے رو سے ممکن ہے کہ کسی شخص کی والدہ یا دختر یا حقیقی بہن یا دادی یا نانی مرنے کے بعد کسی عورت کی جون میں پڑ کر پھر اسی شخص کے نکاح میں آ جائے جس کی ماں یا لڑکی ہے اور دنیا جو ایک ظلمت گاہ اور بے تمیزی کی جگہ ہے اس میں کون آ کر خبر دے سکتا ہے کہ اے بھلے مانس اس سے شادی مت کر یہ تو تیری ماں یا بہن یا دادی یا نانی ہے۔ سوسوچ کر دیکھ لینا چاہئے کہ اس اوا گون کے مسئلہ نے صرف آپ کے پرمیشر کی عزت پر ہی ہاتھ نہ ڈالا بلکہ ایسے ایسے ضرر بھی اس میں موجود ہیں اور بلاشبہ جو شخص اس مسئلہ تناسخ کو روا اور جائز سمجھتا ہے اس کو اس کے بدنتائج بھی روا اور جائز کہنے پڑیں گے۔ مگر ہائے افسوس جو لوگ دنیا کے پرستار ہیں اور قومی تعصبوں کی زنجیر میں گرفتار وہ اپنے بدعقیدوں کو کسی ڈھب چھوڑنا نہیں چاہتے۔ قوم کا رعب ان کے دلوں پر ایسا غالب ہے کہ جو مخلوق پرستی کی حد تک پہنچ گیا ہے خدائے تعالیٰ کا ان کے دلوں میں اتنا بھی قدر نہیں جو ایک بوڑھی عورت کو اپنے گھر کی سوئی کا ہوتا ہے۔

دنیا کی حرص و آز میں کیا کچھ نہ کرتے ہیں نقصاں جو ایک پیسہ کا دیکھیں تو مرتے ہیں
زر سے پیار کرتے ہیں اور دل لگاتے ہیں ہوتے ہیں زر کے ایسے کہ بس مر ہی جاتے ہیں
جب اپنے دلبروں کو نہ جلدی سے پاتے ہیں کیا کیا نہ ان کے ہجر میں آنسو بہاتے ہیں
پر ان کو اس سجن کی طرف کچھ نظر نہیں آنکھیں نہیں ہیں کان نہیں دل میں ڈر نہیں

﴿۹۰﴾

اُن کے طریق و دھرم میں گو لاکھ ہو فساد — کیسا ہی ہو عیاں کہ وہ ہے جھوٹ اعتقاد
پر تب بھی مانتے ہیں اسی کو بہر سبب — کیا حال کر دیا ہے تعصب نے ہے غضب
دل میں مگر یہی ہے کہ مرنا نہیں کبھی — ترک اس عیال و قوم کو کرنا نہیں کبھی
اے غافلاں و فانکند ایں سرائے خام — دنیائے دوں نماند و نماند بکس مدام

تَمّت المباحثه الاُولٰی

وللّٰه الحمد فی الاولیٰ والاخریٰ

﴿۹۱﴾

مباحثہ ثانیہ

منعقدہ ۱۴؍مارچ ۱۸۸۶ء

اعتراض از طرف مؤلّفِ رسالہ ہذا

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

آریہ صاحبوں کا اعتقاد ہے کہ پرمیشر نے کوئی روح پیدا نہیں کی بلکہ کل ارواح انادی اور قدیم اور غیر مخلوق ہیں ایسا ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مکتی یعنے نجات ہمیشہ کے لئے انسان کو نہیں مل سکتی بلکہ ایک مدّت مقررہ تک مکتی خانہ میں رکھ کر پھر اس سے باہر نکالا جاتا ہے۔ اب ہمارا اعتراض یہ ہے کہ یہ دونوں اعتقاد ایسے ہیں کہ ایک کے قائم ہونے سے تو خدائے تعالیٰ کی توحید بلکہ اس کی خدائی ہی دور ہوتی ہے اور دوسرا اعتقاد ایسا ہے کہ بندۂ وفادار پر ناحق کی سختی ہوتی ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اگر تمام ارواح کو اور ایسا ہی اجزاء صغار اجسام کو قدیم اور انادی مانا جائے تو اس میں کئی قباحتیں ہیں منجملہ ان کے ایک تو یہ کہ اس صورت میں خدائے تعالیٰ کے وجود پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوسکتی کیونکہ جس حالت میں بقول آریہ صاحبان ارواح یعنے جیو خود بخود موجود ہیں اور ایسا ہی اجزاء صغار اجسام بھی خود بخود ہیں تو پھر صرف جوڑنے جاڑنے کے لئے ضرورت صانع کی ثابت نہیں ہوسکتی بلکہ ایک دہریہ جو خدائے تعالیٰ کا منکر ہے عذر پیش کرسکتا ہے کہ جس حالت میں تم نے کل چیزوں کا وجود خود بخود بغیر ایجاد پرمیشر کے آپ ہی مان لیا ہے تو پھر اس بات پر کیا دلیل ہے کہ ان چیزوں کے باہم جوڑنے جاڑنے کے لئے پرمیشر کی حاجت ہے؟ دوسری یہ قباحت کہ

﴿۹۲﴾ ایسا اعتقاد خود خدائے تعالیٰ کو اس کی خدائی سے جواب دے رہا ہے کیونکہ جو لوگ علم نفس اور خواص ارواح سے واقف ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں کہ جس قدر ارواح میں عجائب وغرائب خواص بھرے ہوئے ہیں وہ صرف جوڑنے جاڑنے سے پیدا نہیں ہو سکتے مثلاً روحوں میں ایک قوت کشفی ہے جس سے وہ پوشیدہ باتوں کو بعد مجاہدات دریافت کر سکتے ہیں اور ایک قوت ان میں عقلی ہے جس سے وہ امور عقلیہ کو معلوم کر سکتے ہیں۔ ایسا ہی ایک قوت محبت بھی ان میں پائی جاتی ہے جس سے وہ خدائے تعالیٰ کی طرف جھکتے ہیں اگر ان تمام قوتوں کو خود بخود بغیر ایجاد کسی موجد کی مان لیا جائے تو پرمیشر کی اس میں بڑی ہتک عزّت ہے گویا یہ کہنا پڑے گا کہ جو عمدہ اور اعلیٰ کام تھا وہ تو خود بخود ہے اور جو ادنیٰ اور ناقص کام تھا وہ پرمیشر کے ہاتھ سے ہوا ہے اور اس بات کا اقرار کرنا ہوگا کہ جو خود بخود عجائب حکمتیں پائی جاتی ہیں وہ پرمیشر کے کاموں سے کہیں بڑھ کر ہیں ایسا کہ پرمیشر بھی ان سے حیران ہے غرض اس اعتقاد سے آریہ صاحبوں کے خدا کی خدائی پر بڑا صدمہ پہنچے گا یاں تک کہ اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہوگا اور اس کے وجود پر کوئی عقلی دلیل قائم نہ ہو سکے گی اور نیز وہ مبدء کل فیوض کا نہیں ہو سکے گا بلکہ اس کا صرف ایک ناقص کام ہوگا اور جو اعلیٰ درجہ کے عجائب کام ہیں ان کی نسبت یہی کہنا پڑے گا کہ وہ سب خود بخود ہیں لیکن ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اگر فی الحقیقت ایسا ہی ہے تو اس سے اگر فرضی طور پر پرمیشر کا وجود مان بھی لیا جائے تب بھی وہ نہایت ضعیف اور نکما سا وجود ہوگا جس کا عدم وجود مساوی ہوگا یاں تک کہ اگر اس کا مرنا بھی فرض کیا جائے تو روحوں کا کچھ بھی حرج نہ ہوگا اور وہ اس لائق ہرگز نہیں ہوگا کہ کوئی روح اس کی بندگی کرنے کے لئے مجبور کی جائے کیونکہ ہر یک روح اس کو جواب دے سکتی ہے کہ جس حالت میں تم نے مجھے پیدا ہی نہیں کیا اور نہ میری طاقتوں اور قوتوں اور استعدادوں کو تم نے بنایا تو پھر آپ کس استحقاق سے مجھ سے اپنی پرستش چاہتے ہیں اور نیز جبکہ پرمیشر روحوں کا خالق ہی نہیں تو ان پر محیط بھی نہیں ہو سکتا۔ اور جب احاطہ نہ ہو سکا تو پرمیشر اور روحوں

﴿۹۳﴾ میں حجاب ہو گیا اور جب حجاب ہوا تو پرمیشر سرب گیانی نہ ہو سکا یعنے علم غیب پر قادر نہ ہوا۔ اور جب قادر نہ رہا تو اس کی سب خدائی درہم برہم ہوگئی تو گویا پرمیشر ہی ہاتھ سے گیا اور یہ بات ظاہر ہے کہ علم کامل کسی شے کا اس کے بنانے پر قادر کر دیتا ہے اس لئے حکماء کا مقولہ ہے کہ جب علم اپنے کمال تک پہنچ جائے تو وہ عین عمل ہو جاتا ہے اس حالت میں بالطبع سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا پرمیشر کو روحوں کی کیفیت اور کُنہ کا پورا پورا علم بھی ہے یا نہیں اگر اس کو پورا پورا علم ہے تو پھر کیا وجہ کہ باوجود پورا پورا علم ہونے کے پھر ایسی ہی روح بنا نہیں سکتا سو اس سوال پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف یہی نہیں کہ پرمیشر روحوں کے پیدا کرنے پر قادر نہیں بلکہ ان کی نسبت پورا پورا علم بھی نہیں رکھتا۔ دوسرا ٹکڑہ ہمارے سوال کا حق العباد سے متعلق ہے یعنے یہ کہ آریہ صاحبان کے اعتقاد مذکورہ بالا کے رو سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پرمیشر اپنے بندوں سے بھی ناحق کا ایک بخل رکھتا ہے کیونکہ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ مکتی اور نجات کی اصل حقیقت یہی ہے کہ انسان ماسوائے اللہ کے محبت سے مونہہ پھیر کر پرمیشر کی محبت میں ایسا محو ہو جائے کہ جس طرح عاشق اپنے محبوب کے دیکھنے سے لذّت اٹھاتا ہے ایسا ہی اپنے محبوب حقیقی کے تصوّر سے لذّت اٹھائے اور محبت بجز معرفت حاصل نہیں ہو سکتی اور قاعدہ کی بات ہے کہ موجب محبت کے دو ہی امر ہیں یا حُسن یا احسان پس جب انسان بہ باعث اپنی کامل معرفت کے خدائے تعالیٰ کے حُسن و احسان پر اطلاع کامل طور پر پاتا ہے تو لامحالہ اس سے کامل محبت پیدا ہو جاتی ہے اور کامل محبت سے لذّت ملتی ہے پس اسی جہان سے بہشتی زندگی عارف کی شروع ہو جاتی ہے اور وہی معرفت اور محبت عالم آخرت میں سرور دائمی کا موجب ہو جاتی ہے جس کو دوسرے لفظوں میں نجات سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ جب ایک شخص کو پورا پورا سامان نجات کا میسر آ گیا اور پرمیشر کی کرپا اور فضل سے مکتی پا گیا تو پھر کیوں پرمیشر اس کو ناکردہ گناہ مکتی خانہ سے باہر نکالتا ہے کیا وہ اس بات سے چڑتا ہے کہ کوئی عاجز بندہ ہمیشہ کے لئے آرام پا سکے جس حالت میں ابدی بقا کے

﴿۹۴﴾ روحوں میں قوت رکھی گئی ہے تو کیا پرمیشر اپنے بندوں کو ابدی سرور نہیں دے سکتا۔ بعض صاحب اس جگہ پر یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ بندوں کے اعمال محدود ہیں اس لئے جزا بھی اس کی محدود ہی ملتی ہے میں کہتا ہوں کہ یہ خیال غلط ہے۔ کیونکہ عمل اعظم بندہ کا یہی ہے کہ وہ وفاداری سے ایمان لاتا ہے اور بے انتہا وفاداری کی نیت سے تکالیف مالی و جانی اٹھانے کے لئے ہر وقت مستعد رہتا ہے تو اس صورت میں عمل اس کا محدود نہ ہوا بلکہ غیر محدود ہوا اگر پرمیشر اس کو زندہ چھوڑتا تو وہ کبھی بے وفائی نہ کرتا یہ نعوذ باللہ پرمیشر کا قصور ہوا کہ اس نے اس کو مہلت نہ دی ماسوا اس کے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے موجب نجات ومکتی کا ایک ایسا امر ہے کہ وہ پرمیشر کی صحبت میں رہ کر کم نہیں ہوسکتا بلکہ ترقی کرنا چاہئے کیونکہ کوئی عقلمند ہرگز خیال نہیں کرسکتا کہ پرمیشر کی صحبت سے گیان اور محبت میں کچھ فرق آجاتا ہے اور جس طرح ممکن نہیں کہ باوجود چراغ کے ہونے کے اندھیرا ہوجائے اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ باوجود علل موجبہ مکتی کے پھر کوئی شخص مکتی خانہ سے باہر نکالا جائے۔ پرمیشر بمنزلہ خریدار کے نہیں ہے تا یہ کہا جائے کہ جس قدر اس نے کوئی چیز لی اسی قدر اس نے دام بھی دے دیئے بلکہ یہ معاملہ محبت وعشق کا ہے اور کوئی منصف مزاج معشوق اپنے وفادار عاشق سے ایسا بدمعاملہ ہرگز نہیں کرسکتا کہ اس کو ناحق خرابی میں ڈالے۔ ہم سوال کرتے ہیں کہ آیا پرمیشر اس بات پر قادر ہے یا نہیں کہ اپنے بندہ کو ہمیشہ کے لئے مکتی دے دے۔ اگر قادر ہے اور بندہ وفادار بھی اس کا مستحق ہے اور علل لازمہ موجبہ بھی دائمی مکتی کو چاہتے ہیں تو پھر کیوں پرمیشر ایسی سختی کرتا ہے کہ اول ایک بندہ کو ایک ایسا مقرب بنا کر کہ وہ اوتار ہوگیا یا اس پر وید نازل ہوگئے پھر ناحق اس کی عزّت بگاڑ دیتا ہے اور رفتہ رفتہ مختلف جونوں میں ڈال کر اس کی کیڑوں مکوڑوں تک نوبت پہنچاتا ہے بعض صاحب یہ بھی جواب دیتے ہیں کہ یہ کام پرمیشر نے ایک مصلحت سے اختیار کر رکھا ہے اور وہ مصلحت یہ ہے کہ چونکہ پرمیشر روحوں کے پیدا کرنے پر قادر نہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ کل ارواح معدود اور محدود ہیں تو اس صورت میں اگر

﴿۹۵﴾ پرمیشر ان سب کو مکتی دے دے تو پھر ہمیشہ دنیا پیدا کرنے کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے کیونکہ جو روح مکتی پا کر مکتی خانہ میں گیا وہ تو گویا ہاتھ سے گیا اور بہ باعث نہ ہونے آمدن اور روز مرّہ کے خرچ کی آخر سب روح ایک دن ختم ہو جائیں گے اور پھر پرمیشر دنیا پیدا کرنے سے قاصر اور عاجز رہے گا اور یہ امر خلاف اصول آریہ سماج ہے غرض آریہ صاحبوں کے اصول کے بموجب نہ پرمیشر کی توحید اور عظمت قائم رہتی ہے اور نہ مکتی یافتہ روح کبھی ناگہانی آفت سے نجات پا سکتے ہیں بلکہ اس شخص کی طرح جس کو ایک دورہ خاص پر مرگی کی بیماری پڑتی ہے ایسا ہی روحیں بھی ایک قسم کی بیماری میں ہمیشہ مبتلا رہیں گے اور جیسے جیسے مکتی خانہ سے نکالنے کا وقت نزدیک آتا جائے گا ویسا ہی جزع فزع میں مبتلا ہوتے جائیں گے خداوند کریم جلّ شانہٗ قرآن شریف میں فرماتا ہے وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى[1] یعنی جو شخص اپنے پروردگار سے ڈر کر تزکیہ نفس کرے اور ماسوائے اللہ سے مونہہ پھیر کر خدائے تعالیٰ کی طرف رجوع لے آئے تو وہ جنت میں ہے اور جنت اس کی جگہ ہے یعنے خود ایک روحانی جنت بباعث قوت ایمانی و حالت عرفانی اس کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے جو اس کے ساتھ رہتی ہے اور وہ اس میں رہتا ہے سو اس جگہ ماسٹر صاحب سے یہ بھی درخواست کرتا ہوں کہ بہ مقابل اس آیت قرآنی کے جو جاودانی اور لازوالی مکتی پر دلیل پیش کرتی ہے جو کچھ وید میں محدود مکتی کا فلسفہ بتلایا گیا ہے وہ شرتی بھی اس جگہ پیش کر دیں۔ ۱۴؍مارچ ۸۶ء

جواب لالہ مرلیدھر صاحب معہ جواب الجواب از طرف مؤلّفِ رسالہ ہذا

قولہ۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ آریہ سماج والوں کا اعتقاد یہ ہے کہ پرمیشر نے کوئی روح پیدا نہیں کی اور کل ارواح انادی اور قدیم اور غیر مخلوق ہیں ایسا ہی ان کا یہہ بھی اعتقاد ہے کہ مکتی یعنے نجات ہمیشہ کے لئے کسی انسان کو نہیں مل سکتی بلکہ ایک مدّت مقررہ تک مکتی خانہ میں رکھ کر پھر اس سے نکالا جاتا ہے یہ بیان مرزا صاحب کا

[1] النازعات:۴۱۔۴۲

﴿۹۶﴾ بہت کچھ فرق آریہ سماج کے اصولوں سے رکھتا ہے جو آگے ظاہر کیا جائے گا۔

اقـــول جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ اس بیان میں ذرّہ فرق نہیں بلاشبہ آریہ سماج والوں کے یہ دونوں اعتقاد ہیں جن پر تناسخ یعنے اواگون کی بنیاد ہے اگر کچھ فرق تھا تو آپ نے ظاہر کیا ہوتا۔ آپ نے وعدہ تو کیا کہ آگے جا کر اس فرق کو بیان کریں گے مگر کسی جگہ بیان نہ کیا کہ یہ فرق ہے بلکہ آگے جا کر تو بقول شخصے کہ دروغ گورا حافظہ نباشد۔ آپ نے صاف اقرار کر دیا کہ ایسا ہی اعتقاد آریہ سماج والے رکھتے ہیں۔ اصل بات تو یہ ہے کہ آپ لوگوں کے دل بھی اس بات پر شہادت ہیں کہ یہ وید کے دونوں اصول سخت درجہ کے مخالف عظمت وقدرت وتوحید وشان الٰہی ہیں اسی واسطے کبھی کبھی لوگوں کے شرم سے آپ لوگوں کی طبیعت اِخفا کی طرف رجوع کر جاتی ہے مگر ایسی باتوں کو آپ کیونکر چھپا سکتے ہیں جو پنڈت دیانند صاحب کے قلم سے مشتہر ہو چکی ہیں خویش و بیگانہ اس پر اطلاع پا چکے ہیں۔ ماسٹر صاحب؟ آپ بُرا نہ مانیں آپ کے وید کی ایسی ایسی تعلیموں نے ناستک مت والوں (دہریوں) کو بہت کچھ مدد دی ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو آریہ صاحبوں کا وید ایک ایسا خدا بتا رہا ہے جس سے حق جُو آدمی ضرور ہے کہ نفرت کرے وہ اپنے پرمیشر کو اپنی بادشاہی کا خود موجب نہیں سمجھتے بلکہ ایسا خیال کرتے ہیں کہ وہ بادشاہت کسی بخت واتفاق سے اس کو ملی ہے یعنی اس کی خوش قسمتی سے چند ارواح اور اجسام بنے بنائے اس کو مل گئے ہیں اور شاید ابھی ارواح اور اجسام کا کوئی اور دفینہ بھی کسی جگہ پوشیدہ ہو جس کی ہنوز پرمیشر کو اطلاع نہیں ہوئی مگر کیا یہ ایسا اعتقاد ہے جس کو عظمت وقدرت وشان کبریائی حضرت اللہ جلّ شانہٗ کے مطابق کہہ سکتے ہیں خدائے تعالیٰ وہ کامل ذات ہے جس کو تمام فیوض کا مبدء اور تمام انوار کا سرچشمہ اور تمام چیزوں کا قیوم اور تمام خوبیوں کا جامع اور تمام کمالات کا مستجمع اور عجز اور نقص اور احتیاج الی الغیر سے پاک ہے لیکن تم سوچ کر دیکھو کہ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ ارواح اور اجسام کی غیر مخلوق اور خود بخود ماننے سے ان تمام صفاتِ کاملہ الٰہیہ

﴿۹۷﴾ میں سے کوئی بات بھی قائم نہیں رہ سکتی اور ایک ایسا سخت صدمہ اس کی شان خدائی پر پہنچتا ہے کہ اس میں کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔

ایک ادنیٰ درجہ کی عقل بھی سمجھ سکتی ہے کہ خدائے تعالیٰ کے ایک ہونے کے یہی معنے ہیں کہ درحقیقت وجود اسی کا وجود ہے اور باقی سب چیزیں اس سے نکلی ہیں اور اسی کے ساتھ قائم اور اسی کے رشحاتِ فیض سے اپنے کمالات مطلوبہ تک پہنچتی ہیں مگر افسوس کہ آریوں کا علم الٰہی اس کے برخلاف بتلا رہا ہے ان کی کتابیں انہیں واویلوں سے پُر ہیں کہ ہم بھی پرمیشر کی طرح قدیم اور غیر مخلوق اور انادی اور اس کی مشابہ اور اپنے اپنے وجود کے آپ خدا ہیں نہیں سوچتے کہ اگر وہ بھی قدیم الذّات اور قائم بذاتہٖ اور واجب الوجود ہیں تو پھر خدا جیسے ہو کر اس کی ماتحت کیوں ہو گئے اور کس نے درمیان میں ہو کر دونوں میں تعلق پیدا کر دیا افسوس کہ ان لوگوں نے عقیدہ باطلہ وید سے ایسی محبت کی ہے کہ خدائے تعالیٰ کی عظمت اور کمالیّت کے لئے ذرہ غیرت باقی نہیں رہی اور اس عقیدۂ مذکورہ بالا کے بدتر اثر نے ان کا کچھ باقی نہیں چھوڑا اور اسی بداعتقاد کا بداثر جاودانی نجات کا بھی رہزن ہوا ہے اور اسی کی نحوست سے آریہ مت کے دفتر میں ایک ہنگامہ مفاسد برپا ہو رہا ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات کو صحیح یا غلط طور پر جاننا ایک ایسا امر ہے کہ اس کا اثر (جیسا کہ ہو) تمام باقی اصولوں پر پڑتا ہے اگر اس میں صلاحیّت ہو تو دوسرے اصول بھی صلاحیت رکھتے ہیں اور اگر اس میں فساد ہو تو وہ فساد دوسرے اصولوں میں بھی سرائت کرتا ہے اسی جہت سے اس اصل الاصول کے بگڑنے سے آریوں کے سب عقائد کی ستیاناس ہوئی ہے اور سب خیالات کو اس ایک ہی بگڑے ہوئے خیال نے تہ و بالا کر دیا ہے اور اب جب تک اس کی اصلاح نہ ہو تب تک باقی خراب شدہ خیالات کسی نوع سے درستی پر نہیں آ سکتے اب حقیقت میں آریوں کو بڑی مشکل پیش آ گئی ہے اب ان دونوں وید اور پرمیشر سے ایک کو ضرور چھوڑنا پڑے گا۔

﴿۹۸﴾ یہ بات ایک لڑکا بھی سمجھ سکتا ہے کہ اگر سب ارواح اور اجسام خود بخود پرمیشر کی طرح قدیم اور انادی ہیں اور اپنے اپنے وجود کے آپ ہی خدا ہیں☆ تو پرمیشر اس دعویٰ کا ہرگز مجاز نہیں رہا کہ میں ان چیزوں کا ربّ اور پیدا کنندہ ہوں کیونکہ جب کہ ان چیزوں نے پرمیشر کے ہاتھ سے وجود ہی نہیں لیا تو پھر ایسا پرمیشر ان کا ربّ اور مالک کیونکر ہوسکتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی بچہ بنا بنایا آسمان سے گرے یا زمین کے خمیر سے خود پیدا ہو جائے تو کسی عورت کو یہ دعویٰ ہرگز نہیں پہنچتا کہ یہ میرا بچہ ہے بلکہ اس کا بچہ وہی ہوگا جو اس کے پیٹ سے نکلا ہے سو جو خدا کے ہاتھ سے نکلا ہے وہی خدا کا ہے اور جو اس کے ہاتھ سے نہیں نکلا وہ اس کا کسی طور سے نہیں ہوسکتا۔ کوئی صالح اور بھلا مانس ایسی چیزوں پر ہرگز قبضہ نہیں کرتا جو اس کی نہ ہوں تو پھر کیونکر آریوں کے پرمیشر نے ایسی چیزوں پر قبضہ کرلیا جن پر قبضہ کرنے کا اس کو کوئی استحقاق نہیں۔ سو سوچنا چاہئے کہ یہ بات کس قدر مکروہ اور دور از حقانیّت ہے کہ مالک الخلق اور رب العالمین کو اس کی مخلوقات سے جواب دیا جاتا ہے اور جو اصل حقیقت خدائی کی کی[1] اس سے اس کو الگ کیا جاتا ہے ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ اگر ہندوؤں کے وید میں کوئی اور غلطی نہ ہوتی تو اس کے مخالف حق ہونے کے لئے یہی ایک بڑی دلیل تھی کہ خدائے تعالیٰ کی صفات حقہ کے بیان کرنے میں اس نے ایسی رہزنی کی ہے کہ جو خدائے تعالیٰ کی خدائی قائم ہونے کے لئے بہت ضروری امر تھا وہی اس نے جڑھ سے اکھیڑ دیا ہے۔

ایسا ہی ذرا سوچ کر معلوم کرلینا چاہئے کہ اگر یہ تمام روحیں جن کے پیدا کرنے کی پرمیشر کو طاقت نہیں ہمیشہ کے لئے مکتی پا جائیں تو پھر پرمیشر بجز اس کے کہ مجبوری کے طور پر خالی ہاتھ

☆ **حاشیہ** خدا بمعنے خود آیندہ ہے اور خدائے تعالیٰ جلّ شانہٗ اسی وجہ سے خدا کہلاتا ہے کہ وہ کسی کے پیدا کرنے کے بغیر خود بخود ہے سو اگر ارواح و اجسام بھی خود بخود ہیں تو وہ سب خدا ہی ہوئے اور بموجب اصول آریہ کے ان کو بھی خدا کہنا جائز بلکہ واجب ہوا۔ منہ۔

[1] نقل مطابق اصل۔ غالباً یہ لفظ ''کی'' نہیں ''تھی'' ہے۔ (ناشر)

﴿۹۹﴾ بیٹھا رہے اور کیا کر سکتا ہے تو اس صورت میں وہ اصول آریہ سماج والوں کا جو دنیا کا سلسلہ ہمیشہ بنا رہتا ہے کیونکر قائم رہ سکتا ہے اب ظاہر ہے کہ آپ لوگوں کے اعتقاد کے رو سے پرمیشر کی بادشاہت صرف غیر مخلوق روحوں کے سہارے سے چل رہی ہے اور اگر یہ کہو کہ پرمیشر روحوں کو کبھی جاودانی مکتی نہیں دے گا تو پھر کیونکر سلسلہ دنیا کا منقطع ہوگا اور کیونکر پرمیشر مجبور ہو کر خالی بیٹھے گا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ ایرادِ اعتراض کے لئے محض فرض کرنا نجات ابدی کا جو امور ممکنہ میں داخل ہے کافی ہے کیونکہ فن فلسفہ میں امور جائز الوقوع میں صرف ان کے فرض وقوع پر بحث کی جاتی ہے نہ تحقق فی الخارج میں فلسفی کو اس سے کچھ غرض نہیں کہ وہ امر وقوع میں آیا یا نہ آیا بلکہ فلسفی قطع نظر وقوع لا وقوع سے صرف مادہ جواز پر برہان قائم کرتا ہے مثلاً فلسفی کہتا ہے کہ اگر زید ایک تولہ زہر کھالے تو بے شک مرے گا کیونکہ صدہا مرتبہ کا تجربہ صحیحہ و صادقہ اس بات پر شہادت دے رہا ہے پس اس کے جواب میں یہ معارضہ کہ زید نے عہد کیا ہوا ہے کہ میں ہرگز زہر نہیں کھاؤں گا۔ حجت کو اٹھا نہیں سکتا کیونکہ گو زید زہر کھانا نہیں چاہتا اور فرض کیا کہ اس نے عہد کیا ہوا ہے کہ میں ہرگز زہر نہیں کھاؤں گا لیکن عند العقل اس کا زہر کھانا اور مرنا ممکن ہے اسی واسطے صناعت منطق میں قضیہ ضروریہ مطلقہ کو قضیہ دائمہ مطلقہ سے اخص مطلق قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً یہ قضیہ کہ ہر یک انسان بالضرورت حیوان ہے یعنے حیوانیت ہر یک انسان کے وجود کو صفت ضروری ہے کہ جو اس کے وجود سے مُنفک نہیں ہوسکتی یہ قضیہ ضروریہ مطلقہ ہے اور یہ دوسرا قضیہ کہ زید جو وکیل ہے ہمیشہ مقدمہ میں فتح پاتا ہے دائمہ مطلقہ ہے پس یہ جو دائمہ مطلقہ ہے قضیہ ضروریہ مطلقہ سے اسی واسطے اس کا اخص سمجھا جاتا ہے کہ گو فتح پانا زید کا مثل مفہوم ضروریہ مطلقہ کے جمیع اوقات میں پایا جاتا ہے اور ہمیشہ زید مقدمہ کو جیتتا ہے لیکن اس کا جیتنا اور فتح پانا عند العقل ضروری نہیں برخلاف قضیہ ضروریہ مطلقہ کے کہ اس میں دوام نسبت حیوانیت کا انسان سے جو موضوع قضیہ کا ہے ضروری ہے کیونکہ عقل ہارنا اور شکست کھانا زید کا تجویز کر سکتی ہے گو اب تک ایک ظاہری

﴿۱۰۰﴾ اتفاق سے زید ہارا نہیں اور نہ کبھی شکست کھائی لیکن کوئی عقلِ سلیم سلب نسبت حیوانیت کا انسان سے تجویز نہیں کر سکتے غرض جو امر عندالعقل ممکن الوقوع ہے خارج میں اس کا واقع ہونا شرط نہیں اور نہ وقوع فی الخارج اور امکان فی نفس الامر میں کسی طرح کا تلازم ذہنی ہے پس اسی دلیل سے روحوں کا انادی ماننا نہ صرف خدائے تعالیٰ کے ازلی جلال اور اس کی صفت ربوبیت اور مبدء فیوض ہونے کو صدمہ پہنچاتا ہے بلکہ اس کی ابدی خدائی اور قدرت نمائی کا بھی جو مدار کاروبار الوہیت ہے بکلّی استیصال کر کے اس کے نام ونشان کو مٹانا چاہتا ہے۔غرض یہ اصول اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا دشمن ہے۔

ایسا ہی اس کا بدنتیجہ جو نجات محدود ہے ہر وقت یہ بات یاد دلاتا ہے کہ خدائے تعالیٰ بوجہ خالق نہ ہونے کے ناقص القدرت تھا اور بغیر مکتی محدود کے اس کی خدائی نہیں چل سکتی تھی اس لئے مجبوراً اس نے مکتی کو محدود رکھا گویا لوگوں کو اپنی بدقسمتی سے ایک ادھورا خدا ملا جو نجاتِ جاودانی دینے پر قادر ہی نہ تھا اس لئے اس کے بدقسمت بندے ہمیشہ کی نجات پانے سے رہ گئی اور اس جگہ پرمیشر کا خیر خواہ بن کر مکتی محدودہ کا یہ جواب دینا کہ انسان دائمی مکتی پانے کا حق نہیں رکھتا اس لئے پرمیشر اس کو دائمی مکتی نہیں دیتا ایک ہنسی کی بات ہے کیونکہ پرمیشر تو بوجہ اپنے ضعف اور عجز اور ناطاقتی کے کسی وجہ سے دائمی مکتی دے ہی نہیں سکتا اور نہ ایسی قدرت رکھتا ہے تو پھر اس صورت میں بندہ کے اعمال کا ذکر کرنا ہی فضول ہے کیا بندہ اپنے دائمی ایمان اور وفاداری کی وجہ سے دائمی جزا کا مستحق نہیں ٹھہر سکتا لیکن جب پرمیشر میں طاقت ہی نہیں تو دائمی مکتی کون دیوے۔اور اگر پرمیشر دائمی نجات دینے کا ارادہ بھی کرے تو کر کیا سکتا ہے۔اب دیکھو کس قدر آریہ صاحبان اپنے پرمیشر کی ہتک کر رہے ہیں ہم کیونکر باور کریں کہ وہ اس قدر موٹی بات کو بھی سمجھتے نہیں یا کیونکر ہم تسلیم کر لیں کہ ان کی انسانی فطرت ایسی مسخ ہوگئی ہے کہ ایسی صاف صاف صداقتیں بھی ان کی ٹیڑھی نظر میں غلط دکھائی دیتی ہیں بلکہ سارا موجب قوم اور برادری کے پاس ہے جس کے باعث سے لاکھوں دنیا پرست خدا کو اور اس کی پاک راہوں کو چھوڑ

﴿۱۰۱﴾

دیتے ہیں۔

اے زِ تعلیم وید آوارہ منکر از فیض بخش ہموارہ آں قدیرے کہ نیست زُوچارہ
نزد تو عاجز ست وناکارہ بشنوی گر بود بحق روئے شورقَالُوا بلٰی زِہر سوئے
آنکہ باذات او بقاؤ حیات چوں نباشد بدیع ما آں ذات ناتوانی ست طور مخلوقات
کے خدا ایں چنیں بود ہیئات کے پسند دخرد کہ ربّ قدیر ناتواں باشد وضعیف وحقیر
نظرے کن بشانِ ربّانی داوری ہا کن بنادانی ایں چہ دین است وآئین ست
کہ خدا ناتوان ومسکین است گر بدیں دین وکیش ہستی شاد مایۂ عمر را دہی برباد

قولہ۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ (آریہ سماج والوں کے اعتقاد کے رو سے) مکتی شدہ شخص مکتی خانہ سے نکالا جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آریہ سماج کے اصولوں کے موافق کوئی مکتی خانہ علیحدہ عمارت نہیں۔

اقول۔ سبحان اللہ کیا عمدہ جواب ہے۔ اعتراض تو یہ تھا کہ روحوں کو انادی اور قدیم اور پرمیشر کی طرح واجب الوجود اور غیر مخلوق ماننے سے پرمیشر ایسا کمزور اور مجبور ٹھہر جاتا ہے کہ وہ کسی طرح روحوں کو دائمی نجات دینے پر قادر نہیں ہوسکتا گو ارادہ بھی کرے۔ کیونکہ دائمی نجات دینے سے اس کی خدائی کا سلسلہ دور ہوتا ہے آپ اس کا جواب دیتے ہیں کہ مکتی خانہ کوئی علیحدہ عمارت نہیں جس سے نکالا جائے۔ ناظرین سوچ سکتے ہیں کہ یہ کس قسم کا جواب ہے جس حالت میں آریوں کا بالاتفاق یہ اصول ہے کہ ہمیشہ کے لئے کسی کی مکتی نہیں ہوسکتی کوئی اوتار ہو یا رشی ہو یا منی ہو بلکہ کچھ مدت تک نجات دے کر پھر اس دارالنجات سے دارالتناسخ کی طرف بھیجے جاتے ہیں اور مختلف جونوں میں گردش کرتے کرتے کیڑے مکوڑوں تک نوبت پہنچتی ہے تو پھر کیا یہ اصول ماسٹر صاحب کو یاد نہیں یا دانستہ لوگوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اور اگر ماسٹر صاحب کو لفظی نزاع کے طور پر یہ اعتراض ہے کہ مکتی خانہ کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا ہے۔ کیا کوئی

﴿۱۰۲﴾ اینٹوں یا پتھروں کی دان عمارت ہے جس کو خانہ کہنا چاہئے تو ہمیں صرف ماسٹر صاحب کے اعتقاد پر افسوس نہ ہوگا بلکہ ان کی علمیّت ومحاورہ دانی پر بھی سخت افسوس ہوگا۔ کیا ماسٹر صاحب نہیں جانتے کہ تمام الفاظ تحقیقی طور پر ہی مستعمل نہیں ہوا کرتے بلکہ مجازات و استعارات بھی استعمال میں آتے ہیں مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے ایک بوتل شربت کی پی لی یا ایک رکیبی چانولوں کی کھالی تو کیا ماسٹر صاحب اس سے یہ سمجھیں گے کہ اس نے بوتل اور رکیبی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھالیا ہے۔ اسی طرح خانہ (یا دار) کا لفظ کئی محلوں اور موقعوں پر بولا جاتا ہے اور ہر جگہ اینٹوں یا پتھروں کی عمارات مراد نہیں ہوتیں۔ سو جس حالت میں آریوں کے نزدیک دنیا دارالتناسخ ہے تو کیا بے جا ہوا اگر بمقابل اس کے دوسرے جہان کا نام دارالنجات (مکتی خانہ) رکھا گیا۔ اگر اب بھی ماسٹر صاحب کے دل کو کوئی وہم پکڑتا ہو تو کسی اپنے زیرک بھائی بند کو پوچھ کر دیکھ لیویں۔

قولہ۔ مرزا صاحب اپنا اعتقاد یاد کریں کہ انہوں نے مانا ہوا ہے کہ انسان بعد مرنے کے نجات پا کر ایک مکان بہشت میں رہے گا جہاں عمدہ باغ خدا نے لگایا ہوا ہے اچھی اچھی عورتیں یا حوریں موجود ہیں نہریں شراب وغیرہ کی جاری ہیں غرض نجات کی حالت میں بھی دنیاوی سامان موجود ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں بلکہ واں وہ باتیں بھی موجود ہوں گی جو یہاں ممنوع ہیں مثلاً شراب اور بہت سی عورتیں مگر ایسا نہیں بلکہ نجات شدہ لوگ بڑے انند اور خودمختاری کی حالت میں رہیں گے۔

اقول۔ اے ماسٹر صاحب آپ یہ بے اصل باتیں مونہہ سے نکالتے ہوئے کچھ شرم تو کریں اتنا جھوٹ کیونکر ہضم ہوگا۔ بھلا جب حسب اصول آپ کے نجات یافتہ لوگ ایک مدّت مقررہ کے بعد مکتی خانہ سے کان پکڑ کر باہر نکال دیئے جائیں گے اور ان کے رونے چلانے پر کچھ رحم نہیں کیا جائے گا بلکہ بڑی سختی سے خلافِ مرضی ان کے حکم اخراج عمل میں آئے گا۔

﴿۱۰۳﴾ اور بڑی ذلت اور رسوائی سے بقول شخصے کہ (پابدست دگرے دست بدست دگرے) مکتی خانہ سے باہر پھینکے جائیں گے تو کیا اس وقت ان کے لئے وہ سُرگ نرگ کا نمونہ بلکہ اس سے بدتر نہیں ہو جائے گا تو پھر اس مجبورانہ مصیبت کے وقت خودمختاری کہاں رہے گی اور انند کیسا ہوگا آپ کہتے ہیں کہ نجات شدہ لوگ بڑی خوشی اور انند میں رہیں گے افسوس ہے آپ کی سمجھ پر۔ کیا ایسے مقام میں بھی کوئی کامل خوشی میسر آ سکتی ہے جس میں نکالے جانے اور پھر دوہری مرتبہ کروڑ ہا برسوں کی مصیبتوں کا دغدغہ درپیش ہے اور ہر دم یہی فکر جان کو کھا رہا ہے کہ اب تھوڑے عرصہ کے بعد بے شمار ذلتوں اور رسوائیوں کا مونہہ دیکھنا ہوگا۔ پھر کیڑے مکوڑے کتے بلے بننا ہوگا۔ پھر ایک گناہ کے بدلے میں لاکھوں جونیں بھگتنی ہوں گی اور زمانہ دراز اور مدّت غیر معین تک دکھوں دردوں کو اٹھانا ہوگا۔ کیا جس کو اس قدر یقینی اور قطعی طور پر غم درپیش ہے اور غم بھی کیسا غم کہ لاعلاج۔ وہ بھی خوش رہ سکتا ہے سو آپ کس مونہہ سے کہہ سکتے ہیں کہ جس مکتی خانہ کا وید نے ذکر کیا ہے وہ بڑی انند اور خودمختاری اور خوشی کی جگہ ہے آپ کے مکتی خانہ سے خدا کی پناہ اگر ایسا ہی پرمیشر اور ایسا ہی اس کا مکتی خانہ ہے تو پھر بدقسمت زاہدوں عابدوں کے لئے اِس جگہ بھی رونا اور اُس جگہ بھی رونا ہی ہوگا۔

رہا آپکا یہ اعتراض کہ مسلمانوں کی بہشت میں دنیوی نعمتیں بھی موجود ہوں گی تو یہ کچھ اعتراض کی بات نہیں بلکہ اس سے تو آپکو اور آپکے پرمیشر کو بہت شرمندہ ہونا چاہیئے کیونکہ مسلمانوں کے خداوند قادر اور غنی مطلق نے تو دائمی اور جاودانی طور پر سب کچھ اپنے بے انتہا خزانوں سے عالم آخرت میں قرآن شریف پر ایمان لانے والوں کو عطا کیا ہے اور روحانی اور جسمانی دونوں طور کی نعمتیں مرحمت فرمائیں کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کے سچے پرستار اس دنیا میں صرف روح ہی سے اس کی بندگی اور اطاعت نہیں کرتے بلکہ روح اور جسم دونوں سے کرتے ہیں اور خلقت انسانی کا کمال

﴿۱۰۴﴾ صرف روح ہی سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ روح اور جسم دونوں کے امتزاج و اختلاط سے پیدا ہوتا ہے سو اس نے فرمان برداروں کو سعادت تامہ تک پہنچانے کے لئے اور ان کو پورا پورا اجر دینے کے لئے نجات جاودانی کی لذّات کو دو قسم پر مشتمل کیا۔ اپنے محبوبانہ دیدار کی لذتیں بھی دیں اور اپنی دوسری نعمتیں بھی بارش کی طرح ان پر برسائیں۔ غرض وہ کام کر دکھلایا جو اس قادر عظیم الشان کی قدرتوں اور عظمتوں اور بے انتہا رحمتوں کے لائق ہے لیکن آپ کا پرمیشر تو مفلس اور دیوالیہ ہی نکلا اور اپنی عاجزی اور درویشی اور مفلسی اور ناطاقتی اور بے اختیاری کے باعث سے آپ لوگوں کو کسی ٹھکانہ نہ لگا سکا اور نہ کوئی مستقل خوشی پہنچا سکا۔ غرض کچھ بھی نہ کر سکا نہ روحانی نعمتیں ہمیشہ کے لئے دے سکا۔ نہ جسمانی اور دونوں طور سے آپ کو ناکام اور نامراد اور محروم اور بے نصیب رکھا اور جس کے لئے مرتے تھے اور جان نثاری کرتے تھے وہ ایسا نامنصف اور بے سمجھ اور مورکھ اور بے خبر نکلا کہ اس نے تمہاری روحانی اور بدنی مشقتوں کا کچھ بھی قدر نہ کیا اور اپنی الٹی سمجھ سے عاشقانہ وفاداریوں اور جان نثاریوں کو چند روزہ مزدوری خیال کر لیا۔ کیا ایسے بخیل اور ناطاقت اور بے سمجھ پرمیشر سے محبتیں بڑھ سکتی ہیں اور صفائی کامل سے کوئی دل رجوع ہو سکتا ہے ہرگز نہیں بلکہ اس کی قدرت اور سخاوت اور قدر شناسی کی حقیقت کھلنے سے جب تپ کرنے والوں کی روحیں بہت ہی افسوس ناک اور نادم ہوں گی کہ اگر یہی پرمیشر اور یہی اس کی مکتی تھی تو ہم خواہ مخواہ کی ٹکریں کیوں ماریں اور مکتی خانہ سے نکالے جانے کے وقت ضرور مضمون اس شعر کا رو رو کر پڑھتے ہوں گے۔

اب تو کچھ سمجھ کے جان تجھ پہ کریں گے قربان ہم تو اس روز کو پچھتاتے ہیں جب دل ہی دیا

سو خدائی کے کام وہ ہیں نہ یہ اور چارہ سازی اور بندہ نوازی اس کو کہتے ہیں نہ اس کو۔ بہ بین تفاوت راہ از کجاست تا بکجا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ وید کے رو سے اس ناکارہ اور ناقص مکتی کا ملنا بھی آپ لوگوں کے لئے محال ہے اور آپ کے پرمیشر نے محض ٹالنے کی

﴿۱۰۵﴾ غرض سے مکتی کے ملنے میں ایسی دشواریاں ڈال دیں ہیں جو ممکن ہی نہیں کہ آپ لوگ ان سے مخلصی پاسکیں بھلا جب ایک گناہ کے لئے ایک لاکھ اور کئی ہزار جون کی سزا ٹھہری اور ایک طرفۃ العین یعنے ایک پلکارہ بھی خدائے تعالیٰ سے غافل ہونا گناہ ٹھہرا تو پھر مکتی پانے کی کون سی راہ باقی رہی۔ سو اگر آپ لوگ حقیقت حال کو سوچیں تو اپنی نوامیدی کی حالت کو دیکھ کر ماتم کریں اور سوگ میں بیٹھیں کیونکہ پرمیشر نے تو ایک طرح سے مکتی دینے سے آپ لوگوں کو جواب دے دیا ہے کیونکہ نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی۔ کیا اس زندگی موجودہ میں کوئی شخص آپ لوگوں میں سے دعویٰ کرسکتا ہے کہ میں نے کبھی کسی قسم کا گناہ نہیں کیا نہ صغیرہ نہ کبیرہ اور نہ کبھی جھوٹ زبان پر آیا۔ اور نہ کبھی کسی کو زبان یا ہاتھ یا آنکھ وغیرہ سے ستایا اور نہ کبھی مال ناجائز کھایا اور نہ کبھی ایک سیکنڈ بھی اپنے پرمیشر کو بھلایا اور نہ کسی اور قسم کا گناہ یا بدخیال دل میں آیا۔ میں جانتا ہوں کہ ایسا دعویٰ کرنا ممکن ہی نہیں تو پھر کسی آئندہ جون کا بھی اسی پر قیاس کر لیجئے کیونکہ اس دارالغفلت دنیا میں گناہ انسان کی فطرت کو لگا ہوا ہے اور جیسے فطرتی خواص اس موجودہ زندگی میں آپ سے الگ نہیں ہوسکے ایسا ہی کسی آئندہ جون میں دنیا میں آکر ان فطرتی خواص کا بکلی دور ہوجانا ممتنع اور محال ہے۔ بعض موٹی سمجھ کے آدمی جن کو بہ باعث اپنی نادانی اور نقصان علمی کے گناہ کی فلاسفی معلوم نہیں وہ شاید بوجہ اپنے کمال درجہ کی سادہ لوحی کے ایسا خیال کرتے ہوں گے کہ گویا گناہ انہیں دو چار باتوں کا نام ہے کہ انسان ارتکاب زنا یا خون یا شہادت دروغی پر دلیری کرے یا کسی جگہ سیندہ لگاوے یا کسی کی گانٹھ کُترلے اور پھر جب ان چند معدود اور مشہور جرائم کو چھوڑ دے تو پھر گناہ سے بکلّی پاک اور صفا ہوگیا اور اپنے پرمیشر کو کہہ سکتا ہے کہ اب تیرے حقوق سب میں نے ادا کردیئے اور جو کچھ کرنا میرے پر واجب تھا سب کچھ میں کرگزرا۔ لیکن درحقیقت یہ خیال سراسر غلط بلکہ بھاری گناہ ہے جو انسان اپنے تئیں بے گناہ اور

﴿۱۰۶﴾ خدائے تعالیٰ کے سارے حقوق کو ادا کرنے والا خیال کرلے اسی وجہ سے راست بازوں اور مقدسوں نے طریق تواضع اور فروتنی اور استغفار کو لازم پکڑا اور کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ میں بکلی نیک اور بے گناہ ہوں حضرت مسیح علیہ السلام کو کسی نے کہا کہ اے نیک استاذ تو آپ نے یہ پیارا اور دلکش جواب دیا کہ میں نیک نہیں ہوں یعنے ایک گنہگار آدمی ہوں مجھے تو کیوں نیک کہتا ہے۔ سبحان اللہ معرفت الٰہی انہیں پاک لوگوں کے حصّہ میں آئی تھی جنہوں نے کیسے ہی تقدس کی حالت میں بھی اپنے تئیں بے گناہ اور نیک نہیں سمجھا اور حقیقت میں اس سے بڑھ کر اور کوئی گناہ نہیں کہ اپنے تئیں بے گناہ خیال کیا جائے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ گناہ انسان کی سرشت کو ایک لازم غیر منفک ہے جس کا تدارک صرف رحمت اور مغفرت الٰہی کرسکتی ہے نہ کوئی اور چیز اور اگر خدائے تعالیٰ ہر یک گناہ پر سزا دینے لگے اور استغفار اور توبہ قبول نہ ہو اور فضل شامل حال نہ ہو تو بندہ کبھی نجات نہیں پاسکتا مثلاً اگر یہ سزا ہندوؤں کے اصول کے طور پر دی جائے یعنے جونوں میں ڈالا جائے تو اگر ہندوؤں کا پرمیشر قطع نظر ایک لاکھ جون کے ایک گناہ کے عوض میں صرف ایک جون کی سزا پر ہی کفایت کرے تب بھی اس بے انتہا سلسلہ کا انقطاع محال ہے چہ جائیکہ ایک گناہ کے بدلے میں دو لاکھ کے قریب جون بھگتنی پڑے اور پھر اس گناہ سے فراغت ہو کر دوسرے گناہ کی سزا نئے سرے سے شروع ہو اور ایک طرف بندہ سزائیں پاتا جائے اور ایک طرف نئے گناہ جو اس کی فطرت کو لگے ہوئے ہیں اور ہر دم اور ہر لحظہ اس سے صادر ہو رہے ہیں انبار کے انبار جمع ہوتے جائیں۔ پس جبکہ حقیقت گناہ یہ ہے اور اس سے مخلصی پانا عندالعقل محال ہے تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ اگر مکتی پانا اسی بات پر موقوف ہے کہ کسی قسم کا گناہ باقی نہ رہے اور کسی نوع سے خطا صادر نہ ہو سکے تو آریوں کے مکتی پانے کے کوئی لچھن نظر نہیں آتے۔ اور فرض کے طور پر اگر مان بھی لیں کہ کوئی آریہ ان سب شرائط کو پورا کر کے کسی زمانہ

﴿۱۰۷﴾ میں مکتی پا جائے گا تو پھر بھی مکتی پانا نہ پانا اس کا برابر ہوگا کیونکہ صرف تھوڑے عرصہ تک مکتی خانہ میں پتھر کی طرح پڑا رہے گا۔ اور پھر جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں پرمیشر اپنی تلوّن مزاجی سے اس پر ناحق ناراض ہوکر سخت ذلیل اور رسوا کر کے اس کو باہر نکال دے گا اور چوروں کی طرح ہاتھوں میں اس کے مجبوری کی ہتھکڑی ہوگی اور پاؤں میں روک کا زنجیر اور گردن میں پرمیشر کی خفگی کا ایک بڑا لمبا رسّا ہوگا اور پھر اس نیک بخت کو خواہ وہ اوتار ہو یا کوئی ایسا رشی ہو جس پر کوئی وید اترا ہے یا کوئی دوسرا رکھی منی یا بھگت غرض کوئی ہو اس کو کھینچتے کھینچتے دنیا کے اسی گڑھے میں الٹا کر پھینک دیں گے جس سے وہ بیچارہ کروڑوں برس بلکہ ہزاروں ارب تک جان مار کر اور رو پیٹ کر اتفاقاً نکل آیا تھا یہ آپ لوگوں کا پرمیشر ہے اور یہ اس کی مکتی ہے اور یہ اس کا انعام واکرام ہے اور یہ اس کا ابتدا و انجام ہے۔ سو ایسے پرمیشر کو دور سے ہی سلام ہے۔ ایسے پرمیشر کے یہ شعر مطابق حال ہے۔

با دوستاں چہ کردی کہ کنی بدیگراں ہم حقّا کہ واجب آمد زِ تو احتراز کردن

اور اگر ماسٹر صاحب کا اعتراض سے یہ مطلب ہے کہ اسلامی بہشت میں صرف دنیوی نعمتوں کا ذکر ہے وصال الٰہی اور روحانی لذّات کا کہیں ذکر نہیں تو ہم اس جھگڑے کے فیصلہ کرنے کے لئے یہ عمدہ طریق سمجھتے ہیں کہ ماسٹر صاحب کسی اخبار کے ذریعہ سے پُختہ طور پر ہم کو یہ اطلاع دیں کہ ہاں میری یہی رائے ہے کہ قرآن شریف میں وصالِ الٰہی اور لذّاتِ روحانی کا کہیں ذکر نہیں مگر وید میں ایسا بہت کچھ ذکر ہے تو اس صورت میں ہم وعدہ کرتے ہیں کہ صرف تین یا چار ہفتہ تک ایک مستقل رسالہ اسی بارہ میں بغرض مقابلہ وید و قرآن طیّار کر کے جہاں تک ہو سکے بہت جلد چھپوا دیں گے اور سو روپیہ بطور انعام ایک نامی اور فاضل برہمو صاحب کے پاس جو آریوں کے بھائی بند ہے امانت رکھ دیں گے پھر اگر ماسٹر صاحب بپابندی اپنے چاروں ویدوں کی سنگتا کے جن کو وہ الہامی

﴿۱۰۸﴾ سمجھتے ہیں روحانی لذّات اور وصال ربّانی کے بارے میں جو نجات یابوں کو حاصل ہوگا۔ قرآن شریف کا مقابلہ کر کے دکھلاویں اور وہ برہمو صاحب اس کی تائید اور تصدیق کریں تو وہ سو روپیہ ماسٹر صاحب کا ہوگا ورنہ بجائے اس سو روپیہ کے ہم ماسٹر صاحب سے کچھ نہیں مانگتے صرف یہی شرط کرتے ہیں کہ مغلوب ہونے کی حالت میں ایسے وید سے جو بار بار انہیں ندامت دلاتا ہے دست بردار ہو کر اسلام کی سچی راہ کو اختیار کر لیں۔ (یار غالب شو کہ تا غالب شوی) اور اگر ماسٹر صاحب اس رسالہ کی اشاعت کے بعد ایک ماہ تک خاموش رہے اور ایسا مضمون کسی اخبار میں اور نہ اپنے کسی رسالہ میں شائع کیا تو اے ناظرین آپ لوگ سمجھ جائیں کہ وہ بھاگ گئے۔

رہا یہ اعتراض کہ شراب جو دنیا میں بھی ممنوعات اور محرمات میں سے ہے وہ کیونکر بہشت میں روا ہو جائے گی۔ اس کا جواب وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ فرمایا ہے کہ بہشتی شراب کو اس دنیا کی فساد انگیز شرابوں سے کچھ مناسبت نہیں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا۔[۱] اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۔عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا۔[۲] یعنے جو لوگ بہشت میں داخل ہوں گے ان کا خدا ان کو ایک ایسی پاک شراب پلائے گا جو ان کو کامل طور پر پاک کر دے گی۔ نیک لوگ وہ جام پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہے یعنے ان کے دل وہ شراب پی کر غیر کی محبت سے بکلّی ٹھنڈے ہو جاویں گے۔ وہ کافوری شراب ایک چشمہ ہے جس کو اسی دنیا میں خدا کے بندے پینا شروع کرتے ہیں۔ وہ اس چشمہ کو ایسا رواں کر دیتے ہیں کہ نہایت آسانی سے بہنے لگتا ہے اور وسیع اور فراخ نہریں ہو جاتی ہیں۔ یعنے ریاضاتِ عشقیہ سے سب روکیں ان کی دور ہو جاتی ہیں اور نشیب و فراز بشریت کا صاف اور ہموار ہو جاتا ہے اور جناب الٰہی کی طرف انقطاع کلّی میسر آ کر معارف الٰہیہ میں وسعت تامہ پیدا ہو جاتی ہے اور پھر دوسری جگہ فرماتا ہے۔ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ۔ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ۔[۳]

[۱] الدھر: ۲۲ [۲] الدھر ۶.۷ [۳] الواقعہ: ۱۹.۲۰

﴿۱۰۹﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۔ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ۔ [۱] وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۔ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۔ [۲] وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۔ [۳] اور شراب صافی کے پیالے جو آب زُلال کی طرح مصفی ہوں گے بہشتیوں کو دیئے جائیں گے۔ وہ شراب ان سب عیبوں سے پاک ہوگی کہ دردسر پیدا کرے یا بیہوشی اور بدمستی اس سے طاری ہو۔ بہشت میں کوئی لغو اور بیہودہ بات سننے میں نہیں آئے گی اور نہ کوئی گناہ کی بات سنی جائے گی بلکہ ہر طرف سلام سلام جو رحمت اور محبت اور خوشی کی نشانی ہے سننے میں آئے گا۔ اس دن مومنوں کے مونہہ تروتازہ اور خوبصورت ہوں گے اور وہ اپنے رب کو دیکھیں گے اور جو شخص اس جہان میں اندھا ہے وہ اس جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا بلکہ اندھوں سے بھی گیا گزرا۔ اب ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ وہ بہشتی شراب دنیا کی شرابوں سے کچھ مناسبت اور مشابہت نہیں رکھتی بلکہ وہ اپنی تمام صفات میں ان شرابوں سے مبائن اور مخالف ہے اور کسی جگہ قرآن شریف میں یہ نہیں بتلایا گیا کہ وہ دنیوی شرابوں کی طرح انگور سے یا قند سیاہ اور کیکر کے چھلکوں سے یا ایسا ہی کسی اور دنیوی مادہ سے بنائی جائے گی بلکہ بار بار کلام الٰہی میں یہی بیان ہوا ہے کہ اصل تخم اس شراب کا محبت اور معرفت الٰہی ہے جس کو دنیا سے ہی بندہ مومن ساتھ لے جاتا ہے۔ اور یہ بات کہ وہ روحانی امر کیونکر شراب کے طور پر نظر آجائے گا۔ یہ خدائے تعالیٰ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے جو عارفوں پر مکاشفات کے ذریعہ سے کھلتا ہے اور عقلمند لوگ دوسری علامات و آثار سے اس کی حقیقت تک پہنچتے ہیں۔ روحانی امور کا جسمانی طور پر متمثل ہو جانا کئی مقامات قرآن شریف میں بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ یہ بھی لکھا ہے کہ تسبیح اور تقدیس الٰہی کی باتیں پھلدار درختوں کی طرح متمثل ہوں گی۔ اور نیک اعمال پاک اور صاف نہروں کی طرح دکھلائی دیں گے اسی کی طرف دوسرے مقام میں اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے۔ كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ

[۱] الواقعہ ۲۶۔۲۷ [۲] القیامۃ: ۲۳۔۲۴ [۳] بنی اسرائیل: ۷۳

﴿۱۱۰﴾ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۔ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ [1] یعنے پاک کلمات پاک درختوں سے مشابہت رکھتے ہیں جن کی جڑھ مضبوط ہے اور شاخیں آسمان میں اور ہمیشہ اور ہر وقت تر و تازہ پھل دیتے ہیں۔ ایسا ہی ایک مقام میں اللہ تعالیٰ نے امور ایمانیہ کو باغات سے تشبیہہ دی ہے اور اعمال صالحہ کو نہروں سے جو اس باغ کے نیچے بہتی ہیں اور اس کی جڑوں کو پانی پہنچا کر اس کو تر و تازہ رکھتی ہیں۔ اور ایک جگہ قرآن شریف میں یہ بھی ذکر آیا ہے کہ جب عارف لوگ بہشت میں کسی قسم کی لذت حسّی طور پر پائیں گے تو ان کو یقین ہوگا کہ یہ لذات انہیں روحانی لذّات سے مشابہ ہیں جن کو ہم دنیا میں عشق اور محبت الٰہی کی وجہ سے پاتے تھے ایسا ہی قرآن شریف میں بیسیوں مقامات میں اس بات کا ذکر پایا جاتا ہے کہ عالم آخرت میں جو جسمانی طور پر لذّات بہشتیوں کو دی جائیں گی حقیقت میں وہ سب روحانی لذات کے اظلال و آثار ہوں گے اگر وہ سب مقامات قرآنی بحوالہ آیات اس جگہ لکھے جائیں تو اس رسالہ میں بہت سا طول ہو جائے گا۔ سو ہم جیسا کہ وعدہ کر چکے ہیں ماسٹر مرلیدھر صاحب کی درخواست سے یہ سب امور مفصّل طور پر کسی الگ رسالہ میں تحریر کریں گے۔ اور واضح رہے کہ لذّات روحانی کا جسمانی طور پر متمثل ہونا جو بہشت کی نسبت بیان کیا گیا ہے کوئی ایسا امر نہیں ہے جس کو جدید اور دور از فہم خیال کیا جائے۔ دیکھنا چاہئے کہ عالم رویا یعنے عالم خواب میں بھی (جو اس دوسرے عالم سے بشدت مشابہ ہے گویا اس کی دوسری شاخ ہے) کیسے امور معقولہ محسوس طور پر مشہود ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہر ایک عقلمند انسان اپنے ذاتی تجربہ سے عالم رویا میں معقولات کا محسوسات کے پیرایہ میں متمثل ہونا بخوبی جانتا ہوگا بارہا ہم تم اپنے سرور اور خوشی کی حالت میں جو ایک روحانی امر ہے عالم رؤیا میں ایک نہایت سرسبز باغ دیکھتے ہیں جس میں ہم سیر کر رہے ہیں یا عمدہ میووں کا مشاہدہ کرتے ہیں جن کو ہم کھا رہے ہیں سو حقیقت میں یہ وہی روحانی خوشی اور راحت ہوتی ہے جو جسمانی طور پر ہم کو نظر آجاتی ہے۔ ایسا ہی کبھی غم کی حالت سانپ یا بچھو یا صاعقہ یا کسی

[1] ابراھیم : ۲۵. ۲۶

﴿۱۱۱﴾ درندہ یا زلزلہ کی شکل میں دکھائی دیتی ہے یا ناقص اور مکروہ چیزوں کی صورت میں جیسے پیاز یا مولیاں یا مرچیں یا بدبودار چیزیں یا نجاست آمیز کیچڑ وغیرہ کے رنگ میں نمودار ہوتی ہیں غرض یہ بات محقّقین اور مجرّبین کے مشاہدات کثیرہ متواترہ سے ثابت ہو چکی ہے جس سے فلسفیوں نے بھی اتفاق کر لیا ہے کہ عالم رویا اور عالم آخرت مرایا متقابلہ کی طرح واقعہ ہیں جو کچھ فطرت اور قدرت الٰہی نے عالم خواب میں خواص عجیبہ رکھے ہیں اور جس عجیب طور سے روحانی امور محسوس ومشہود طور پر اس عالم میں دکھائی دیتے ہیں بعینہٖ یہی حال عالم آخرت کا ہے یا یوں کہو کہ عالم خواب عالم آخرت کے لئے اس عکسی آئینہ کی طرح ہے جو ہو بہو فوٹو گراف اتار دکھائے اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ موت اور خواب دو حقیقی بہنیں ہیں جن کا حُلیہ اور شکل اور لوازم اور خواص قریب قریب ہیں اور اگر ہم اسی زندگی دنیا میں عالم آخرت کے کچھ اسرار بغیر ذریعہ الہام اور وحی کے دریافت کر سکتے ہیں تو بس یہی ایک ذریعہ عالم رویا کا ہے سو دانشمندوں کو چاہئے کہ اگر اس عالم کی کیفیت کچھ دریافت کرنا چاہیں تو عالم رویا پر بہت غور اور توجہ کریں کیونکہ جن عجائبات سے یہہ عالم رویا بھرا ہوا ہے اسی قسم کے عجائبات عالم آخرت میں بھی ہیں اور جس طور کی ایک خاص تبدیل وقوع میں آ کر عالم رویا پیدا ہو جاتا ہے اور پھر اس میں یہ عجائبات کھلتے ہیں عالمِ آخرت میں بھی اسی کے مشابہ تبدیل ہے سو جبکہ خدائے تعالیٰ کا قانون قدرت عالمِ رویا میں یہی ہے کہ وہ روحانیات کو جسمانیات سے متمثل کرتا ہے اور معقولات کو محسوسات کا لباس پہناتا ہے سو وہی قانون قدرت دوسرے عالم میں بھی سمجھنا چاہئے اور یہ خیال آریوں کا کہ عالم آخرت میں صرف روح اکیلی رہ جائے گی اور اس کے ساتھ جسم نہیں ہوگا اور لذّتیں بھی صرف روحانی اور معقولی طور پر ہوں گی یہ سراسر تحکّم ہے جس پر کوئی دلیل نہیں یہ بات نہایت صاف اور بدیہی الثبوت ہے کہ انسان ترقیات غیر متناہیہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور ذریعہ ان ترقیات کا اس کی وہ جسمی ترکیب ہے جس کو قادر مطلق

﴿۱۱۲﴾ نے ایسی حکمت کاملہ سے صورت پذیر کیا کہ تکمیل نفس ناطقہ انسان کے لئے عجیب آثار اس سے مترتب ہوئے گویا حکیم مطلق نے روح انسان کو اپنے مراتب عالیہ تک پہنچنے کے لئے ایک ضروری سیڑھی عطا کر دی سو جیسا کہ یہ ظاہر ہے کہ ان مراتب عالیہ کی کوئی انتہا نہیں ایسا ہی یہ بھی ظاہر ہے کہ اس سیڑھی کی بھی ہمیشہ کے لئے ضرورت ہے اور یہ کیونکر ہو سکے کہ وہ ذریعہ ترقیات جس کی ہمیشہ کے لئے روح کو ضرورت ہو اس سے الگ کیا جائے ماسوا اس کے ترقیات تو ایک طرف رہیں علوم حاصل کردہ بھی بغیر شمول جسم کے محفوظ نہیں رہ سکتے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جسم کے ماؤف ہونے کے ساتھ ہی انسانیت کے افعال میں فتور پڑ جاتا ہے۔ مثلاً اگر سر پر کوئی چوٹ لگ جائے تو جس مقام پر اس چوٹ کا صدمہ پہنچے اس مقام کی دماغی قوت ساتھ ہی خلل پذیر یا معطّل ہو جاتی ہے اگر کسی کو شک ہو تو تجربہ کر کے دیکھ لے پس جبکہ صدور افعال انسانیت کے لئے جسم کی صحت و درستی نہایت ضروری ہے اور جسمی اختلال کو روحانی اختلال لازم پڑا ہوا ہے تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ہماری روح بغیر شمول جسم کے انسانی لوازم اور کمالات اور حفظ کمالات کا مظہر و مصدر نہیں ہو سکتی ہم دنیا میں صریح دیکھتے ہیں کہ جسم کے آفت زدہ ہونے سے روحانی کاروبار میں ابتری واقع ہو جاتی ہے۔ مجانین یعنے سودائیوں اور پاگلوں کی جب جسمی حالت درست نہیں رہتی اور دماغی اعتدال میں کچھ فرق واقع ہو جاتا ہے تو مجرد روح کے ہونے سے افعال انسانیت ہرگز ان سے صادر نہیں ہو سکتے۔ بعض آدمیوں کو دماغی فتوروں سے اس قدر متاثر دیکھا گیا ہے کہ تمام علوم یک دفعہ ان کو بھول گئے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنا نام بھی یاد نہیں رہا اور بار بار دوسروں سے پوچھتے ہیں کہ میرا نام کیا ہے۔ اب جبکہ ایک تھوڑے سے جسمی خلل سے انسانی افعال میں اس قدر آفتیں پیدا ہو جاتی ہیں تو ہم کس طور سے یقین کر لیں اور کون سی دلیل ہمارے ہاتھ میں ہے جس سے ہم اس بات کے باور کرنے کے لئے بکلی تیار ہو جائیں کہ جب روح جسم سے قطعی طور پر الگ ہو جائے گی

﴿۱۱۳﴾ تب اس مفارقت تامہ سے کوئی ضرر انسانی کمالات کے عائد حال نہیں ہوگا ہم جانتے ہیں کہ ضرور ہوگا تجارب طبّی ہمارے لئے دلیل کافی ہے یعنی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اختلال جسمانی اختلال روحانی کا موجب ہے اور جسمانی صحت یا مرض کو روحانی صلاح یا فساد پر ایک قوی اثر ہے اب جو شخص اس بدیہی دلیل کے برخلاف رائے رکھتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ انسانیت کاملہ کے خواص بلا ترکیب جسم جیسا کہ چاہیئے کہ مجرد روح سے صادر ہو سکتے ہیں تو بار ثبوت اسی کی گردن پر ہے جس سے وہ کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتا کیونکہ محققین کے تجارب اس بات کی تائید میں انتہا تک پہنچ گئے ہیں کہ صدور افعال کاملہ انسانیت کے لئے ترکّبِ جسم مع الروح ضروری ہے اور جب جسم آیا تو جسمانی لوازم بھی ساتھ آئیں گے۔ ہاں چونکہ وہ بہشتی جسم ایک لطیف اور نورانی بدن ہوگا اس لئے اس کے لوازم بھی لطیف اور نورانی ہی ہوں گے۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ قریب بقیاس اور قانون قدرت کے موافق اور دلائل طبعیہ اور طبّیہ سے تائید یافتہ اور ثابت شدہ وہ بہشت ہے جس کو قرآن شریف نے نہایت پاکیزگی سے بیان کیا ہے اور براہین شافیہ سے اس کا ثبوت دیا ہے یا وہ وہمی اور خلاف قیاس اور منحوس مکتی خانہ جس کا وید میں ذکر ہے یعنے یہ کہ مجرّد روحیں پتھر کی طرح پڑی رہیں گی اور پھر کچھ عرصہ کے بعد مکتی خانہ سے باہر نکالی جائیں گی۔ کیا انسان کی انتہائی سعادت یہی ہے کہ وہ مجرد روح رہ کر ان بابرکت اور نہایت مفید حواس کو کھو بیٹھے جو اس کی غیر متناہی ترقیات کا موجب ہیں اور پھر اس پر بھی کفایت نہیں بلکہ مصیبت پر مصیبت یہ کہ انجام کار مکتی خانہ سے ذلیل کر کے نکالا جائے انصاف کرنا چاہیئے کہ کیا ایسی نامعقول مکتی پر کوئی فلسفی برہان قائم ہوسکتی ہے اور کیا اس جہان میں اور اس زندگی میں کوئی شافی دلیل ہم کو اس بات پر مل سکتی ہے کہ افعال کاملہ انسانیت جو قویٰ ظاہری و باطنی سے وابستہ اور دماغی حواسوں سے ظہور پذیر ہیں وہ مجرد روحوں سے صادر ہو سکتے ہیں اگر کسی آریہ کے نزدیک کوئی ایسی

﴿۱۱۴﴾ دلیل پائی جاتی ہے جس سے یہ ثبوت مل سکے تو کس وقت کے لئے مخفی رکھی ہے واجب ولازم ہے کہ پیش کریں۔ خاص کر ماسٹر مرلیدھر صاحب جو وید کے غایت درجہ کے ثنا خوان ہیں اور بقول شخصے کہ دیکھا نہ بھالا صدقے گئی خالہ۔ پہلے اس سے کہ ویدوں کی حقیقت معلوم کریں یوں ہی وید وید کررہے ہیں۔ ان پر تو فرض ہے کہ ضرور اس جگہ وید کا فلسفہ پیش کریں۔ تا وید کی ڈوبتی ہوئی کشتی کا کوئی گوشہ باقی رہ جائے۔

ندارد کسے باتو نا گفتہ کار ولیکن چو گفتی دلیلش بیار

قولہ ۔ مرزا صاحب اپنے اعتراض کی تفصیل اس طرح فرماتے ہیں کہ اگر تمام ارواح کو اور ایسا ہی اجزاء صغار اجسام کو قدیم اور انادی اور غیر مخلوق مانا جائے تو اس میں کئی قباحتیں ہیں منجملہ ان کے ایک تو یہ کہ خدائے تعالیٰ کے وجود پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوسکتی کیونکہ جس حالت میں ارواح یعنے جیو خود بخود موجود ہیں اور ایسا ہی اجزاء صغار بھی خود بخود ہیں تو پھر صرف جوڑنے جاڑنے سے ضرورت صانع کی ثابت نہیں ہوسکتی بلکہ ایک دہریہ بھی جو خدائے تعالیٰ کا منکر ہے عذر پیش کرسکتا ہے کہ جس حالت میں تم نے دو چیزوں کا خود بخود ہونا بغیر ایجاد پرمیشر کے آپ ہی مان لیا ہے تو پھر اس بات پر کیا دلیل ہے کہ جوڑنے جاڑنے کے لئے پرمیشر کی حاجت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی باتیں وہ لوگ کہتے ہیں کہ جن کو نہ تو روح کی ہی کیفیت معلوم ہے کہ وہ کیا ہے اور نہ مادہ کی ہی کیفیت کہ وہ کیا چیز ہے۔

اقول ۔ واہ کیا عمدہ جواب دیا ہے۔ اگر ماسٹر صاحب کسی عدالت کے جج ہوں تو خوب ہی پُر بہار فیصلہ لکھیں ماسٹر صاحب کی عقل عجیب کے نزدیک جو لوگ خداوند ذوالجلال قادر مطلق کو جمیع عالم کا صانع سمجھتے ہیں اور ہر یک فیض کا مبداء اور ہر یک وجود کا موجد و قیوم اور ہر یک سلسلہ کا منتہا اسی کو قرار دیتے ہیں اور بغیر اس کے ظاہر کرنے کے کسی چیز کا ظہور خود بخود نہیں مانتے اور بغیر اس کے پیدا کرنے کے کسی چیز کا اپنے آپ ہی پیدا ہوجانا تسلیم نہیں کرتے بلکہ سب چیزوں کا مبدء و مرجع اسی کو جانتے ہیں اور جمیع اجزاء

﴿۱۱۵﴾ عالَم کی نسبت یہی اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ اسی کی ایجاد سے موجود اور اسی کے سہارے سے قائم اور اسی کے رشحاتِ فیض سے پرورش یاب ہے اُن کو نہ روح کی کچھ کیفیت معلوم ہے نہ مادہ کی بلکہ بقول ماسٹر صاحب یہ معرفت روح اور مادہ کی انہیں لوگوں کے حصہ میں آ گئی ہے کہ جو اپنی روحوں اور اپنے جسمی مادہ کو خدائے تعالیٰ کی طرح غیر مخلوق اور اپنے اپنے وجود کے آپ ہی خدا خیال کرتے ہیں۔ اے لالہ صاحب؟ اگر آپ غیر مخلوق ہو کر اپنے پرمیشر سے مساوی ہیں تو پھر اپنی خدائی کچھ دکھلایئے یا اپنی روح کے غیر متناہی زمانوں کی کوئی کہانی ہی سنایئے ورنہ اگر نرا دعویٰ ہی دعویٰ ہے تو پھر اس فضول گوئی کا ثبوت کیا ہوا۔ ہم نہیں جانتے کہ یہ گیان آپ نے کہاں سے حاصل کیا ہے۔ اگر وید کی یہی تعلیم ہے تو پھر منادی کیوں نہیں کرا دیتے کہ آریوں کا پرمیشر روحوں کے پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ افسوس آپ لوگ کیوں نہیں سمجھتے کہ خدا ایسا چاہئے جو اپنی خدائی کے کام چلانے میں کسی غیر کے اتفاقی وجود کا محتاج نہ ہو بلکہ جن چیزوں پر وہ خدائی کرتا ہو وہ سب اسی کے ہاتھ سے نکلی ہوں۔ ہائے تم پر افسوس تم کیوں نہیں سمجھتے کہ جس کے مقابل پر کروڑہا وجود خود بخود چلے آتے ہیں وہ کاہے کا خدا ہے اور کون سی خدائی اس میں ہے۔ اے نادانوں اور سمجھ کے ناقصو خدا کی کامل اور پوری خوبی کس بات میں ہے آیا اس میں کہ وہ اپنی قدرت سے کچھ نہ کر سکے اور اس کی خدائی دوسروں کے سہارے سے چلتی ہو یا اس بات میں کہ وہ سب کچھ کرتا ہو اور اس کی خدائی اسی کی غیر متناہی طاقتوں سے چلتی ہو۔ ذرا اکیلے بیٹھ کر سوچو؟ اپنے پلنگ پر لیٹے ہوئے ایک خالص فکر کو اس کے گہراؤ تک لے جاؤ؟ کہ خدا کی ضرورتیں کہاں سے اور کہاں تک ہیں؟ بعض آریہ سماج والے ارواح کے غیر مخلوق اور اپنے وجود کے آپ خدا ہونے کے بارے میں یہ دلیل پیش کیا کرتے ہیں کہ اگر ارواح کسی وقت معدوم تھیں اور پھر خدائے تعالیٰ کے پیدا کرنے سے موجود ہوئیں تو گویا نیست سے ہست ہو گیا اور نیستی سے ہستی ہونا ایسی دور از فہم بات ہے کہ کوئی عقلمند

﴿۱۱۶﴾ اس کو نہیں مانے گا مگر میں کہتا ہوں کہ یوں تو فاسد اور ناقص عقل کے مارے ہوئے خدائے تعالیٰ کو بھی نہیں مانتے لیکن جس شخص کی عقل سلیم ہے اس کو تو خدائے تعالیٰ کے ماننے کے ساتھ ہی اس کی وہ تمام صفات بھی ماننی پڑیں گی جو مدار اس کی خدائی اور الوہیت کی ہیں اور جو شخص خدائے تعالیٰ کی اس نہایت ضروری صفت کو مان لے گا کہ وہ قادر مطلق اور بے انتہا طاقتوں کا مالک ہے تو پھر ہرگز اس کی قدرتوں کو اپنی عقل ناقص کے ساتھ موازنہ نہیں کرے گا اور خدائے غیر محدود کی قادرانہ قوتوں کو کسی حدّ خاص میں محدود نہیں جانے گا۔ اور نیز جب ایک عقلمند دیکھے گا کہ خدائے تعالیٰ ایسا اپنی ذات میں مظہر العجائب و بلند تر از احاطۂ فکر و قیاس ہے جو بغیر اسباب آنکھوں کے دیکھتا ہے اور بغیر اسباب کانوں کے سنتا ہے اور بغیر اسباب زبان کے بولتا ہے اور بغیر حاجت معماروں و مزدوروں و نجاروں و آلات عمارت سازی و فراہمی اینٹوں و پتھروں وغیرہ کے صرف اپنے ارادہ اور حکم کے اشارہ سے ایک طرفۃ العین میں زمین و آسمان بنا سکتا ہے تو بے شک اس بات کا یقین بھی کرے گا کہ وہ قادر خدا نیستی سے ہستی بھی کر سکتا ہے یہی تو خدائی ہے اسی وجہ سے تو وہ سرب شکتی مان اور قادر مطلق اور غیر متناہی قدرتوں کا مالک کہلاتا ہے۔ اگر اس کے کام بھی انسانی کاموں کی طرح محتاج باسباب و مواد و اوقات ضروریہ ہوں تو پھر وہ کاہے کا خدا ہوا اور اس کی خدائی کیونکر چل سکے۔ کیا اس کے تمام کام بالاتر از عقل نہیں ہیں؟ کیا اس کی عجائب قدرتیں ایسی نہیں ہیں کہ ان پر نظر ڈال کر عقل ناقص انسانی خیرہ رہ جاتی ہے؟ تو پھر کیسی جہالت ہے کہ جو بات اس کی خدائی کا مدار اور اس کی الوہیت کی حقیقت ہے اسی پر اعتراض کیا جائے۔ اگر اس قسم کے جاہلانہ وہم دل سے اٹھ نہیں سکتے تو پھر ایسے ناکارہ اور عاجز پرمیشر کو ماننا ہی کیا ضرورت ہے۔ اگر خدائے تعالیٰ کی قدرتوں کے باریک بھیدوں پر عقل انسانی محیط ہو سکتی تو گویا خدائی کی ساری کیفیت وکُنہ معلوم ہو جاتی اگر عقلِ انسانی کی نظرِ ناقص کسی صفت ربّانی کے اول آخر پر پھر جائے تو وہ

﴿۱۱۷﴾ صفت محدود ہو جائے گی اور صفت کا محدود ہونا ذات باری کے محدود ہونے کو مستلزم ہے۔ بھلا وہ خدا کیسا ہوا جس کی ساری قدرتوں پر ایک ذرّہ مخلوق محیط ہو جائے۔ اور ایسا پرمیشر کس بات کا پرمیشر ہے کہ اگر وہ کسی اپنے امر متخیّل کو کہے کہ ہو جا تو کچھ بھی نہ ہو۔ خدا تو اسی ذات عجیب القدرت کا نام ہے کہ جو اس کے ارادہ سے سب کچھ ہو جاتا ہے۔ جب وہ اپنے کسی امر مقصود کو کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ فی الفور اس کی قدرت کاملہ سے نقش وجود پکڑ جاتا ہے یہ راز نہایت دقیق معرفت کا نکتہ ہے کہ سب مخلوقات کلمات الٰہیہ ہیں۔ عیسائیوں نے جب اپنی نادانی سے یہ کہنا شروع کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کلمۃ اللہ ہیں یعنے ان کی روح کلمہ الٰہی ہے جو متشکل بروح ہوگئی ہے تو خدائے تعالیٰ نے اس کا یہ حقّانی جواب دیا کہ کوئی بھی ایسی روح نہیں جو کلمۃ اللہ نہ ہو اور مجرد الٰہی حکم سے نہ نکلی ہو قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ [1] اسی کی طرف اشارہ ہے اور یہ بات جو کلمات اللہ بصورت ارواح و دیگر مخلوق جلوہ گر ہو جاتی ہیں یہ خالقیّت کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے اور اسرار الٰہیہ میں سے ایک باریک نکتہ ہے جس کی طرف کسی انسانی عقل کو خیال نہیں آیا اور خدائے تعالیٰ کے پاک اور کامل کلام نے اس کو اپنے الٰہی نور سے منکشف کیا ہے اور اگر ایسا نہ مانا جائے تو خدائے تعالیٰ اپنے ہی کلمہ اور امر سے ارواح اور اجسام کو وجود پذیر کر لیتا ہے۔ تو پھر آخر یہ ماننا پڑے گا کہ جب تک باہر سے اجسام اور روحیں نہ آویں پرمیشر کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ مگر کیا ایسا کم بخت پرمیشر ہو سکتا ہے کہ جو درحقیقت اپنے گھر سے تو دیوالیہ اور مفلس اور تہیدست ہے لیکن کسی عارضی اتفاق سے اس کی خدائی کا دھندا چل رہا ہو۔ اگر پرمیشر ایسا ہی ہے تو سب امیدیں خاک میں مل گئیں اور ایسے پرمیشر پر بھروسہ کرنا بھی بڑا معرض خطر ہوگا۔

اور یہ کہنا کہ خدائے تعالیٰ کی وہی قدرت قابل تسلیم ہے جو ہماری سمجھ میں آ جائے۔ ہم نہیں جانتے کہ اس کا نام جہالت رکھیں یا تعصّب یا دیوانگی۔ اگر خدائے تعالیٰ کی قدرتوں میں یہ بھی شرط ہے کہ انسان کے اندازۂ فہم سے زیادہ نہ ہوں تو بس پھر اس کی قدرتیں

[1] بنی اسرائیل : ۸۶

﴿۱۱۸﴾ ہو چکیں۔ قدرت ربّانی تو اسی کا نام ہے کہ عقل انسانی اس کے اسرار تک نہ پہنچ سکے۔ اگر ہم تم الٰہی قدرتوں کے تمام و کمال حقیقت پر احاطہ کر سکتے ہیں تو گویا ہم نے خدا پر ہی احاطہ کر لیا۔ اے عقل کے نوخریدار و آریو؟ تم کیوں بے فائدہ ان مسائل کے ساتھ سر ٹکراتے ہو جو تمہارے ذہن کی رسائی سے اونچے ہیں۔ ہم اگر عقلمند ہیں تو ہماری عقلمندی یہی ہے کہ ہم خدائے تعالیٰ کی قدرت کے بارے میں صرف اتنا کریں کہ کلی طور پر اس بات کو تحقیق کر کے دیکھ لیں کہ آیا خدائے تعالیٰ کے ان کاموں پر نظر کر کے جو اب تک اس نے کئے ہیں اس بات کا ثبوت پایا جاتا ہے یا نہیں کہ اس کے عجائب کام اور اس کی غرائب قدرت ہماری عقول ناقصہ کے دائرہ سے باہر ہیں اور جس طور سے اس کی ربوبیت اور لایدرک طاقت نے صرف اوقات و حاجت انصار و آلات سے غنی اور بے نیاز ہو کر یہ عالم بنا ڈالا ہے اس طرف خیال دوڑانے سے ہماری عقلوں کے پر جلتے ہیں سو ہماری دانشوری یہی ہے کہ ہم اس کلّی طور کی تحقیق سے سبق حاصل کر لیں اور جزئیات عالم کے ان پیچ در پیچ رازوں کو جو ہمارے اندازۂ عقل اور فہم سے بالاتر ہیں حل کرنے کے لئے اپنے تئیں ناپیدا کنار سمندر میں ڈال کر ہلاک نہ کریں۔

بعض اشخاص یہ کہا کرتے ہیں کہ اگر عقل ہماری اسرار قدرت کو (جو ماخذ علم و حکمت ہیں) سمجھ نہیں سکتی تو پھر وہ کس کام کی ہے اور جا بجا ہم قدرت پر ہی ایمان لا کر اور فکر کو معطّل چھوڑ کر علوم حکمیہ کیونکر حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ ان کو سمجھ کا پھیر لگا ہوا ہے۔ تقریر مذکورہ بالا سے ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بکلی تحقیق و تفتیش سے مونہہ پھیر کر ہر جگہ آمنّا و صدّقنا پر ہی کفایت کرنی چاہئے۔ اور نظر اور فکر کو کہیں اور کسی جگہ کام میں نہیں لانا چاہئے بلکہ ہمارا مطلب و مدعا یہ ہے کہ ایسے امور کی موشگافی اور تہ بینی کی امید سے اپنی عقلوں اور فکروں کو آوارہ مت کرو جو تمہاری بساط سے باہر ہیں۔ کیا یہ سچ نہیں کہ بہتیرے ایسے لوگ ہیں کہ ناجائز فکروں میں پڑ کر اپنی اس معیّن اور مقرر وسعت سے

﴿۱۱۹﴾ جو قدرت نے ان کو دے رکھی ہے باہر چلتے جاتے ہیں اور اپنی محدود عقل سے کل کائنات کے عمیق در عمیق رازوں کو حل کرنا چاہتے ہیں سو یہ افراط ہے جیسے بکلی تحقیق و تفتیش سے مونہہ پھیر لینا تفریط ہے اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے وَ اقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ [1] یعنی اپنی چال میں توسط اختیار کر۔ نہ ایسا فکر کو منجمد کر لینا چاہئے کہ جو ہزارہا نکات و لطائف الٰہیات قابل دریافت ہیں ان کی تحصیل سے محروم رہ جائیں اور نہ اس قدر تیزی کرنی چاہئے کہ ان فکروں میں پڑ جائیں کہ خدائے تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے اور یا اس نے اس قدر ارواح اور اجسام کس طرح بنا لئے ہیں اور یا اس نے کیونکر اکیلا ہونے کی حالت میں اس قدر وسیع عالم بنا ڈالا ہے۔

اور اس جگہ یہ بھی واضح رہے کہ ارواح کا حادث اور مخلوق ہونا قرآن شریف میں بڑے بڑے قوی اور قطعی دلائل سے بیان کیا گیا ہے چنانچہ برعایت ایجاز و اجمال چند دلائل ان میں سے نمونہ کے طور پر اس جگہ لکھے جاتے ہیں۔

اول یہ بات بہ بداہت ثابت ہے کہ تمام روحیں ہمیشہ اور ہر حال میں خدائے تعالیٰ کی ماتحت اور زیر حکم ہیں اور بجز مخلوق ہونے کے اور کوئی وجہ موجود نہیں جس نے روحوں کو ایسے کامل طور پر خدائے تعالیٰ کی ماتحت اور زیر حکم کر دیا ہو سو یہ روحوں کے حادث اور مخلوق ہونے پر اول دلیل ہے۔

دوم یہ بات بھی بہ بداہت ثابت ہے کہ تمام روحیں خاص خاص استعدادوں اور طاقتوں میں محدود اور محصور ہیں جیسا کہ بنی آدم کے اختلاف روحانی حالات و استعدادات پر نظر کر کے ثابت ہوتا ہے اور یہ تحدید ایک مُحدّد کو چاہتی ہے جس سے ضرورت محدّث کی ثابت ہو کر (جو مُحدّد ہے) حدوث روحوں کا بہ پایۂ ثبوت پہنچتا ہے۔

سوم یہ بات بھی کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ تمام روحیں عجز و احتیاج کے داغ سے آلودہ ہیں اور اپنی تکمیل اور بقا کے لئے ایک ایسی ذات کی محتاج ہیں جو کامل اور قادر اور

[1] لقمان : ۲۰

﴿۱۲۰﴾ عالم اور فیاض مطلق ہو اور یہ امر ان کی مخلوقیت کو ثابت کرنے والا ہے۔

چھارم یہ بات بھی ایک ادنیٰ غور کرنے سے ظاہر ہوتی ہے کہ ہماری روحیں اجمالی طور پر ان سب متفرق الٰہی حکمتوں اور صنعتوں پر مشتمل ہیں جو اجرام علوی و سفلی میں پائے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے دنیا باعتبار اپنے جزئیات مختلفہ کے عالم تفصیلی ہے اور انسان عالم اجمالی کہلاتا ہے یا یوں کہو کہ یہ عالم صغیر اور وہ عالم کبیر ہے پس جبکہ ایک جزئی عالم کے بوجہ پائے جانے پر حکمت کاموں کے ایک صانع حکیم کی صنعت کہلاتی ہے تو خیال کرنا چاہئے کہ وہ چیز کیونکر صنعت الٰہی نہ ہوگی جس کا وجود اپنے عجائبات ذاتی کے رو سے گویا تمام جزئیات عالم کی عکسی تصویر ہے اور ہر یک جزئی کے خواص عجیبہ اپنے اندر رکھتی ہے اور حکمت بالغہ ایزدی پر بوجہ اتم مشتمل ہے۔

ایسی چیز جو مظہر جمیع عجائبات صنعتِ الٰہی ہے مصنوع اور مخلوق ہونے سے باہر نہیں رہ سکتی بلکہ وہ سب چیزوں سے اول درجہ پر مصنوعیت کی مہر اپنے وجود پر رکھتی ہے اور سب سے زیادہ تر اور کامل تر صانع قدیم کے وجود پر دلالت کرتی ہے سو اس دلیل سے روحوں کی مخلوقیت صرف نظری طور پر ثابت نہیں بلکہ درحقیقت اجلیٰ بدیہات ہے۔ ماسوا اس کے دوسری چیزوں کو اپنی مخلوقیت کا علم نہیں مگر روحیں فطرتی طور پر اپنی مخلوقیت کا علم رکھتی ہیں ایک جنگلی آدمی کی روح بھی اس بات پر راضی نہیں ہوسکتی کہ وہ خود بخود ہے اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛ [1] یعنے روحوں سے مَیں نے سوال کیا کہ کیا میں تمہارا رب (پیدا کنندہ) نہیں ہوں تو انہوں نے جواب دیا کہ کیوں نہیں یہ سوال و جواب حقیقت میں اس پیوند کی طرف اشارہ ہے جو مخلوق کو اپنے خالق سے قدرتی طور پر متحقق ہے جس کی شہادت روحوں کی فطرت میں نقش کی گئی ہے۔

پنجم جس طرح بیٹے میں باپ اور ماں کا کچھ کچھ حُلیہ اور خوبُو پائی جاتی ہے اسی طرح

[1] الاعراف : ۱۷۳

﴿۱۲۱﴾ روحیں جو خدائے تعالیٰ کے ہاتھ سے نکلی ہیں اپنے صانع کی سیرت وخصلت سے اجمالی طور پر کچھ حصہ رکھتی ہیں اگرچہ مخلوقیت کی ظلمت وغفلت غالب ہوجانے کی وجہ سے بعض نفوس میں وہ رنگ الٰہی کچھ پھیکا سا ہوجاتا ہے لیکن اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ ہر یک روح کسی قدر وہ رنگ اپنے اندر رکھتی ہے اور پھر بعض نفوس میں وہ رنگ بداستعمالی کی وجہ سے بدنما معلوم ہوتا ہے مگر یہ اس رنگ کا قصور نہیں بلکہ طریقہ استعمال کا قصور ہے۔ انسان کی اصلی قوتوں اور طاقتوں میں سے کوئی بھی بری قوت نہیں صرف بداستعمالی سے ایک نیک قوت بری معلوم ہونے لگتی ہے۔ اگر وہی قوت اپنے موقع پر استعمال کی جائے تو وہ سراسر نفع رسان اور خیر محض ہے اور حقیقت میں انسان کو جس قدر قوتیں دی گئی ہیں۔ وہ سب الٰہی قوتوں کے اظلال وآثار ہیں۔ جیسے بیٹے کی صورت میں کچھ کچھ باپ کے نقوش آجاتے ہیں ایسا ہی ہماری روحوں میں اپنے رب کے نقوش اور اس کی صفات کے آثار آگئے ہیں جن کو عارف لوگ خوب شناخت کرتے ہیں اور جیسے بیٹا جو باپ سے نکلا ہے اس سے ایک طبعی محبت رکھتا ہے نہ بناوٹی۔ اسی طرح ہم بھی جو اپنے رب سے نکلے ہیں اس سے فی الحقیقت طبعی محبت رکھتے ہیں نہ بناوٹی اور اگر ہماری روحوں کو اپنے رب سے یہ طبعی و فطرتی تعلق نہ ہوتا تو پھر سالکین کو اس تک پہنچنے کے لئے کوئی صورت اور سبیل نہ تھی سو اگرچہ دلائل مخلوقیت ارواح جن کو اللہ جلّ شانہٗ نے آپ قرآن شریف میں معقولی طور پر بیان کیا ہے اس کثرت سے ہیں کہ اگر وہ سب اس جگہ لکھے جائیں تو خود انہیں دلائل کی ایک بڑی کتاب ہوجائے گی مگر ہم بالفعل اسی قدر پر کفایت کرتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ طالب حق کے لئے اسی قدر کافی ہے۔

اب ہم اس جگہ ماسٹر صاحب کی خدمت میں بادب عرض کرتے ہیں کہ ہم نے روحوں کی مخلوقیت جس سے ان کی کیفیت بکلی ظاہر ہوتی ہے دلائل مندرجہ قرآن شریف کے رو سے

﴿۱۲۲﴾ بقدر کفایت بیان کردی ہے اگر ماسٹر صاحب کا وید بھی کچھ علم الٰہی سے حصہ رکھتا ہے تو انہیں لازم ہے کہ اس وقت بمقابلہ قرآن شریف کے وید کے وہ دلائل عقلیہ پیش کریں جن کی رو سے غیر مخلوق اور غیر محدث ہونا روحوں کا ثابت ہوتا ہے بلکہ اس جگہ ہم مکرر گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ بہتر یوں ہے کہ ماسٹر صاحب بغرض مقابلہ وموازنہ فلسفہ وید وقرآن شریف ہم کو اجازت دیں کہ تا ہم ایک علیحدہ رسالہ روحوں کی مخلوقیت اور ان کی خواص اور قوتوں اور طاقتوں کے بارے میں اور دیگر نکات اور لطائف علم روح کے متعلق اس شرط سے لکھیں کہ کسی بات اور کسی دلیل کے بیان کرنے میں بیانات قرآنی سے باہر نہ جائیں یعنے وہی دلائل و براہین مخلوقیت ارواح پیش کریں جو قرآن شریف نے آپ پیش کئے ہیں اور وہی دقائق ومعارف علم روح لکھیں جو قرآن شریف نے خود لکھے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس ماسٹر صاحب بھی بمقابل ہمارے ایسا ہی کریں یعنے وہ بھی روحوں کی غیر مخلوقیت بدلائل عقلیہ ثابت کرنے اور علم روح کے بیان کرنے میں وید ہی کی شرتیوں کے پابند رہیں اور وہی دلائل وغیرہ تحریر میں لاویں جو وید نے پیش کئے ہیں اور ہم دونوں فریق صرف حوالہ آیت یا شرتی پر کفایت نہ کریں بلکہ اس آیت پر شرتی کو بتمامہ مع ترجمہ و پتہ ونشان وغیرہ تحریر بھی کردیں۔ اس طور کے مباحثہ وموازنہ سے غالب اور مغلوب میں صاف فرق کھل جائے گا اور جو ان دونوں میں سے حقیقت میں خدا کا کلام ہے وہ کامل طور پر ان باتوں میں عہدہ برا ہوگا اور اپنے حریف کو شکست فاش دے گا اور اس کی ذلّت اور رسوائی ظاہر کرے گا۔ لیکن ہم بطور پیشگوئی یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ ایسا مقابلہ وید سے ہونا ہرگز ممکن ہی نہیں کیونکہ وید اپنے بیانات میں سراسر غلطی پر ہے اور وہ بوجہ انسانی خیالات ہونے کے یہ طاقت اور قوت بھی نہیں رکھتا کہ خداوند علیم وحکیم کی پاک وکامل کلام کا مقابلہ کرسکے۔ ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ ہم نے علی التساوی یہ شرط پیش کی ہے یعنے اپنے نفس کے لئے اس طرز کے مقابلہ میں کوئی ایسا فائدہ مخصوص نہیں رکھا جس سے فریقِ ثانی منتفع نہ ہوسکتا

﴿۱۲۳﴾ ہو پس اگر اب بھی ماسٹر صاحب کنارہ کر گئے تو کیا یہ اس بات پر دلیل کافی نہیں ہوگی کہ ان کا ویدان کمالات اور خوبیوں اور پاک سچائیوں سے بکلّی عاری اور خالی ہے۔

قولہ ۔مرزا صاحب اور سب اہل اسلام کا یہی اعتقاد ہے اور قرآن میں آیا ہے کہ جب آنحضرت (محمدؐ صاحب) سے لوگوں نے پوچھا کہ روح کیا چیز ہے تو آپ کچھ نہ بتلا سکے اور اس وقت آیت نازل ہوئی کہ اے محمدؐ کہہ دے کہ روح ایک امر ربّی ہے سو مسلمانوں نے تو روح کو کیا سمجھا ہوگا خدا نے انکے ہادی پر بھی روح کی کیفیت ظاہر نہیں کی اور خدا کا بھی کیا جواب عمدہ ہے کہ روح امر ربی ہے کیا اور چیزیں امر ربّی نہیں۔

اقول اس وقت ماسٹر صاحب کی خوبی فہم اور جلد بازی کا تصور کر کے مجھے ایک حکایت یاد آ گئی ہے کہ ایک ایسا شخص کسی شہر میں تھا جو ہمیشہ چپ رہا کرتا تھا آخر اس کی خاموشی سے لوگ اس وہم میں پڑ گئے کہ یہ کوئی بڑا فاضل اور دانشمند ہوگا۔اسی خیال سے ایک جماعت کثیر اس کی خدمت میں حاضر رہنے لگی۔ایک دن اس شخص نے اپنے دل میں سوچا کہ مجھے اپنی عقلمندی ظاہر کرنے کے لئے کچھ بولنا چاہئے سو جب اس نے دو چار باتیں ہی مونہہ سے نکالیں تو تمام لوگ سمجھ گئے کہ اگر اس شہر میں کوئی اور نادان بھی ہے تو اس سے بڑھ کر کبھی نہ ہوگا۔تب اس کے اردگرد سے سب بھاگ گئے اور ساری جماعت متفرق ہوگئی اور وہ اکیلا رہ کر بہت دردمند ہوا۔بڑی مصیبت سے ایک رات کاٹی صبح ہوتے ہی اس شہر سے کہیں کو چلا گیا اور جاتے وقت ایک دیوار پر لکھ گیا کہ اگر میں پہلے اپنی شکل کو آئینہ میں دیکھ لیتا تو نادانی سے اپنا پردہ فاش نہ کرتا۔

اسی طرح ماسٹر صاحب نے بھی اچھا نہیں کیا کہ لاعلمی اور ناواقفیت اور ناسمجھی کی حالت میں اعتراض کرنے کے لئے زبان کھولی۔لالہ صاحب میں آپ کی غلطیوں کی کہاں تک اصلاح کرتا جاؤں آپ نے یہ کس سے سن لیا کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے علم روح نہیں دیا گیا تھا اور آپ نے

﴿۱۲۴﴾ قرآن شریف میں کس جگہ اور کہاں دیکھ لیا کہ حضرت ممدوح روح کے علم سے بے خبر تھے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کو اپنی عقل ناتمام کی شامت سے اس آیت کے سمجھنے میں دھوکا لگا ہے جو قرآن شریف میں وارد ہے اور وہ یہ ہے وَ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا [1] الجزو ۱۵ سورہ بنی اسرائیل اور کفّار تجھ سے (اے محمدؐ) پوچھتے ہیں کہ روح کیا ہے اور کس چیز سے اور کیونکر پیدا ہوئی ہے۔ ان کو کہہ دے کہ روح میرے ربّ کے امر میں سے ہے اور تم کو اے کافرو علم روح اور علم اسرار الٰہی نہیں دیا گیا مگر کچھ تھوڑا سا۔ سو اس جگہ اے ماسٹر صاحب آپ کو اپنے نقصان فہم سے یہ غلطی لگی کہ آپ نے اس عبارت کا مخاطب (کہ تم کو علم روح نہیں دیا گیا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھ لیا حالانکہ لفظ مَا اُوْتِیْتُمْ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ تم کو نہیں دیا گیا جمع کا صیغہ ہے جو صاف دلالت کر رہا ہے جو اس آیت کے مخاطب کفار ہیں کیونکہ ان آیات میں جمع کے صیغہ سے کسی جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب نہیں کیا گیا بلکہ جابجا واحد کے صیغہ سے خطاب کیا گیا ہے اور جمع کے صیغہ سے کفار کی جماعت کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایسا سوال کرتے ہیں سو اگر کوئی نرا اندھا نہ ہو تو سمجھ سکتا ہے کہ ان دونوں آیتوں میں دو جمع کے صیغے وارد ہیں۔ اول یَسْئَلُوْنَ یعنی سوال کرتے ہیں۔ دوم مَا اُوْتِیْتُمْ یعنے تم نہیں دیئے گئے اور جیسا کہ ظاہر ہے کہ یَسْئَلُوْنَ کے صیغہ جمع سے مراد کافر ہیں جنہوں نے روح کی کیفیت کے بارے میں سوال کیا تھا۔ ایسا ہی ظاہر ہے کہ مَا اُوْتِیْتُمْ کے صیغہ جمع سے بھی مراد کافر ہی ہیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو کسی جگہ جمع کے صیغہ سے خطاب نہیں کیا گیا بلکہ اول مجرّد کاف سے جو واحد پر دلالت کرتا ہے خطاب کیا گیا یعنے یہ کہا گیا کہ تجھ سے کفار پوچھتے ہیں یہ نہیں کہا گیا کہ تم سے کفار پوچھتے ہیں۔ پھر بعد اس کے ایسا ہی لفظ واحد سے فرمایا کہ ان کو کہہ دے یہ نہیں فرمایا کہ ان کو کہہ دو برخلاف بیان حال کفار کے کہ ان کو دونوں موقعوں پر جمع کے صیغے سے بیان کیا ہے سو آیت کے سیدھے سیدھے معنے جو سیاق سباق کلام سے سمجھے جاتے

[1] بنی اسرائیل : ۸۶

﴿۱۲۵﴾ ہیں اور صاف صاف عبارت سے نکلتے ہیں یہی ہیں کہ اے محمدؐ کفار تجھ سے روح کی کیفیت پوچھتے ہیں کہ روح کیا چیز ہے اور کس چیز سے پیدا ہوئی ہے سو ان کو کہہ دے کہ روح امر ربی ہے یعنے عالم امر میں سے ہے اور تم اے کافرو کیا جانو کہ روح کیا چیز ہے کیونکہ علم روح حاصل کرنے کے لئے ایماندار اور عارف باللہ ہونا ضروری ہے مگر ان باتوں میں سے تم میں کوئی بھی بات نہیں۔

اب ہر یک منصف سمجھ سکتا ہے کہ نادانی اور شتاب کاری کی آمیزش سے کیا کیا ندامتیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ غور کرنا چاہئے کہ ان آیات شریفہ متذکرہ بالا کا کیسا مطلب صاف صاف تھا کہ کفار کی ایک جماعت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے بارے میں سوال کیا کہ روح کیا چیز ہے تب ایسی جماعت کو جیسا کہ صورت موجودہ تھی بصیغہ جمع مخاطب کر کے جواب دیا گیا کہ روح عالم امر میں سے ہے یعنے کلمۃ اللہ یا ظلّ کلمہ ہے جو بحکمت و قدرت الٰہی روح کی شکل پر وجود پذیر ہو گیا ہے اور اس کو خدائی سے کچھ حصہ نہیں بلکہ وہ درحقیقت حادث اور بندہ خدا ہے اور یہ قدرت ربّانی کا ایک بھید دقیق ہے۔ جس کو تم اے کافرو سمجھ نہیں سکتے۔☆ مگر کچھ تھوڑا سا جس کی وجہ سے تم مکلّف بایمان ہو۔

☆ **حاشیہ** یہ ایک سرّ ربوبیت ہے جو کلمات اللہ سے مخلوقات الٰہی پیدا ہو جاتی ہے اس کو اپنی اپنی سمجھ کے موافق ہر یک شخص ذہن نشین کر سکتا ہے چاہے اس طرح سمجھ لے کہ مخلوقات کلمات الٰہی کے اظلال و آثار ہیں یا ایسا سمجھ سکتا ہے کہ خود کلمات الٰہی ہی ہیں جو بقدرت الٰہی مخلوقیت کے رنگ میں آجاتے ہیں کلام الٰہی کی عبارت ان دونوں معنے کے سمجھنے کے لئے وسیع ہے اور بعض مواضع قرآن کی ظاہر عبارت میں مخلوقات کا نام کلمات اللہ رکھا گیا ہے جو تجلّیات ربوبیّت ہے بقدرت الٰہی لوازم و خواص جدیدہ حاصل کر کے حدوث کے کامل رنگ سے رنگین ہو گئے ہیں اور درحقیقت یہ ایک سر ان اسرار خالقیت میں سے ہے جو عقل کے چرخ پر چڑھا کر اچھی طرح سمجھ میں نہیں آسکتے اور عوام

﴿۱۲۶﴾ تمہاری عقلیں بھی دریافت کرسکتی ہیں۔ اس کھلے کھلے مطلب کے سمجھنے میں ماسٹر صاحب نے کتنی بڑی غلطی کھائی ہے اور یہ سمجھ بیٹھے کہ گویا یہ خطاب لاعلمی کیفیت روح کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے لاحول ولا قوۃ پتھر پڑیں ایسی سمجھ پر کاش ماسٹر صاحب نے کچھ تھوڑی سی عربی پڑھی ہوتی یا کچھ تھوڑا سا قاعدہ نحوصرف کا ہی دیکھا ہوتا اے صاحب ذرا آنکھ کھول کر دیکھو کہ روح کی کیفیت پوچھنے والے کون لوگ تھے۔ وہ تو آپ کے ہی بھائی بند یعنے منکرین دین اسلام تھے انہیں کو تو یہ جواب دیا گیا تھا کہ روح عالم امر میں سے ہے اور تم ان الٰہی بھیدوں کو اے کافرو کیا جانو ایمان لاؤ تا تمہیں روح کی کیفیت اور اس کے علوم معلوم ہوں اور یہ جو خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ روح عالم امر میں سے ہے جس پر ماسٹر صاحب نے اپنی خوش فہمی سے جھٹ پٹ اعتراض بھی کر دیا یہ ایک بڑی بھاری صداقت کا بیان ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ ربوبیّتِ الٰہی دو طور سے ناپیدا چیزوں کو پیدا کرتی ہے اور

بقیہ حاشیہ

﴿۱۲۶﴾ کے لئے سیدھا راہ سمجھنے کا یہی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کرنا چاہا وہ ہوگیا اور سب کچھ اسی کا پیدا کردہ اور اسی کی مخلوق اور اسی کے دست قدرت سے نکلا ہوا ہے۔ لیکن عارفوں پر کشفی طور سے بعد مجاہدات یہ کیفیّت حدوث کھل جاتی ہے اور نظر کشفی میں کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام ارواح واجسام کلمات اللہ ہی ہیں۔ جو حکمت کاملہ الٰہی پیرایہ حدوث ومخلوقیت سے متلبس ہوگئے ہیں مگر اصل محکم جس پر قدم مارنا اور قائم رہنا ضروری ہے یہ ہے کہ ان کشفیات ومعقولات سے قدر مشترک لیا جائے یعنے یہ کہ خدائے تعالیٰ ہر یک چیز کا خالق اور مُحدث ہے اور کوئی چیز کیا ارواح اور کیا اجسام بغیر اس کے ظہور پذیر نہیں ہوئی اور نہ ہوسکتی ہے کیونکہ کلام الٰہی کی عبارت اس جگہ درحقیقت ذوالوجوہ ہے اور جس قدر قطع اور یقین کے طور پر قرآن شریف ہدایت کرتا ہے وہ یہی ہے کہ ہر یک چیز خدائے تعالیٰ سے ظہور پذیر و وجود پذیر

﴿۱۲۷﴾ دونوں طور کے پیدا کرنے میں پیدا شدہ چیزوں کے الگ الگ نام رکھے جاتے ہیں۔ جب خدائے تعالیٰ کسی چیز کو اس طور سے پیدا کرے کہ پہلے اس چیز کا کچھ بھی وجود نہ ہو تو ایسے پیدا کرنے کا نام اصطلاح قرآنی میں امر ہے اور اگر ایسے طور سے کسی چیز کو پیدا کرے کہ پہلے وہ چیز کسی اور صورت میں اپنا وجود رکھتی ہو تو اس طرز پیدائش کا نام خلق ہے خلاصہ کلام یہ کہ بسیط چیز کا عدم محض سے پیدا کرنا عالم امر میں سے ہے اور مرکب چیز کو کسی شکل یا

بقیہ حاشیہ

﴿۱۲۷﴾ ہوئی ہے اور کوئی چیز بغیر اس کے پیدا نہیں ہوئی اور نہ خود بخود ہے سو اس قدر اعتقاد ابتدائی حالت کے لئے کافی ہے پھر آگے معرفت کے میدانوں میں سیر کرنا جس کو نصیب ہوگا اس پر بعد مجاہدات خود وہ کیفیت کھل جائے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا[1] یعنی جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کریں گے ہم ان کو وہ اپنی خاص راہیں آپ دکھلا ویں گے جو مجرّد عقل اور قیاس سے سمجھ میں نہیں آسکتیں اور درحقیقت خدائے تعالیٰ نے اپنے عجیب عالم کو تین حصہ پر منقسم کر رکھا ہے۔

(۱) عالم ظاہر جو آنکھوں اور کانوں اور دیگر حواس ظاہری کے ذریعہ اور آلات خارجی کے توسل سے محسوس ہوسکتا ہے۔

(۲) عالم باطن جو عقل اور قیاس کے ذریعہ سے سمجھ میں آسکتا ہے۔

(۳) عالم باطن در باطن جو ایسا نازک اور لا یدرک وفوق الخیالات عالم ہے جو تھوڑے ہیں جو اس سے خبر رکھتے ہیں وہ عالم غیب محض ہے جس تک پہنچنے کے لئے عقلوں کو طاقت نہیں دی گئی مگر ظن محض۔ اور اس عالم پر کشف اور وحی اور الہام کے ذریعہ سے اطلاع ملتی ہے نہ اور کسی ذریعہ سے اور جیسی عادت اللہ بدیہی طور پر ثابت اور متحقّق ہے کہ اس نے ان دو پہلے عالموں کے دریافت کرنے کے لئے جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے انسان کو طرح طرح کے حواس وقوتیں عنایت کی ہیں۔ اسی طرح اس

[1] العنکبوت : ۷۰

﴿۱۲۸﴾ ہیئت خاص سے متشکل کرنا عالم خلق سے ہے جیسے اللہ تعالیٰ دوسرے مقام میں قرآن شریف میں فرماتا ہے اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط [1] یعنے بسائط کا عدم محض سے پیدا کرنا اور مرکبات کو ظہور خاص میں لانا دونوں خدا کا فعل ہیں اور بسیط اور مرکب دونوں خدائے تعالیٰ کی پیدائش ہے اب ماسٹر صاحب! دیکھا کہ یہ کیسی اعلیٰ اور عمدہ صداقت ہے جس کو ایک مختصر آیت اور چند معدود لفظوں میں خدائے تعالیٰ نے ادا کر دیا۔ اس کے مقابلہ پر اگر آپ وید کے عقیدہ کو

﴿۱۲۸﴾ **بقیہ حاشیہ** تیسرے عالم کے دریافت کرنے کے لئے بھی اس فیّاضِ مطلق نے انسان کے لئے ایک ذریعہ رکھا ہے اور وہ ذریعہ وحی اور الہام اور کشف ہے جو کسی زمانہ میں بکلّی بند اور موقوف نہیں رہ سکتا بلکہ اس کے شرائط بجالانے والے ہمیشہ اس کو پاتے رہے ہیں اور ہمیشہ پاتے رہیں گے۔ چونکہ انسان ترقیات غیر محدودہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور خدائے تعالیٰ بھی عیب بخل و امساک سے بکلّی پاک ہے۔ پس اس قوی دلیل سے ایسا خیال بڑا ناپاک خیال ہے جو یہ سمجھا جائے جو خدائے تعالیٰ نے انسان کے دل میں تینوں عالموں کے اسرار معلوم کرنے کا شوق ڈال کر پھر تیسرے عالم کے وسائل وصول سے بکلّی اس کو محروم رکھا ہے۔ پس یہ وہ دلیل ہے جس سے دانشمند لوگ دائمی طور پر الہام اور کشف کی ضرورت کو یقین کر لیتے ہیں اور آریوں کی طرح چار رشیوں پر الہام کو ختم نہیں کرتے جن کی مانند کوئی پانچواں اس کمال تک پہنچنا ان کی نظر عجیب میں ممکن ہی نہیں بلکہ عقلمند لوگ خدائے تعالیٰ کے فیّاض مطلق ہونے پر ایمان لا کر الہامی دروازوں کو ہمیشہ کھلا سمجھتے ہیں اور کسی ولایت اور ملک سے اس کو مخصوص نہیں رکھتے ہاں اس صراط مستقیم سے مخصوص رکھتے ہیں جس پر ٹھیک ٹھیک چلنے سے یہ برکات حاصل ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہر یک چیز کے حصول کے لئے یہ لازم پڑا ہوا ہے کہ انہیں قواعد

[1] الاعراف : ۵۵

﴿۱۲۹﴾ سوچیں تو جتنا شرمندہ ہوں اتنا ہی تھوڑا ہے اسی وجہ سے تو ہم نے آپ کو ایک خاموش درویش کا قصہ سنایا اگر آپ ایسے ایسے فضول اور خام شبہات کے پیش کرنے سے زبان بند رکھتے تو ہمیں آپ کی حیثیت علمی پر وہ شک نہ پڑتا جواب پڑ گیا ہے۔ بالآخر ہم یہ بھی لکھا چاہتے ہیں کہ اگر ماسٹر صاحب کے دل میں یہ خیال ہے کہ قرآن شریف میں علم روح بیان نہیں کیا گیا اور وید میں بیان کیا گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیفیت روح سے

بقیہ حاشیہ

﴿۱۲۹﴾ اور طریقوں پر عمل کیا جائے جن کی پابندی سے وہ چیز مل سکتی ہے۔ غرض عقلمند لوگ عالم کشف کے عجائبات سے انکار نہیں کرتے بلکہ انہیں ماننا پڑتا ہے کہ جس جوادِ مطلق نے عالم اول کے ادنیٰ ادنیٰ امور کے دریافت کرنے کے لئے انسان کو حواس و طاقتیں عنایت کی ہیں وہ تیسرے عالم کے معظم اور عالی شان امور کے دریافت سے جس سے حقیقی اور کامل تعلق خدائے تعالیٰ سے پیدا ہوتا ہے اور سچی اور یقینی معرفت حاصل ہو کر اسی دنیا میں انوار نجات نمایاں ہو جاتے ہیں کیوں انسان کو محروم رکھتا بے شک یہ طریق بھی دوسرے دونوں طریقوں کی طرح کھلا ہوا ہے اور صادق لوگ بڑے زور سے اس پر قدم مارتے ہیں اور اس کو پاتے ہیں اور اس کے ثمرات حاصل کرتے ہیں عجائبات اس عالم ثالث کے بے انتہا ہیں اور اس کے مقابل پر دوسرے عالم ایسے ہیں جیسے آفتاب کے مقابل پر ایک دانہ خشخاش۔ اس بات پر زور لگانا کہ اس عالم کے اسرار عقلی طاقت سے بکلّی منکشف ہو جائیں یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک انسان آنکھوں کو بند کر کے مثلاً اس بات پر زور لگائے کہ وہ قابل رویت چیزوں کو قوت شامّہ کے ذریعہ سے دیکھ لے بلکہ عجائبات عالم باطن در باطن سے عقل ایسی حیران ہے کہ کچھ دم نہیں مار سکتی کہ یہ کیا بھید ہے۔ روحوں کی پیدائش

﴿۱۳۰﴾ کچھ خبر نہ تھی مگر وید کے چاروں رشیوں کو خبر تھی تو اس بات کا تصفیہ نہایت سہل اور آسان ہے اور وہ یہ ہے کہ ماسٹر صاحب مقابلہ کرنے کے عہد پر ہم کو اجازت دیں تا ہم علم روح کو جو قرآن شریف میں لکھا ہے جس سے معرفت کاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم و کمالیت قرآن شریف ثابت ہوتی ہے ایک مستقل رسالہ میں مرتب کر کے بحوالہ آیات قرآنی شائع کر دیں اور جب یہ رسالہ ہماری طرف سے چھپ کر شائع ہو جائے تو اس وقت ماسٹر صاحب

بقیہ حاشیہ

﴿۱۳۰﴾ پر انسان کیوں تعجب کرے اسی دنیا میں صاحبِ کشف پر ایسے ایسے اسرار ظاہر ہوتے ہیں کہ ان کی کُنہ کو سمجھنے میں بکلی عقل عاجز رہ جاتی ہے۔ بعض اوقات صاحب کشف صدہا کوسوں کے فاصلہ سے باوجود حائل ہونے بے شمار حجابوں کے ایک چیز کو صاف صاف دیکھ لیتا ہے بلکہ بعض اوقات عین بیداری میں باذنہٖ تعالیٰ اس کی آواز بھی سن لیتا ہے اور اس سے زیادہ تر تعجب کی یہ بات ہے کہ بعض اوقات وہ شخص بھی اس کی آواز سن لیتا ہے جس کی صورت اس پر منکشف ہوئی ہے۔ بعض اوقات صاحبِ کشف اپنے عالمِ کشف میں جو بیداری سے نہایت مشابہ ہے ارواح گزشتہ سے ملاقات کرتا ہے اور عام طور پر ملاقات ہر یک نیک بخت روح یا بد بخت روح کے کشف قبور کے طور پر ہو سکتی ہے چنانچہ خود اس میں مؤلّف رسالہ ہذا صاحب تجربہ ہے اور یہ امر ہندوؤں کے مسئلہ تناسخ کی بیخ کنی کرنے والا ہے اور سب سے تعجب کا یہ مقام ہے کہ بعض اوقات صاحب کشف اپنی توجہ اور قوت تاثیر سے ایک دوسرے شخص پر باوجود صدہا کوسوں کے فاصلہ کے باذنہٖ تعالیٰ عالم بیداری میں ظاہر ہو جاتا ہے حالانکہ اس کا وجود عنصری اپنے مقام سے جنبش نہیں کرتا اور عقل کے زور سے ایک چیز کا دو جگہ ہونا محال ہے سو وہ محال اس عالم ثالث میں ممکن الوقوع ہو جاتا ہے اسی طرح صدہا عجائبات کو عارف

﴿۱۳۱﴾ پروا جب ولازم ہوگا کہ اس کے مقابل پر ویدؔ کی شرتیوں کے ساتھ ایک رسالہ مرتب کریں، جس میں روح کے بارے میں وید کی فلاسفی بیان کی گئی ہے کہ وہ کیونکر غیر مخلوق اور خدا کی طرح قدیم اور خدا سے الگ چلی آتی ہے اور اس کے خواص کیا کیا ہیں مگر ہم دونوں فریقوں پر لازم ہوگا کہ اپنی اپنی کتاب سے باہر نہ جائیں اور کوئی خود تراشیدہ خیال پیش نہ کریں۔ بلکہ وہی بات پیش کریں جو اپنی کتاب الہامی نے پیش کی ہے اور اس آیت یا شرتی کو بہ پتہ

بقیہ حاشیہ

﴿۱۳۱﴾ بچشم خود دیکھتا ہے اور ان کور باطنوں کے انکار سے تعجب پر تعجب کرتا ہے۔ جو اس عالم ثالث کے عجائبات سے قطعاً منکر ہیں۔ راقم رسالہ ہذا نے اس عالم ثالث کے عجائبات اور نادر مکاشفات کو قریب پانچ ہزار کے بچشم خود دیکھا اور اپنے ذاتی تجربہ سے مشاہدہ کیا اور اپنے نفس پر انہیں وارد ہوتے پایا ہے۔ اگر ان سب کی تفصیل لکھی جائے تو ایک بڑی بھاری کتاب تالیف ہوسکتی ہے۔ ان سب عجائبات میں سے ایک بڑی عجیب بات یہ ثابت ہوئی ہے کہ بعض کشفی امور جن کا خارج میں نام ونشان نہیں محض قدرت غیبی سے وجود خارجی پکڑ لیتے ہیں اگرچہ صاحبِ فتوحات وفصوص ودیگر اکثر اکابر متصوفین نے اس بارے میں بہت سے اپنے خود گذشت قصّے اپنی تالیفات میں لکھے ہیں لیکن چونکہ دید وشنید میں فرق ہے اس لئے مجرد ان قصوں کی سماعت سے ہم کو وہ کیفیت یقینی حاصل نہیں ہوسکتی تھی۔ جو اپنے ذاتی مشاہدہ سے حاصل ہوئی۔ ایک مرتبہ مجھے یاد ہے کہ میں نے عالم کشف میں دیکھا کہ بعض احکام قضاء وقدر میں نے اپنے ہاتھ سے لکھے ہیں کہ آئندہ زمانہ میں ایسا ہوگا اور پھر اس کو دستخط کرانے کے لئے خداوند قادر مطلق جلّ شانہٗ کے سامنے پیش کیا ہے (اور یاد رکھنا چاہئے کہ مکاشفات اور رویا صالحہ میں اکثر

﴿۱۳۲﴾ خاصؔ معہ ترجمہ لکھ بھی دیں تا کہ ناظرین رائے لگا سکیں کہ آیا وہ بات اس سے نکلتی ہے یا نہیں۔ سو اگر اس شرط سے ماسٹر صاحب مقابلہ کر دکھائیں یا کوئی اور شخص جو آریوں کے ممتاز علماء میں سے ہو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایسے شخص کو خواہ ماسٹر صاحب ہوں یا منشی اندرمن صاحب مرادآبادی یا منشی جیونداس صاحب سیکرٹری آریہ سماج لاہور یا کوئی اور صاحب جو اس گروہ میں مسلّم العلم ہوں سو روپیہ نقد انعام دوں گا اور یہ روپیہ

بقیہ حاشیہ

﴿۱۳۲﴾ ایسا ہوتا ہے کہ بعض صفات جمالیہ یا جلالیہ الٰہیہ انسان کی شکل پر متمثّل ہو کر صاحبِ کشف کو نظر آجاتے ہیں اور مجازی طور پر وہ یہی خیال کرتا ہے کہ وہی خداوند قادر مطلق ہے اور یہ امر ارباب کشوف میں شائع ومتعارف ومعلوم الحقیقت ہے جس سے کوئی صاحب کشف انکار نہیں کر سکتا) غرض وہی صفت جمالی جو بعالم کشف قوت متخیّلہ کے آگے ایسی دکھلائی دی تھی جو خداوند قادر مطلق ہے اس ذات بے چون و بے چگون کے آگے وہ کتاب قضاء وقدر پیش کی گئی اور اس نے جو ایک حاکم کی شکل پر متمثل تھا اپنے قلم کو سرخی کی دوات میں ڈبو کر اول اس سرخی کو اس عاجز کی طرف چھڑکا اور بقیہ سرخی کا قلم کے مونہہ میں رہ گیا اس سے اس کتاب پر دستخط کر دیئے اور ساتھ ہی وہ حالت کشفیہ دور ہوگئی اور آنکھ کھول جب خارج میں دیکھا تو کئی قطرات سرخی کے تازہ بہ تازہ کپڑوں پر پڑے چنانچہ ایک صاحب عبداللہ نام جو سنور ریاست پٹیالہ کے رہنے والے تھے اور اس وقت اس عاجز کے پاس نزدیک ہو کر بیٹھے ہوئے تھے دو یا تین قطرہ سرخی کے ان کی ٹوپی پر پڑے۔ پس وہ سرخی جو ایک امر کشفی تھا وجود خارجی پکڑ کر نظر آ گئی۔ اسی طرح اور کئی مکاشفات میں جن کا لکھنا موجب تطویل ہے مشاہدہ کیا گیا ہے اور اپنے ذاتی تجارب سے ثابت ہو گیا جو بلاشبہ امور کشفیہ کبھی کبھی باذنہٖ تعالیٰ وجود خارجی پکڑتے ہیں یہ امور عقل

﴿۱۳۳﴾ فریق مخالف کی تسلی خاطر کے لئے پہلے ہی کسی فاضل برہمو صاحب کے پاس جیسے بابو نوبین چندر رائے صاحب و پنڈت شیو نارائن صاحب اگنی ہوتری ہیں بطور امانت جمع کرایا جائے گا اور انہیں اختیار ہوگا کہ اگر وہ اپنی رائے میں دیکھیں کہ حقیقت میں آریہ صاحب نے وید کا مقابلہ کر دکھایا تو خود بخود بغیر اجازت ایں جانب وہ روپیہ اس آریہ صاحب کے حوالہ کر دیں۔ لیکن اگر اس مضمون کو پڑھ کر پھر بھی ماسٹر صاحب یا ان کے کوئی دوسرے

بقیہ حاشیہ ﴿۱۳۳﴾ کے ذریعہ سے ہرگز ذہن نشین نہیں ہو سکتے بلکہ جو شخص عقل کے گھمنڈ اور غرور میں پھنسا ہوا ہے وہ ایسی باتوں کو سنتا ہے نہایت تکبّر سے کہے گا کہ یہ سراسر محال اور خیال باطل ہے اور ایسا کہنے والا یا تو دروغگو ہے یا دیوانہ یا اس کو سادہ لوحی کی وجہ سے دھوکا لگا ہے اور یہ باعث نقصان تحقیق بات کی تہ تک پہنچنے سے محروم رہ گیا ہے لیکن افسوس تو یہ ہے کہ ان عقلمندوں کو کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ وہ امور جن کی صداقت پر ہزارہا عارف و راستباز اپنے ذاتی تجارب سے شہادتیں دے گئے ہیں۔ اور اب بھی دیتے ہیں اور صحبت گزین پر ثابت کر دینے کے لئے بفضلہٖ تعالیٰ اپنی ذمہ داری لیتے ہیں کیا وہ ایسے خفیف امور ہیں جو صرف منکرانہ زبان ہلانے سے باطل ہو سکتے ہیں اور حق بات تو یہ ہے کہ عالم کشف کے عجائبات تو ایک طرف رہے جو عالم عقل ہے یعنے جس عالم تک عقل کی رسائی ہونا ممکن ہے اس عالم کا بھی ابھی تک عقل نے تصفیہ نہیں کیا اور لاکھوں اسرار الٰہی پردہ غیب میں دبے پڑے ہیں۔ جن کی عقلمندوں کو ہوا تک نہیں پہنچی۔ ایک فصلی مکھی جو پلید اور ناپاک زخموں پر بیٹھتی ہے اور اکثر گدھے یا بیل وغیرہ جو زخمی اور مجروح ہوں ان کو ستاتی ہے اس کے اس عجیب خاصّہ پر کوئی فلسفی دلیل عقلی نہیں بتلا سکتا کہ وہ اکثر برسات میں تکون کے طور پر پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی اولاد صرف کیڑے ہوتے ہیں کہ جو ایک ایک

﴿۱۳۴﴾ باعلم بھائی خاموش رہے اور مجھ کو بوعدہ مقابلہ ایسے رسالہ کی تالیف کے لئے تحریک نہ کی تو پھر تمام ناظرین کو سمجھنا چاہئے کہ ان کی سب آوازیں طبل تہی ہیں اور صادقوں کے طریق پر وہ چلنا چاہتے ہی نہیں۔ بھلا یہ کیا اوباشانہ طریق ہے اوّل خدائے تعالیٰ کی پاک کلام اور اس کے کامل نبی کی نسبت ہتک اور توہین کے کلمات مونہہ پر لائیں اور جب مقابلہ وید و قرآن کے لئے کہا جائے تو پھر ایسے چپ ہوں کہ گویا دنیا سے کوچ کر گئے۔ ناظرین

﴿۱۳۴﴾ **بقیہ حاشیہ** سیکنڈ میں دس دس بیس بیس تیس تیس اس کے اندر سے نکلتے جاتے ہیں کیا یہ عقل کے برخلاف ہے یا نہیں کہ مادہ اور نَر دونوں نوع واحد میں داخل ہوں اور ان کے بچے ایسے ہوں کہ اس نوع سے بکلّی خارج ہوں۔ ایسا ہی اگر چھپکلی کو (جس کو پنجاب میں کرلی کہتے ہیں) درمیان سے کاٹا جائے تو اس کا نیچے اور اوپر کا دھڑ دونوں الگ الگ تڑپتے ہیں اور مضطربانہ حرکت کرتے ہیں اگر بقول پنڈت دیانند صاحب روح بھی جسم کی قسم ہے تو اس سے ضرور لازم آتا ہے کہ روح دو ٹکڑے ہو گیا ہو اور اگر روح کو جسم اور جسمانی ہونے سے منزّہ خیال کریں اور اس کا تعلق جسم سے ایسا ہی مجہول الکیفیت و برتر از عقل و فہم خیال کریں جیسے روح کا حدوث برتر از عقل و فہم ہے تو پھر البتہ کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ ہاں پنڈت دیانند کا مذہب جڑھ سے اکھڑتا ہے۔ اسی طرح عقلمندوں کی عقل ناقص کی تراش و خراش پر بہت اعتراض اٹھتے ہیں اور ان کو آخر کار نہایت شرمساری سے مونہہ کے بَل گرنا پڑتا ہے اور پھر انجام کار بہت خوار اور ذلیل ہو کر اسی بات کا اقرار کرتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی بے انتہا عجیب و غریب قدرتوں کا احاطہ کرنا انسان کا کام نہیں۔

ہر چہ دانا کند کند ناداں لیک بعد از کمال رسوائی

منہ

﴿۱۳۵﴾ سوچ لیں کہ اس سے بڑھ کر اور کیا صفائی کی بات ہوگی کہ ہم مغلوب ہونے کی حالت میں سو روپیہ نقد دینا وعدہ کرتے ہیں اور غالب ہونے کی حالت میں ہم کچھ بھی نہیں مانگتے صرف یہ امید رکھتے ہیں کہ کوئی روح بے راہی کے طریق سے نادم ہوکر سچائی کا طریق اختیار کرے۔ سو اب ہم منتظر رہیں گے کہ کب لالہ مرلیدھر صاحب یا ان کے کوئی اور آریہ بھائی جو اپنی قوم میں امتیاز علمی رکھتے ہوں ایسی درخواست کریں گے۔ تاسیہ روئے شود ہر کہ دروغش باشد۔

قولہ۔ اسی طرح اسلام نے مادہ کی کیفیت کو بھی نہیں سمجھا اور نہ مادی دنیا کو ہی معلوم کیا کہ زمین وسورج و چاند وغیرہ کیا بستو ہیں زمین جو کہ کرہ ہے اس کی حقیقت اور گردش و کشش وغیرہ جو ہے ان سب کے خلاف ہے سارے مسائل اسلام کے ہیں۔

اقول۔ آپ اس خیال پُر اختلال میں بھی سراسر غلطی پر ہیں اور یہ آپ کا قول بالکل جھوٹ اور افترا یا بے خبری یا بے علمی کا تقاضا ہے جو آپ تعلیم قرآنی کی نسبت ایسا خیال کررہے ہیں بلکہ تعلیم قرآنی میں جیسی واقعی اور حقّانی طور پر کیفیت روح اور اس کے خواص بیان کئے گئے ہیں ایسا ہی زمین وسورج و چاند وغیرہ مادی اشیا کی نسبت قرآن شریف میں صحیح صحیح اور واقعی بیان مندرج ہے اور ایسے بلند وعمیق اسرار طبعی و ہیئت وطبابت و دیگر لطائف فلسفہ اس میں پائے جاتے ہیں جن کی طرف کسی حکیم یا فلسفی کا ذہن سبقت نہیں لے گیا۔ اگر آپ اس میں بھی کچھ آزمائش کرنا چاہیں تو حسب تحریک آپ کے ہم ایک ہی رسالہ میں جیسا کہ قول گزشتہ میں ہم وعدہ کرچکے ہیں بمراد مقابلہ وید و قرآن یہ دونوں طور کے مسائل یعنی مسائل علم روح و مسائل علم اشیائے مادی قرآن شریف سے لے کر بیان کرسکتے ہیں مگر اسی شرط متذکرہ بالا کے رو سے یعنے یہ کہ جس طرح ہم اپنے بیان میں قرآن شریف سے باہر نہ جائیں ایسا ہی بمقابل ہمارے آپ بھی کر دکھائیں اور آپ یاد رکھیں کہ آپ کی ساری باتیں فضول اور نری دعویٰ ہی دعویٰ ہیں۔ ورنہ وید تو خالق اور مخلوق میں بھی فرق نہیں کرسکا پھر دوسری صداقتیں کیا بیان کرے گا ایک وید کا

﴿۱۳۶﴾ دعویٰ تناسخ ہی دیکھیں یعنی جونوں کا مسئلہ کہ کس قدر مخالف طبعی و طبابت و ہیئت ہے بموجب قرارداد وید کے جو لوگ نہایت درجہ کے ذلیل گناہ کرتے ہیں وہ کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض بنتے ہیں اور انسان کی جون انہیں کو ملتی ہے جن کا گناہ کچھ خفیف ہو۔ اب ایک محقق عقلمند سوچ سکتا ہے کہ اگر یہ بات صحیح ہوتی تو اس سے لازم آتا کہ کیڑوں مکوڑوں کا کثرت سے پیدا ہونا ہمیشہ کثرت گناہوں کے تابع ہو حالانکہ یہ بات بہ بداہت نظر سراسر باطل معلوم ہوتی ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ کا قانون قدرت صاف صاف یہی دیکھا جاتا ہے کہ اکثر کیڑے مکوڑے اور مینڈکیں اور چھوٹے چھوٹے پَردار اور دوسرے جانور موسم برسات میں ہی پیدا ہوتے ہیں تو کیا اب یہ خیال ہوسکتا ہے کہ ہمیشہ خلقت خدا کی برسات کے دنوں میں ہی کثرت سے گناہ کرتی ہے کسی اور دنوں میں نہیں کرتی۔ دیکھو یہ عقیدہ کس قدر علم طبعی کے برخلاف ہے۔ ایسا ہی جمیع اطباء کی تحقیقات سے اکثری طور پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مرد اور عورت کی دو منیوں کے ملنے سے لڑکا لڑکی پیدا ہوتا ہے مگر دیانند صاحب فرماتے ہیں کہ وید کے رو سے صرف عورت کا نطفہ موجب حمل ہو جاتا ہے اور روح شبنم کی طرح کسی بوٹی پر گرتی ہے اس کو کوئی عورت کھا کر حاملہ ہو جاتی ہے دیکھو یہ کس قدر منافی مسائل طبابت ہے۔ ایسا ہی وید میں یہ بھی لکھا ہے کہ اندر نے ایک رشی کی لڑکی کو حمل کر دیا بلکہ آپ ہی اس کے پیٹ سے پیدا ہو گیا۔ آپ لوگوں کے بزرگ یہ بھی لکھ گئے ہیں کہ بعض رشی کان کی راہ سے بعض مونہہ کی راہ سے بعض کسی اور دوسرے حیوان کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں ایسا ہی آپ کا وید بہت سے ایسے خواص چاند اور سورج کی طرف منسوب کرتا ہے جن کی زمانہ حال کی نئی تحقیق نے صاف صاف بکمال ثبوت تکذیب کی ہے۔ اگر ہم اس وقت وید سے نقل کر کے جو ہمارے سامنے رکھا ہے ان سب باتوں کو جو خلاف مسائل ثابت شدہ طبعی و طبابت و ہیئت اس میں بھری پڑی ہیں لکھیں تو یہ رسالہ ایک بڑی کتاب ہو جائے گی اس لئے بالفعل ہم ان تمام امور کو اس مستقل رسالہ پر موقوف رکھتے ہیں۔

﴿۱۳۷﴾ جس کا ہم بشرائط متذکرہ بالا وعدہ کر چکے ہیں۔

قولہ۔ آج تک مسلمانوں کو چاند وغیرہ کی حقیقت معلوم نہیں کہ کب نکلتا ہے اور کب چھپتا ہے ایک عید ہی آتی ہے تو سب مسلمان شُبہ میں پڑ جاتے ہیں کہ چاند کون سے دن نکلتا ہے۔

اقول۔ بھلا غنیمت ہے کہ چاند وغیرہ کی حقیقت آپ لوگوں نے تو اچھی طرح سمجھ لی ہے۔ اے ماسٹر صاحب میں نہیں جانتا کہ اس قسم کی بیہودہ اور بے اصل باتوں سے آپ کا مطلب کیا ہے۔ اگر اس نکتہ چینی سے آپ کا مدعا یہ ہے کہ عوام مسلمانوں میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں کہ علوم طبعی و ہیئت سے بے خبر ہیں تو میں کہتا ہوں کہ اس وصف کے عوام الناس کس قوم میں نہیں پائے جاتے بلکہ ہندوؤں کے عوام پر تو گویا سادہ لوحی و ہم پرستی عجائب پرستی ختم ہے ابھی کسی اخبار میں لکھا تھا کہ ایک ہندو صاحب نے ریل کو دیکھ کر جھک کر اسے سجدہ کیا کہ تیرا دھن بل ہے تو ماتا دیوی ہے کیا ان لوگوں کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ ان کو بھی طبعی یا فلاسفی کی بو پہنچی ہے بھلا آپ ہی فرمائیے کہ ایسے خیالات کے مالک قریب قریب حیوانات کے ہیں یا نہیں۔ کیا جو لوگ آفتاب اور ماہتاب سے لے کر زمین کے تمام عناصر بلکہ پتھروں اور بوٹیوں تک بھی پرستش کرتے ہیں ان کو اس فلسفہ حقّہ پر کچھ اطلاع ہے کہ یہ سب چیزیں مخلوق اور ایک صانع قادر کے قبضۂ قدرت میں ہیں نہ کسی کو نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ کچھ نقصان کر سکتی ہیں ایسا ہی جا بجا آریہ صاحبوں کے عوام کیا بلکہ خواص بھی علوم فلسفیہ سے بکلّی بے خبر اور غافل محض پائے جاتے ہیں۔ دیکھو ایک طرف آریہ لوگوں کی فلاسفی یہ بتلاتی ہے کہ گائے جو ایک حیوان ہے مسئلہ اواگون کے رو سے کسی زمانہ میں برہمن کی قوم میں سے یعنی ایک برہمنی تھی اور پھر کسی پلید اور بُرے کام کے ارتکاب سے بعض کہتے ہیں کہ زنا کے باعث سے سزایاب ہو کر گائے کی جون میں آئی۔ اور پھر دوسری طرف دیکھو کہ اسی مجرمہ فاسقہ عورت کے ہندوؤں

﴿۱۳۸﴾ کے خیالات میں کس قدر تعظیم وتکریم جمی ہوئی ہے کہ گویا اسی کی دم پکڑ کر پار ہو جانا ہے۔ یاں تک اس کی بزرگی تسلیم کی جاتی ہے کہ اس کے عوض میں کسی انسان کا خون کرنا ان کے نزدیک کچھ بھی گناہ نہیں بلکہ ثواب کی بات ہے اگرچہ ایسی ایسی حرکات کبھی کبھی اب بھی ہندو لوگ شوخی کی راہ سے کر بیٹھتے ہیں چنانچہ کوکوں کا بمقام امرتسر کئی قصابوں کو بے رحمی سے قتل کرنا ایک ایسا تازہ واقعہ ہے جس میں کچھ زیادہ مدّت نہیں گزری لیکن سکھوں کے عہد حکومت میں تو بڑے زور وشور سے بحکم حکّام ایسی وارداتیں ہوتی تھیں۔ سکھوں کے دور حکومت پنجاب میں پچاس برس کے اندر اندر شروع بھی ہوا اور ختم بھی ہو گیا اس زمانہ کی تحریروں اور واقف کاروں کے بیانات تائیدی سے یہ پُر درد ماجرا معلوم ہوتا ہے کہ اس حیوان کے کسی اتفاقی زخم لگ جانے پر یا کبھی کبھی کسی فاقہ کش کے ہاتھ سے ذبح کئے جانے پر چار ہزار سے کچھ زیادہ مسلمان متفرق مقامات اور دفعات میں زمانہ عملداری سکھوں میں نہایت دردانگیز اور بے رحمی کے طریقوں سے قتل کئے گئے اور جلائے گئے اور پھانسی دیئے گئے اور اس سکھاں شاہی میں ہمیشہ اس منحوس جانور کی حمایت میں ہندوؤں سے ایسی ایسی ہی ظالمانہ حرکتیں ہوتی رہیں یاں تک کہ آخر مظلوموں کی فریاد جناب الٰہی میں سنی گئی اور اس جانور اور اس کے حامیوں پر منعم حقیقی کا غضب بھڑکا اور اس نے عنانِ حکومت ہمیشہ کے لئے ہر یک زمان ومکان سے ان کے ہاتھ سے چھین لی اور ایک ایسی مہذب قوم کو ابر رحمت کی طرح دور سے لایا جس میں انسان اور حیوان میں فرق کرنے کی لیاقتیں موجود تھیں اور جس کو قابلیت رعیّت پروری و مُلک داری وقدر شناسی اشرف المخلوقات حاصل تھی اس قومِ فاتح اور قابلِ شکر (یعنی گورنمنٹ برطانیہ) کی حکومت پنجاب میں قائم ہونے سے سب مسلمان اس عذاب سے رہائی پا گئے کہ جو بنی اسرائیل کی طرح ایک مدّت مدید سے سکھوں اور ہندوؤں کے ہاتھ سے اٹھاتے تھے اور وہ ہزار ہا شریف انسانوں کے خون جو اس ایک حیوان کے عوض میں اس پر ظلم

﴿۱۳۹﴾ حکومت میں بہائے گئے تھے اسی طرح ان ظالم سرداروں کا نام ونشان بھی نہ رہا اور آخر ان کے خونوں سے بھی زمین سرخ ہوگئی اور گائے پر بھی جو کچھ بہ غضب الٰہی وارد ہوا اور اب تک ہمیشہ کے لئے وارد ہو رہا ہے اس کے بیان کرنے کی تو کچھ حاجت ہی نہیں۔ تا دل مردان حق نامد بدرد+ ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد۔ اب دیکھو کہ ایک لایعقل حیوان کو انسان سے بہتر جاننا اور پہلے آپ ہی اس حیوان کو ایک فاسقہ عورت کی بگڑی ہوئی جون قرار دینا اور پھر اس کی ایسی عزّت کرنا کہ اس کے ادنیٰ زخم پر ہزار ہا انسانوں کے خون کرنے کو تیار ہو جانا یہ کس قسم کی فلاسفی ہے۔ اگر تلاش کرو تو تمام دنیا میں ایسا وحشیانہ جوش ایک حیوان کے لئے کسی قوم میں ہرگز پایا نہیں جائے گا جیسا کہ ہندوؤں کو گائے کے لئے ہے۔ بعض متعصب برہمنوں کو یہ بھی کہتے سنا ہے کہ اصل میں گائے کا جرم تو خفیف ہی تھا مگر پرمیشر نے اس کو کسی مصلحت سے سخت سزا دے دی۔ شاید یہ پردہ پوشی اور پرمیشر کو ظالم ٹھہرانا اس خیال سے ہے کہ ان کے مجنونانہ زعم میں گائے دراصل انہیں کی بہن یعنے برہمنی ہے اور برہمن ویدوں کے رو سے ایک ایسی چیدہ قوم ہے کہ کئی قسم کے گناہ بھی ان کو معاف ہیں اور اگر کوئی شودر ہو کر برہمن کی نسبت کوئی بُرا لفظ کہے تو منوسمرت میں لکھا ہے کہ اس کی زبان چھیدنی چاہئے اور اگر ہندوؤں میں سے بجز برہمن کسی دوسری قوم کا آدمی بے اولاد ہو تو شاستروں کا حکم ہے کہ اپنی عورت کو برہمن کے پاس بھیج دے اور وہ اس سے ہم صحبت ہو کر اس کے حاملہ ہو جانے کا فکر کرے گا۔ ایسا ہی قریب بتیس کے عجیب عجیب حقوق برہمنوں کے ہیں جن کو شاستروں نے کھیوٹ بندوبست کی طرح برہمنوں کے لئے قائم کر رکھا ہے چنانچہ منو شاستر اور دوسرے شاستروں کے پڑھنے والوں پر پوشیدہ نہیں اور برہمنوں کا دعویٰ ہے کہ یہ سب باتیں وید سے لی گئیں ہیں اور وید میں درج ہیں اور باوا نانک صاحب تو سب پورانوں اور شاستروں کو وید کی طرح ایشر کرت ہی یعنی خدا کا کلام ہی جانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے گرنتھ میں لکھتے ہیں۔

﴿۱۴۰﴾ **قدرت بید پوران کتیباں قدرت سرب بچار**۔ یعنے بید پوران شاستر سب خدا کا کلام ہی ہے سو وہ لوگ جو سکھ ہو کر آریہ سماج میں داخل ہیں اور دو دو ہاتھ کے برابر کیس سر پر رکھے ہوئے ہیں ان پر تو واجب ہے کہ اپنے گورو نانک صاحب کے شبد پر عمل کر کے سب پورانوں کو ایشر کا کلام ہی سمجھیں۔ غرض جب منوسمرت اور پرانوں کے رو سے ایسی عزّت اور ایسے حقوق برہمن کو حاصل ہیں تو پھر درحقیقت ہندوؤں کے پرمیشر نے بہت بے جا کام کیا کہ ایک برہمنی کو ایک ادنیٰ گناہ سے سخت سزا دے دی۔ درحقیقت ایسی سخت سزا دینے سے پرمیشر کی عدالت پر بڑا دھبہ لگتا ہے کہ اس نے ایسی سنگین اور سخت سزا دی کہ غریب برہمنی کو اپنی اصلی صورت سے مسخ کر کے قیدیوں کی طرح سخت اور خودغرض لوگوں کے حوالہ کر دیا۔ جن میں سے کوئی تو اس کے بچہ کو بھوکا چھوڑ کر اس کا دودھ پی جاتا ہے اور کوئی اس کی ہڈیوں اور چمڑہ کے فکر میں رہتا ہے اور کوئی اس کے بچوں پر جوار رکھ کر دن رات ان کی جان کو مارتا ہے اور کوئی بار برداری سے ان کو ریش اور مجروح کرتا ہے غرض کوئی کسی طرح سے اور کوئی کسی طرح سے ان پر ظلم کرتا ہے۔ یاں تک کہ خود آریہ لوگ بھی اس پر رحم نہیں کرتے اور غلاموں کی طرح اس کی خرید اور فروخت جاری رکھتے ہیں اور ہمیشہ قید رکھ کر سختی پر سختی کرتے رہتے ہیں۔ سو اگر گائے کے ان پُر درد واقعات کو بمقابل جنگلی چرندوں اور پرندوں کے دیکھا جائے یا دریا کے جانوروں کے مقابل پر وزن کیا جائے تو حقیقت میں صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پرمیشر نے گائے کو بڑی سخت سزا دی ہے اور اگر یہ کہو کہ پرمیشر نے اس لئے یہ سخت سزا دی کہ تا آئندہ کوئی برہمنی ایسا بُرا کام نہ کرے تو یہ جواب بھی پوچ ہے کیونکہ اگر پرمیشر کا یہی مطلب ہوتا تو گائے کو انسان کی طرح زبان گویائی دیتا تا وہ برہمنوں کے گھر جا کر اپنی بہنوں کو سمجھاتی کہ اے بہنو! میرا حال دیکھو اگر تم ایسا کرو گی تو تم بھی ایسا ہی پاؤ گی یا ایسا کرتا کہ پھر جب کبھی گائے آدمی کی جون میں آجاتی تو وہ تمام مصیبتیں

﴿۱۴۱﴾ گائے بننے اور دکھ درد اٹھانے کی اس کو یاد دلا دیتا تا وہ پھر کبھی ایسا بُرا کام نہ کرتے۔ سو جبکہ پرمیشر نے ایسی سخت سزا تو دی مگر کبھی ایک دفعہ ایسا نہ کیا کہ گائے کو زبان گویائی دیتا یا اسے آدمی کی جون میں آنے کے بعد اس پہلی پُر مصیبت جون کی اطلاع کر دیتا تو یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اب تک گائے کی جون کا انسداد نہیں ہوا بلکہ اس گناہ کے نامعلوم رہنے کی وجہ سے اس حیوان کی نسل نے ایسی ترقی کی ہے کہ کروڑہا گائیں زمین پر پھیل گئی ہیں۔ اگر پرمیشر سے یہ بدانتظامی ظہور میں نہ آتی تو اس نابکار حیوان کی اس قدر ترقی کیوں ہوتی بلکہ گائیوں کا زمین پر نام ونشان نہ رہتا۔ مگر اب بھی اس منحوس جون کے کاٹنے کے لئے ایک عمدہ تجویز خیال میں گزرتی ہے اگر آریہ صاحبان اس کو پسند کرلیں تو ان کی کوشش سے یہ لائق رحم برہمنی اس منحوس جون سے مخلصی پاسکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ پنجاب اور ہندوستان کی تمام گائیوں اور بیلوں کو ایک ہی جگہ اکٹھا کرکے ایک ہی دفعہ کسی تدبیر سے اس جہان فانی سے زاویہ عدم میں بھیجا جاوے اگر پھر بھی ہندوؤں کا پرمیشر کسی برہمنی کو ایسی سخت سزا دینے کی جرأت کرے تو اس کے ہم ذمّہ وار ہیں بشرطیکہ کسی اور ملک سے کوئی جوڑہ بیل اور گائے کا جدید طور پر نسل جاری کرنے کے لئے منگوایا نہ جاوے کیونکہ اگر آریہ صاحبان ایسا کریں تو گویا پھر خود ان کی مرضی ہے کہ اس منحوس جون سے کبھی برہمنوں کو نجات نہ ملے۔ غرض ہم نے ایک نسخہ بتا دیا ہے آئندہ اس کا کرنا نہ کرنا آریہ صاحبوں کے اختیار میں ہے۔

اب ذرا عقلمند آریوں کو شرمندہ ہونا چاہئے کہ ان کے وید کی فلاسفی نے کس درجہ کے مجنونانہ خیالات تک ان کو پہنچا دیا ہے کیا وید ودیا کی یہی تعلیم ہے کہ اول ایک حیوان کو بلا دلیل وحجّت ایک فاسقہ عورت قرار دینا اور پھر اسی پلید اور نابکار جانور کے دودھ پینے کے لئے رغبت دلانا۔ اے بھائیو آریو خدا تمہیں سمجھ اور ہدایت بخشے تمہیں ذرّہ غیظ اور غضب کو الگ کرکے سوچنا چاہئے اور عالمانہ اعتراض کا عالمانہ جواب دینا چاہئے کہ اگر حقیقت

﴿۱۴۲﴾ میں گائے ایک نابکار اور سزا یافتہ عورت ہے تو یہ کیا بات ہے کہ اس کو متبرک اور قابل تعظیم سمجھا جائے بلکہ اس کی شکل دیکھنے سے بیزار ہونا چاہئے اور ڈرنا چاہئے اور دور سے توبہ توبہ کرنا چاہئے نہ یہ کہ اس کو بابرکت خیال کر کے صبح اٹھ کر پہلے اسی کا درشن کریں اور مرنے کے وقت وہی برہمن کو بھی سنکلپ کر کے دی جائے اور اگر کسی آدم زاد کے ہاتھ سے اتفاقاً ایک ادنیٰ زخم بھی اس کو پہنچ جائے تو جب تک اس آدمی کے ٹکڑہ ٹکڑہ نہ کرلیں صبر نہ آوے کیا آپ کے وید کا یہی فلسفہ ہے کیا وید ودیا اسی کا نام ہے کیا اسی مشیخت سے مسلمانوں کے عوام پر آپ نے اعتراض کیا ہے کہ سورج اور چاند کی انہیں کیفیت معلوم نہیں بھلا آپ ایماناً بتلاویں کہ قانون انصاف کا جاننا اور سمجھنا زیادہ تر مقدم ہے یا چاند اور سورج کا۔ آپ کے وید کے مسائل ایسے ہیں کہ انہوں نے نہ آپ کے پرمیشر کی کچھ عزّت بحال رکھی اور نہ انسان اور حیوان کا فرق قائم رکھا اور نہ قانون انصاف میں سے آپ کو کوئی حرف پڑھایا۔ جہاں دیکھو بے انصافی ہے جس طرف نظر ڈالو ناحق پرستی پائی جاتی ہے اول خدائے تعالیٰ کو خالق اور رحیم اور کریم ہونے سے جواب دیا پھر اس کے بندوں کو ہمیشہ کی نجات سے محروم رکھا الہام کو خواہ نخواہ چار رشیوں میں محدود کر دیا الہامی کتاب کا نازل ہونا اسے آریہ دیس کا حق ٹھہرایا گیا۔ سنسکرت پرمیشر کی زبان مقرر کی گئی تمام مجاہدین اور عابدین کو خواہ وہ کیسے اخلاص سے ہی عبادت و بندگی کریں ان چار وید کے رشیوں کی طرح ملہم اور عارف باللہ ہونے سے ہمیشہ کیلئے جواب دیا گیا کیا یہ باتیں قانون انصاف سے نکلی ہیں۔ کیا ان تعلیموں کا بانی مبانی منصف مزاج کہلا سکتا ہے۔ کیا کسی عقلمند کے نزدیک یہ بات شانِ فیّاضی الٰہی سے مناسبت رکھتی ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے اپنی نبوت اور الہام یابی کا آریہ دیس کے چار رشیوں کو ہی ٹھیکہ دے رکھے اور باقی تمام بندگان خدا اس کے وسیع اور آباد ملکوں کے ہمیشہ کے لئے اس سے محروم رہیں سو جس کتاب نے قانون انصاف یہ بتلایا ہے اس سے دوسری صداقتوں کی کیا امید رکھیں تمام عارفوں کے نزدیک سورج چاند

﴿۱۴۳﴾ اور دوسرے اجرام واجسام کی شناخت سے اصلی غرض یہ ہے کہ تا ان مصنوعات پر غور کرنے سے صانع حقیقی کی طرف خیال رجوع کر جائے لیکن جس مذہب میں خدائے تعالیٰ کو صانع کامل ہونے سے ہی جواب دیا گیا اگر اس مذہب میں کوئی شخص طبعی اور ہیئت یا دوسرے علوم سے کسی قدر بہرہ بھی حاصل کرلے تو اسے کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ یہ برکات قرآنِ شریف میں ہی ہیں کہ اس نے ان تمام علوم طبعی وطبابت وہیئت وغیرہ سے خداشناسی کے لئے خدمت لی ہے سوحقیقت میں یہ علوم مسلمانوں کے کام آتے ہیں نہ آریوں کے جنہوں نے خدا کو ہی خدائی سے جواب دے رکھا ہے۔

اب ہم پھر اصل کلام کی طرف رجوع کرکے کہتے ہیں کہ اب تک ہم نے ماسٹر مرلی دھر صاحب کے قول کی رد میں صرف عوام مسلمانوں کے مقابل پر عوام ہنود کے خیالات علمی کو بغرض مقابلہ وموازنہ پیش کیا ہے لیکن اگر ماسٹر صاحب کا اپنی نکتہ چینی سے یہ مطلب ہے کہ عموماً کل مسلمان علوم طبعی و ہیئت سے بے بہرہ ہیں اور یہ سب علوم ہندوؤں کی وراثت ہے تو اس چھیڑ چھاڑ سے اور بھی ماسٹر صاحب کو شرمندہ ہونا پڑے گا۔ اہل اسلام وہ قوم ہے جن کو جابجا قرآن میں یہی رغبت دی گئی ہے کہ وہ فکر اور خوض میں مشق کریں اور جو کچھ عجائبات صنعت زمین وآسمان میں بھرے پڑے ہیں ان سے واقفیت حاصل کریں۔ مومنوں کی تعریف میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ [1] یعنی مومن وہ لوگ ہیں جو خدائے تعالیٰ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے بستروں پر لیٹے ہوئے یاد کرتے ہیں اور جو کچھ زمین وآسمان میں عجائب صنعتیں موجود ہیں ان میں فکر اور غور کرتے رہتے ہیں اور جب لطائف صنعت الٰہی ان پر کھلتے ہیں تو کہتے ہیں کہ خدایا تو نے ان صنعتوں کو بیکار پیدا نہیں کیا یعنے وہ لوگ جو مومن خاص ہیں صنعت شناسی اور ہیئت دانی سے دنیا پرست لوگوں کی طرح صرف اتنی ہی غرض نہیں رکھتے

[1] آل عمران : ۱۹۲

﴿۱۴۴﴾ کہ مثلاً اسی پر کفایت کریں کہ زمین کی شکل یہ ہے اور اس کا قطر اس قدر ہے اور اس کی کشش کی کیفیت یہ ہے اور آفتاب اور ماہتاب اور ستاروں سے اس کو اس قسم کے تعلقات ہیں بلکہ وہ صنعت کی کمالیت شناخت کرنے کے بعد اور اس کے خواص کھلنے کے پیچھے صانع کی طرف رجوع کر جاتے ہیں اور اپنے ایمان کو مضبوط کرتے ہیں اور پھر دوسری جگہ فرماتا ہے۔ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ [1] یعنے خدائے تعالیٰ جس کو چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جس کو حکمت دی گئی اس کو خیر کثیر دی گئی۔ پس دیکھنا چاہئے کہ ان آیات میں مسلمانوں کو کس قدر علم وحکمت حاصل کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور حدیث شریف میں بھی آیا ہے طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَةٍ یعنی علم کا طلب کرنا ہر یک مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے ہاں یہ سچ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے احکام دین سہل وآسان کرنے کی غرض سے عوام الناس کو صاف اور سیدھا راہ بتلایا ہے اور ناحق کی دقتوں اور پیچیدہ باتوں میں نہیں ڈالا مثلاً روزہ رکھنے کیلئے یہ حکم نہیں دیا کہ تم جب تک قواعد ظنّیہ نجوم کے رو سے یہ معلوم نہ کرو کہ چاند انتیس کا ہوگا یا تیس کا۔ تب تک رویت کا ہرگز اعتبار نہ کرو اور آنکھیں بند رکھو کیونکہ ظاہر ہے کہ خواہ نخواہ اعمال دقیقہ نجوم کو عوام الناس کے گلے کا ہار بنانا یہ ناحق کا حرج اور تکلیف مالایطاق ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایسے حسابوں کے لگانے میں بہت سی غلطیاں واقع ہوتی رہتی ہیں سو یہ بڑی سیدھی بات اور عوام کے مناسب حال ہے کہ وہ لوگ محتاج منجم و ہیئت دان نہ رہیں اور چاند کے معلوم کرنے میں کہ کس تاریخ نکلتا ہے اپنی رویت پر مدار رکھیں صرف علمی طور پر اتنا سمجھ رکھیں کہ تیس کے عدد سے تجاوز نہ کریں اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ حقیقت میں عندالعقل رویت کو قیاساتِ ریاضیہ پر فوقیت ہے۔ آخر حکمائے یورپ نے بھی جب رویت کو زیادہ تر معتبر سمجھا تو اس نیک خیال کی وجہ سے بتائید قوت باصرہ طرح طرح کے آلات دوربینی وخوردبینی

[1] البقرۃ: ۲۷۰

﴿۱۴۵﴾ ایجاد کئے اور بذریعہ رویت تھوڑے ہی دنوں میں اجرام علوی وسفلی کے متعلق وہ صداقتیں معلوم کرلیں کہ جو ہندوؤں بیچاروں کو اپنی قیاسی اٹکلوں سے ہزاروں برسوں میں بھی معلوم نہیں ہوئی تھیں اب آپ نے دیکھا کہ رویت میں کیا کیا برکتیں ہیں انہیں برکتوں کی بنیاد ڈالنے کے لئے خدائے تعالیٰ نے رویت کی ترغیب دی ذرہ سوچ کر کے دیکھ لو کہ اگر اہل یورپ بھی رویت کو ہندوؤں کی طرح ایک ناچیز اور بے سود خیال کر کے اور صرف قیاسی حسابوں پر جو کسی اندھیری کوٹھڑی میں بیٹھ کر لکھے گئے مدار رکھتے تو کیونکر یہ تازہ اور جدید معلومات چاند اور سورج اور نئے نئے ستاروں کی نسبت انہیں معلوم ہوجاتے سو مکرر ہم لکھتے ہیں کہ ذرا آنکھ کھول کر دیکھو کہ رویت میں کیا کیا برکات ہیں اور انجام کار کیا کیا نیک نتائج اس سے نکلتے ہیں۔

ماسوائے اس کے خود یہ خیال کہ اہل اسلام تحصیل علوم طبعی و ہیئت وغیرہ سے بکلّی بے بہرہ چلے آتے ہیں ایسا متعصّبانہ خیال ہے جس سے اگر ماسٹر صاحب ذرا انصاف پر آویں تو انہیں بہت شرمندہ اور نادم ہوجانا چاہئے ہمیں اس جگہ کچھ ضرورت نہیں کہ بات کو طول دے کر اہل اسلام کے علمی فضائل کا ثبوت دیں بلکہ اس مقام میں ہم صرف ان چند سطروں کا لکھنا مناسب سمجھتے ہیں جو اف جون دیون بورٹ صاحب[1] نے اپنی کتاب میں جس کا ترجمہ ہوکر مؤیدالاسلام نام رکھا گیا ہے لکھیں ہیں سو وہ یہ ہیں۔

صفحہ ۹۲ سے تا صفحہ ۹۸ عبارت کتاب جان بورٹ صاحب

مشم[2] صاحب کا قول ہے کہ مُؤرّخ معتبر کے نزدیک یہ بات قرار پاگئی ہے کہ دسویں صدی میں یورپ غایت درجہ کی جہالت میں پڑا ہوا تھا اور یہ بات یقینی ہے کہ اس زمانہ میں اہل عرب (یعنی اہل اسلام نے) ملک ہسپانیہ اور اٹلی میں بہت سے مدرسے جاری کئے تھے اور ان مدرسوں میں ہزاروں طلباء عیسائی عربی فارسی اور حکمت کی تعلیم پاتے تھے اور پھر ان علوم کو مدارس اسلام سے لاکر عیسائی مدرسوں میں جاری کرتے تھے۔

[1] سہو کتابت ہے۔ صحیح پورٹ (جان ڈیون پورٹ JOHN DAVENPORT) ہے۔ ناشر

[2] MOSHEIM

﴿۱۴۶﴾ ہمیں اس بات کا اقرار کرنا چاہئے کہ تمام قسم کے علم یعنی طبّ وطبعیات وفلسفہ وریاضی جو دسویں صدی سے یورپ میں جاری ہوئے ہیں یہ سب اصل میں اہل عرب مسلمانوں کے فلسفی مدارس سے سیکھے گئے تھے خصوصاً ہسپانیہ کے اہل اسلام بانی فلسفہ یورپ خیال کئے جاتے ہیں اہل اسلام کو علمی ترقی بھی ایسی ہی جلدی حاصل ہوئی جیسے ان کو ملکوں پر فتحیں حاصل ہوئی تھیں۔ سول سے اصفہان تک اہل عرب کا علم بہت جلد پھیل گیا اور بغداد اور کوفہ اور قاہرہ اور بصرہ اور فیز[۱] اور مراکو اور گوردووا اور گرینداا اور وین شیا[۲] اور سول[۳] میں اہل عرب کی حکمت نے بہت جلد رواج پایا۔ حقیقت میں اہل عرب مسلمانوں نے تمام علوم کو نئے سرے ترقی دی اور یونان اور روما کے علوم میں دوبارہ جان ڈالی۔ نویں صدی سے چودھویں صدی تک عرب کے علم وفضل سے یہ نور حاصل ہوتا رہا اور اہل یورپ کو تاریکی جہالت سے روشنی علم وعقل میں لایا۔ اگر آٹھواں خلیفہ عبدالرحمٰن ہسپانیہ میں مدرسے اور مکتب خانے جاری نہ کرتا تو ہمیں بے شک اہلِ عرب کے علم وفضل سے مطلق فائدہ نہ ہوتا کیونکہ بغداد اور بخارا اور بصرہ کے مدارس بہت مشہور تھے مگر وہ اس قدر دور تھے کہ طلباء یورپ کو واں جانے میں بہت دقت پڑتی تھی۔ مذہب اسلام اپنی ترقی کے زمانہ میں ہی نہیں بلکہ اپنی ابتدائی حالت میں ہی اور مذہبوں کی نسبت علم کی طرف بہت مائل تھا۔ آنحضرت نے خود فرمایا ہے کہ جس آدمی میں علم نہ ہو وہ قالب بے روح ہے۔ یہ تمام عبارت جان بورٹ صاحب کی ہے جس کو ہم نے ماسٹر صاحب اور ان کے دوستوں کے ملاحظہ کے لئے اس جگہ تحریر کیا ہے اس سے منصفین کو ایک محکم شہادت ملتی ہے کہ اہل اسلام ایک علم دوست قوم ہے جن کی فطرت وخمیر میں علم چلا آتا ہے اور جن کی شاگردی کے اہل یورپ باوصف ہمہ فضائل علمی اقراری ہیں پھر دیکھنا چاہئے کہ یہی صاحب دیون بورٹ اپنے رسالہ مذکورہ کے صفحہ ۷۲ سے صفحہ ۸۳ تک قرآن شریف کی بدیں الفاظ تعریف ومدح کرتے ہیں۔ چنانچہ اصل عبارت ان کی لکھی جاتی ہے اور وہ یہ ہے۔

۱، ۲، ۳ اصل انگریزی کتاب سے شہروں کے نام بالترتیب حسب ذیل ہیں۔
فیض (Fez) ویلنشیا (Valantia) اور سولی (اشبیلیہ Sevelle)۔ ناشر

﴿۱۴۷﴾ مسلمان قرآن شریف کی ایسی عظمت کرتے ہیں کہ عیسائیوں نے اپنی انجیل کی کبھی ایسی تکریم ہوتے نہیں دیکھی قرآن شریف میں صرف احکام مذہبی وتہذیب اخلاق ہی کا ذکر نہیں بلکہ گبن صاحب کا قول ہے کہ اوقیانوس سے گنگا تک قرآن شریف مجموعہ قوانین مانا جاتا ہے۔ قرآن میں قوانین دیوانی وفوجداری وسلوک باہمی پائے جاتے ہیں اور وہ مسائل نجات روح وحقوق عامہ وحقوقِ شخصی ونفع رسانی خلائق وغیرہ پر حاوی ہے منجملہ محاسن وخوبیوں قرآن کے جس پر اہل اسلام کو ناز کرنا بجا ہے دو باتیں نہایت عمدہ ہیں اوّل قرآن شریف کی وہ خوش بیانی جس میں خدائے تعالیٰ کا ذکر ہے اور جس کے سننے سے آدمی کے دل پر ایک طرح کا اثر پیدا ہوتا اور خوف آتا ہے۔ دوسرے قرآن تمام ان خیالات سے مبرّا ہے جو خلاف تہذیب خیال کئے جاسکتے ہیں اور اس کے تمام اصول ایسے ہیں جو کوئی ان میں سے خلاف عقل نہیں مگر افسوس کہ یہ عیب یہودیوں کی مقدس کتابوں میں اکثر واقعہ ہیں۔ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کے اصول میں سب کو اتفاق ہے اور کوئی ایسی بات نہیں جو زبردستی مان لینی پڑے اور سمجھ میں نہ آوے فقط۔

یہ بیان قرآن شریف کی نسبت تو **جان بورٹ صاحب**[1] کا ہے اور ایسا ہی **کارلل صاحب**[2] اپنی کتاب کی جلد ۶ صفحہ ۲۱۴ میں لکھتے ہیں کہ قرآن شریف کے پڑھنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ صادق کا کلام ہے اور صداقت سے پُر ہے۔ اب دیکھئے کہ یوروپ کے بڑے بڑے فلاسفر جن کے گھر میں گویا آج طبعی اور ہیئت نے جنم لیا ہوا ہے اور جو سورج اور چاند وغیرہ کی کیفیت آپ لوگوں سے بہتر جانتے اور سمجھتے ہیں وہ کس قدر قرآن شریف کے معقولانہ مسائل کے قائل اور مداح ہیں اور کیسی اپنی صاف طینتی کی وجہ سے صاف اقرار کرتے ہیں کہ قرآن شریف کے مسائل علومِ عقلیہ کے خلاف نہیں ہیں اور کوئی اس میں ایسا اعتقاد نہیں جو زبردستی ماننا پڑے پس جس حالت میں ایسے لوگ جو فلاسفی

[1] سہو کتابت ہے۔ صحیح پورٹ (جان ڈیون پورٹ JOHN DAVENPORT) ہے۔ ناشر

[2] Thomas Carlyle

﴿۱۴۸﴾ کے پتلے خیال کئے جاتے ہیں۔قرآن شریف کے حکیمانہ طور وطریق کی کھلی کھلی شہادتیں دیتے ہیں تو پھر اگر آپ اے ماسٹر صاحب یا آپ کا کوئی اور بھائی جن کی آنکھیں انہیں لوگوں کے علوم پڑھنے سے کچھ کچھ کھلی ہیں اور یہی لوگ آپ کے معلم اور استاد ہیں فضائلِ قرآنی سے انکاری رہیں تو اس سے قرآن شریف کا کیا نقصان ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اگر یورپ اور ایشیا کے تمام مخالف فضائل قرآنیہ سے انکار کرتے تو بھی کچھ نقصان کی بات نہ تھی آفتاب بہرحال آفتاب ہی ہے چاہے کوئی اس کی روشنی کا اقراری ہو یا نہ ہو مگر یورپ کے فاضل اور صاحب علم لوگ اس قدر قابل تحسین ہیں کہ انہوں نے بیسوں کتابیں تالیف کر کے قرآن شریف کے بارہ میں شہادت حقّہ کو ادا کر دیا ہے اور باستثناء نیم ملاں پادریوں کی جو تنخواہیں پاکر اسلام سے عنادر کھتے ہیں باقی جس قدر واقعی دانا اور فلاسفر ہیں ان کے دلوں میں دن بدن محبت اسلام کی پیدا ہوتی جاتی ہے لیکن آپ لوگوں کی نسبت کیا کہیں اور کیا لکھیں اور کیا تحریر میں لاویں کہ ناحق بے موجب سراسر عناد اور بخل کی راہ سے نکتہ چینیاں کرتے ہیں اور حقیقت میں آپ لوگوں کے اعتراض اسی رنگ کے ہیں کہ جیسے ایک شخص قوافی سے ناواقف عروض سے جاہل تقطیع سے بے خبر ربط معانی والفاظ سے بے تمیز درستی وزن وزحافات کی شناخت سے ناآشنا محض بلکہ زباندانی سے محروم مطلق یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ سعدی و حافظ شیرازی وظہیر فاریابی وفردوسی وطوسی وانوری وسنائی وغیرہ شعرائے نامدار بالکل سخن گوئی وسخن فہمی سے ناواقف ومحروم مطلق تھے اور اس پر دلیل یہ پیش کرے کہ میں ان کے اشعار کو سمجھ نہیں سکتا پس آپ لوگوں کا یہی حال ہے خدائے تعالیٰ رحم فرماوے۔

قولہ۔ جو لوگ روح اور مادہ کی حقیقت کو سمجھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ سرشتی کرم جس کو مرزا صاحب بہت ہی جھوٹے اور حقارت کے لفظوں میں جوڑنا جاڑنا تحریر فرماتے ہیں اتنا بڑا اور عالی شان کام ہے کہ اس کو سوائے اس سچدانند سربگہ اور دانائی کامل کے کوئی

﴿۱۴۹﴾ نہیں بنا سکتا بنانا تو درکنار اس کی چھوٹی سے چھوٹی چیز کی بابت کہ یہ کس طرح بنی لاکھ کاریگروں میں سے ایک لاکھواں حصہ بھی نہیں سمجھ سکتا اگر یہ ایسا حقیر کام ہے جس کو صرف جوڑنا جاڑنا کہا ہے تو مرزا صاحب یا کوئی اور شخص جو دعویٰ رکھتا ہو یا مرزا صاحب کی سمجھ میں بڑا طاقت والا ہو تو بڑی چیزوں سیارات وغیرہ کو تو کیا بناوے گا ایک دانہ گندم یا باجرہ کا ہی بنا کر دکھلاوے یا کچھ تھوڑے بہت اس کی کاریگری کے اصول ہی سمجھاوے۔

اقول ۔ ہائے اے ماسٹر صاحب آپ کدھر کو کھسک گئے ذرا اول غور کر کے میرے سوال کو تو سمجھا ہوتا سخن فہمی بھی تو آپ ہی پر ختم ہے میں نے آپ کو کب اور کس وقت کہا تھا کہ خدائے قادر مطلق کی مانند کوئی دوسرا شخص بھی کوئی صنعت بنا سکتا ہے یا بجز اس کے کوئی صنعت کا کام اس کے کاموں سے مشابہ ہوسکتا ہے یہ اعتقاد تو آپ لوگوں کا ہی ہے جس پر میں نے اعتراض کیا تھا یعنی آپ لوگ ہی تو یہ بات کہتے ہیں کہ جو جو صنعتیں عالم غیب سے ظہور پذیر ہو رہی ہیں جن کو دانشمند لوگ کسی ناقص کی طاقت سے برتر سمجھ کر ایک صانع کامل اور قادر اور حکیم اور حیّ قیوم کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ تمام صنعت کے کام بزعم آپ لوگوں کے اس خداوند کامل اور قادر کے ہاتھ سے نہیں نکلے بلکہ ان میں سے صرف جوڑنا جاڑنا اس کا کام ہے اور باقی سب حکمت اور صنعت کے کام اور طرح طرح کے خواص عجیبہ جو ارواح اور اجسام کی ذات میں پائے جاتے ہیں وہ سب بقول آپ کے قدیم سے خود بخود چلے آتے ہیں جن کا کوئی موجد اور خالق نہیں اور نہ خالق کی ان کو کچھ حاجت و ضرورت ہے سو آپ کے اسی عقیدہ پر میں معترض ہوا تھا اور اسی وجہ سے میں نے آپ کو جواب لکھنے کی تکلیف دی تھی کہ جس حالت میں آپ نے روحوں کے وجود کو جن میں ایسی عجیب صنعتیں اور خاصیتیں پائی جاتی ہیں جو اجمالی طور پر تمام دنیا کے عجائبات پر مشتمل ہیں خود بخود بغیر حاجت پر میشر کے مان لیا ہے ایسا ہی آپ نے اجسام کو اور ان کے تمام خواص کو جو ان میں پائے جاتے ہیں خود بخود تسلیم کر لیا ہے تو پھر صرف جوڑنے

﴿۱۵۰﴾ جاڑنے کے لئے جو ایک ادنیٰ کام ہے کیوں پرمیشر کے وجود کی ضرورت ٹھہری سو آپ سوچیں کہ کیا اس سوال کے جواب میں یہی لکھنا مناسب تھا جو آپ نے لکھا میں متعجب ہوں کہ آپ اس سوال کے جواب پر کس غرض اور کس خیال سے یہ بحث لے بیٹھے کہ ایک دانہ گندم یا باجرہ بھی کوئی دوسرا شخص بغیر پرمیشر کے نہیں بنا سکتا۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر کوئی دوسرا شخص گندم یا باجرہ کے دانہ بنانے سے عاجز ہے تو کیا ایسا شخص ان عجائب حکمت وصنعت کے کام کرنے پر قادر ہوسکتا ہے جو روحوں میں پائے جاتے ہیں پھر جس حالت میں کوئی شخص ان عجائب حکمت وغرائب صنعت کے کاموں پر جو روحوں یا اجسام میں پائے جاتے ہیں مقابلہ کرنے کی قدرت وطاقت نہیں رکھتا تو پھر اگر آپ تالیف اجسام یعنی خدائے تعالیٰ کے جوڑنے جاڑنے کو بوجہ بے نظیر ہونے اس فعل کے صانع کے وجود کی دلیل ٹھہراتے ہیں اور اسی دلیل سے یعنی تالیف اجسام سے ایک مؤلف کی ضرورت سمجھتے ہیں تو پھر روحوں میں بھی بوجہ اولیٰ آپ کو ماننا پڑے گا کہ اس جگہ بھی ایک موجد کی ضرورت ہے کیونکہ جب دو چیزیں ایک ہی صورت اور شکل کی ہوں تو جو احکام ایک پر صادر ہوں وہی احکام دوسرے پر بھی صادر کرنے پڑیں گے ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی اور جب ایک جگہ آپ اس بات کو روا رکھ لیں گے کہ اگرچہ یہ کام بے نظیر اور انسانی طاقتوں سے بالاتر ہے مگر پھر بھی خود بخود ہے اور پرمیشر کے بنانے کی اس میں ضرورت نہیں پڑی تو پھر اسی صورت اور شکل کے کام کی نسبت دوسری جگہ آپ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ اس میں پرمیشر کی خواہ نخواہ ضرورت پڑ گئی ہے۔ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ اگر پرمیشر کے وجود کی ضرورت ہے تو دونوں طور کے کاموں میں ہوگی نہیں تو ان میں سے کسی کام کے لئے بھی اس کی ضرورت ماننی نہیں چاہئے یہ کیسا مکابرہ ہے اور کس قسم کی منطق ہے کہ آپ تالیف اجسام میں تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جو کچھ خدائے تعالیٰ سے جوڑنا جاڑنا ظہور میں آیا ہے وہ بے نظیر ہے اور انسان اس کی مثل بنانے پر قادر نہیں اس لئے اس تالیف سے ایک مؤلف

﴿۱۵۱﴾ کی ضرورت ثابت ہوتی ہے لیکن جب آپ کی خدمت میں یہ عرض کیا جاتا ہے کہ وہی بے نظیری اور انسانی طاقتوں سے بالاتر ہونا ان عجائبات قدرت میں بھی پایا جاتا ہے جو روحوں میں ہیں تو تب آپ اس طرف سے منہ پھیر لیتے ہیں اب کوئی آپ کی اس سمجھ پر روووے یا ہنسے کہ آپ دو چیزوں کے مشترک استحقاق کو دیکھ کر ایک چیز کو پرمیشر کی مصنوعیت سے باہر رکھ لیتے ہیں اور دوسری چیز کو جو ایک ادنیٰ اور عارضی کام ہے اپنے پرمیشر پر تھاپتے ہیں مگر ایسا کبھی نہیں ہوسکتا اور کسی طور کی حجت آپ کے اس مطلب کی تائید نہیں کرسکتی کہ تمام عالم میں سے آدھا دھڑ خود بخود اور آدھا پرمیشر کا محتاج ہے۔ اور یہ جو میں نے ابھی لکھا ہے کہ اجسام کو جوڑنا جاڑنا ایک ادنیٰ کام ہے یہ میں نے اس لئے لکھا کہ درحقیقت جوڑنے جاڑنے سے کوئی نئی خوبی حاصل نہیں ہوتی بلکہ وہی خواص ارواح و اجسام جو روحوں اور جسموں میں چھپے ہوئے تھے کھلے کھلے طور پر نظر آجاتے ہیں جیسے ایک تصویر کو جب ایک مصفّا شیشہ کے اندر رکھا جائے تو نہایت صفائی اور خوبی سے نقوش اس تصویر کے ظاہر ہوجاتے ہیں سو یہ بات ہرگز نہیں ہے کہ تصویر کو آئینہ میں رکھنے سے خود آئینہ کوئی ایسا نقش اس میں زیادہ کردیتا ہے جو پہلے اس میں موجود نہ تھا بلکہ وہی نقوش جو پہلی تصویر میں موجود تھے اور مصوّر کے ہاتھ سے نکلے تھے انہیں کو آئینہ نہایت عمدگی اور صفائی سے نمایاں کردیتا ہے سو میں کہتا ہوں کہ اگر اجزاءِ صغار اجسام میں بطور خود وہ کشش اتصال کی خاصیت نہ ہوتی جس سے وہ اکٹھے رہ سکتے ہیں تو آپ کا پرمیشر جو خالق اشیاء وخواص اشیاء نہیں ہے کیا کرسکتا تھا اور اگر آفتاب کے باریک ٹکڑوں میں جو بقول آپ کے خود بخود ہیں اپنی ذات میں ہی روشن ہونے کی خاصیت نہ پائی جاتی تو کیونکر اور کس قوت سے پرمیشر ان سب کو اکٹھا کرکے نیّر اعظم بنالیتا۔ سو جاننا چاہئے کہ اگر خدائے تعالیٰ میں ایجادی قدرت نہیں یعنی اس نے تمام چیزوں اور ان کے خواص کو عدم محض سے پیدا نہیں کیا تو صرف بعض بعض ترکیبیں نکال کر خواص موجودہ سابقہ سے کام

﴿۱۵۲﴾ لیؔنا کوئی بڑی بات نہیں انسانوں میں سے بھی تو صنّاع لوگ اپنے علم خواص کے مطابق طرح طرح کی ترکیبیں اور صنعتیں نکالتے رہتے ہیں ☆ ہاں صرف اتنا فرق ہے کہ جس کو علم خواص اشیاء زیادہ ہوا اس نے زیادہ ترکیبیں نکالیں اور جس کو کم ہوا اس نے کم نکالیں بہرحال بنی آدم نے بھی بلاشبہ حیرت ناک کام کر دکھائے ہیں اور جہاں کہیں ان کو کوئی خاصّہ جدیدہ اشیاء مادی اور ان کی اشکال و اوضاع یا ان کے باہم اختلاط و امتزاج کا مل گیا ہے وہیں انہوں نے اسی ذریعہ سے کوئی کَل یا آلہ بنا ڈالا ہے چنانچہ سارا جہان انسان کی عجیب عجیب دستکاریوں سے بھرا ہوا نظر آتا ہے اگر تم گھر میں بیٹھے ہوئے اپنے گھر کی تمام ضروریات و اسباب خانہ داری پر نظر ڈالو اور جائیداد غیر منقولہ سے لے کر ایک ایک چیز منقولہ پر نظر اٹھا کر دیکھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ وہ سب چیزیں جو تمہارے امور معیشت میں کام آتی ہیں انسان کی دستکاریاں ہیں۔ ایسا ہی برّی و بحری سفروں میں جو کچھ انسان نے اپنی فکر و غور سے

☆ **حاشیہ** اب تک دانشمند لوگوں نے کچھ کچھ خواص ارواح و خواص اجسام و اوضاع پر اطلاع پا کر اور علوم طبعی و ہندسہ سے مدد لے کر صدہا عمدہ عمدہ شکلیں و ترکیبیں نکالی ہیں اور جیسے جیسے انسان کا علم وسیع ہوتا جاتا ہے ویسے ویسے وہ صنعت سازی میں یدطولیٰ حاصل کرتا جاتا ہے۔ ریل کا بخاری طاقت سے چلانا تار کا بنانا چھاپہ کی ترکیبیں ایجاد کرنا کیسی کیسی مفید صنعتیں ہیں جن سے گویا تمام بنی آدم کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ ایسا ہی انسان نے دوسرے چھوٹے چھوٹے کاموں میں صدہا طور کی کلیں ایجاد کر لی ہیں ہر قسم کی عمدہ عمدہ گھڑیاں جو خود بخود وقت بتلاتی ہیں۔ سینے کی مشین۔ آٹا پیسنے کی کل۔ کپڑا بننے کی کَلیں۔ برف بنانے کی کل۔ دودھ میں پانی کی آمیزش شناخت کرنے کا آلہ۔ بجلی کا صندوقچہ۔ خود بخود چلنے والا پنکھا۔ طاؤس جو چابی دینے سے مثل زندوں کے چلتا اور پھرتا اور ناچتا ہے۔ مرغی کرک جو کنجی دینے سے چلتی ہے۔ بکرا و کتا جو کنجی دینے سے چلتا ہے۔ باجہ دار کرسیاں جن کو کنجی دینے

﴿۱۵۳﴾ صنعتیں ایجاد کی ہیں وہ سیّاحوں اور واقف کاروں سے پوشیدہ نہیں ہے اب ہمارا مطلب یہ ہے کہ اگر ہندوؤں کے پرمیشر میں بھی صرف اتنی ہی خوبی ہے کہ مادی وغیر مادی اشیاء کے خواص جو اسے معلوم ہیں انہیں میں دست اندازی کر کے اور بعض اشیاء کو بعض سے جوڑ کر صنعتیں نکالتا ہے تو یہ کچھ بڑی بات نہیں اور اس صورت میں تو ہمیں اس کی ساری خدائی کی حقیقت معلوم ہوگئی اور ظاہر ہوگیا کہ اس میں اور انسان میں صرف علم کی کمی بیشی کا کچھ فرق ہے اور ممکن ہوگا کہ انسان بھی اپنے معلومات میں ترقی کرتا کرتا کسی وقت پرمیشر ہی بن جاوے۔ جس حالت میں شہد کی مکھی میں بھی یہ ہنر پایا جاتا ہے کہ وہ ایسی عقل مندی سے شہد بناتی ہے کہ کوئی انسان اس کی نظیر بنانے پر قادر نہیں پھر اگر

بقیہ حاشیہ

﴿۱۵۳﴾ سے چند عرصہ تک باجا بجتا رہتا ہے ایسا ہی صدہا اور کلیں چھوٹی بڑی ہیں جو حال کے صناعوں نے طیار کری ہیں اور بمبئی اور کلکتہ اور اکثر دیگر مقامات میں سوداگروں کی دکان پر مل سکتی ہیں اور یورپ کے اکثر کاریگر دانتوں کی جگہ دانت اور آنکھ کی پتلی کی جگہ آنکھ کی پتلی اور ٹانگوں کی جگہ ٹانگ اور بالوں کی جگہ مصنوعی بال لگا کر گزارہ چلا دیتے ہیں۔ بعض حکیموں نے چاند بنا کر اور چڑھا کر محدود حد تک اس کی روشنی سے کام لیا ہے بعض نے پرند بنا کر کنجی دینے سے ایک حد تک انہیں اڑا کر دکھلا دیا ہے اور بعض نے مینہہ برسنے کی ترکیب نکالی اور کسی حد کے اندر اندر مینہہ برسا دیا ایسا ہی قسم قسم کے پھول اور پھل اور موتی و دیگر جواہرات ایسے بنائے گئے ہیں جو دیکھنے والوں کو حیران کر دیا ہے اور ابھی انسان کی صانعیت کی کچھ انتہا نہیں کیونکہ وہ ترقیات غیر محدود کے لئے پیدا کیا گیا ہے جن کی تحصیل کے لئے وہ فطرتاً مشغول ہے۔ منہ۔

﴿۱۵۴﴾ ہندوؤں کے پرمیشر میں ایجادی قدرت نہیں تو اگر اس شہد کی مکھی کی طرح صرف جوڑنا جاڑنا اس کا بے نظیر بھی ہوا تو بھلا یہ کیا کمال ہوا۔ اس جگہ کوئی انجان یہ دھوکا نہ کھائے کہ آریہ سماج والے تو اس بات کو مانتے ہیں کہ گو پرمیشر پیدا کرنے پر قادر نہیں لیکن وہ اجسام اور ارواح کے جوڑنے جاڑنے سے طرح طرح کی مفید چیزیں تو بناتا ہے جیسے اس نے چاند بنایا سورج بنایا زمین کو عمدگی سے بچھایا انسان کو آنکھیں دیں کان دیئے قوت ناطقہ شامہ بخشی سو کیا ایسے ایسے عجائب کاموں سے اس کی قدرت ثابت نہیں ہوتی اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب کچھ علمی وسعت پر موقوف ہے ایجادی قدرت جو کسی شے اور اس کے خاصہ کو عدم سے پیدا کرنے کو کہتے ہیں وہ اسی قدر فعل سے ہرگز ثابت نہیں ہوسکتی بلکہ وہ تب ہی ثابت ہوتی ہے کہ جب ساتھ اس کے یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ خدائے تعالیٰ صرف اشیاء کا جوڑنے جاڑنے والا نہیں بلکہ وہ ان تمام اشیاء اور ان کے جمیع خواص کو پیدا کرنے والا بھی ہے کیونکہ اگر ایسا تسلیم نہ کیا جائے اور خدائے تعالیٰ کا صرف اسی قدر اختیار و اقتدار سمجھا جائے کہ وہ بعض اشیاء کو بعض سے پیوند کر کے ان کے اصلی خواص کو متجلّی کر کے دکھا دیتا ہے تو اس سے صرف اس کے معلومات کی فراخی ثابت ہوتی ہے نہ قادریت کاملہ۔ وجہ یہ کہ جب جمیع اشیاء خود بخود قدیم سے موجود مان لی جائیں تو ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ان اشیاء کے خواص بھی جو بحالت بساطت مخفی طور پر ان میں پائے جاتے ہیں یا بحالت ترکیب کھلے کھلے طور پر ان سے ظہور میں آتے ہیں وہ بھی سب قدیم ہی ہیں گو ہم ان پر اطلاع پائیں یا نہ پائیں۔ مثلاً خدائے تعالیٰ نے جو آنکھوں کو نہایت عجیب طور سے بنایا ہے سو اس میں یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ آنکھوں کی صرف مجموعی ترکیب کے پیدا ہونے کے بعد خاصّہ رؤیت اس میں پیدا ہوگیا ہے بلکہ صحیح فلاسفی اس میں یہ ہے کہ جو کچھ مجموعی ترکیب میں رؤیت پیدا ہونے کا نتیجہ نکلا ہے وہ نتیجہ مخفی طور پر ان تمام اجزا میں پایا جاتا تھا۔ جو پیچھے سے رطوبات وطبقات اور

﴿۱۵۵﴾ عصبہ مجوفہ وغیرہ کی شکل پر متشکل ہو گئے جن کو آریہ لوگ قدیم اور انادی اور پرمیشر کے دست قدرت سے بالاتر خیال کرتے ہیں چنانچہ اس بات کو پنڈت دیانند صاحب بھی اپنے وید بھاش میں مانتے ہیں اور اپنا اعتقاد یہی ظاہر کرتے ہیں کہ نیستی سے ہستی کبھی نہیں ہوتی جو ہے وہی ظہور میں آتا ہے اور جو نہیں وہ کبھی ظہور میں نہیں آ سکتا۔ پس اس جگہ انہوں نے آپ ہی تسلیم کر لیا ہے کہ ترکیب اشیاء یعنے جوڑنے جاڑنے میں کوئی ایسی نئی بات پیدا نہیں ہوتی جو پہلے نیست محض ہو اور پھر نیستی سے اس کی ہستی ہو گئی ہو بلکہ وہی خواص قدیمہ ظہور میں آتے ہیں کہ جو اول میں سے ہی الگ الگ جزوں میں مخفی طور پر موجود تھے اب جب کہ یہ ثابت ہو گیا کہ ترکیب اشیاء میں انہیں خواص کا ظہور و بروز ہوتا ہے جو پہلے ہی سے الگ الگ ہونے کی حالت میں ان اشیاء میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں تو اس صورت میں ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ اگر مثلاً پرمیشر نے انسان کے جسم کی آنکھ بنائی اور جو اجزاء کارآمد آنکھ کے الگ الگ موجود تھے انہیں ایک جگہ اکٹھا کر کے کام لیا تو ایسے بنانے میں اس کی کون سی بڑی بھاری خوبی ثابت ہو گئی کیونکہ دراصل سب اجزاء جن سے آنکھ بن سکتی تھی پہلے ہی سے موجود تھے۔ ہاں ظہور اس خاصیت کا اس خاص ترکیب اور وضع پر موقوف تھا سو پرمیشر نے اپنی علمی وسعت سے اس خاص وضع و شکل پر اطلاع پا کر اس خاصۂ قدیم کو جو بغیر حاجت پرمیشر کے پایا جاتا تھا ظاہر کر کے دکھلا دیا پس اگر پرمیشر کا اتنا ہی منصب اور اسی قدر اس میں لیاقت ہے کہ وہ خواص اشیاء پر وسیع اطلاع ہونے کی وجہ سے تراکیب مختلفہ میں ان خواص کو ظاہر کرتا رہتا ہے تو اس میں اور دوسرے صنّاعوں میں کون سا بڑا فرق رہا صرف اتنا ہوا کہ وہ کچھ ہنر میں زیادہ اور دوسرے اس کے چھوٹے بھائی ہوئے۔

قولہ ۔ رہا مادہ سو وہ چیز ہے جس کو ہندی میں جڑ پدارتھ کہتے ہیں جس میں ارادہ یا طاقت ہلنے جلنے کی نہیں غرض دونوں چیزیں (روح و مادہ) جو دنیا میں موجودہ ہیں جن کو

﴿۱۵۶﴾ مرزا صاحب نے ایک دہریہ کی طرف سے پیش کیا تھا ایسی ثابت ہوئیں کہ مرزا صاحب کے جوڑنے جاڑنے سے بالکل عاجز و بے خبر ہیں اور انادی ہونے کی صورت میں خود بخود ان کا جوڑ جاڑ نہیں ہوسکتا سو اس سے کسی تیسرے بڑی شان والے اور جوڑنے والے کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ وہ وہی ہے جس کو میں سچدانند سروپ اور مرزا صاحب خدائے تعالیٰ کہہ رہے ہیں۔

اقول ۔اے ماسٹر صاحب آپ کی سمجھ اور فہم کی نسبت کیا کہوں اور کیا لکھوں۔ کچھ ایسے سوئے کہ پھر نہ جاگے تھکے بھی ہم پھر جگا جگا کر۔ صاحب من میرا سوال تو یہ تھا کہ جس حالت روح اور جسمی مادہ جن کے ذاتی خواص سے فلسفہ میں کتابیں بھری پڑی ہیں بقول آپ لوگوں کے خود بخود ہیں تو پھر دوسری چیزیں جو اپنی مصنوعیّت میں روح اور مادہ کے عجائب اور پر حکمت وجود سے کچھ زیادہ نہیں ہیں کیوں محتاج صانع سمجھی جائیں آپ اس کا جواب دیتے ہیں کہ جوڑنا جاڑنا بجز پرمیشر کے خود بخود نہیں ہوسکتا تو گویا آپ کا یہ مذہب ہوا کہ پیدا ہونا بجز خدا کے خود بخود ہوسکتا ہے مگر جوڑنا جاڑنا بغیر اس کے ممکن نہیں سو اسی مذہب پر میں اعتراض کر رہا ہوں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا بڑا بھارا کام پیدا کرنا ہے یا جوڑنا۔ ظاہر ہے کہ پیدا کرنا ہی بڑا بھارا کام ہے سو جب آپ لوگوں کی عقل عجیب نے اس بات کو روا رکھ لیا کہ تمام ارواح و مواد معہ جمیع خواص و عجائبات اپنے کے بغیر پیدا کرنے کسی پیدا کنندہ کے خود بخود قدیم سے ہیں تو آپ پر لازم آتا ہے کہ آپ بعض اشیاء کا بعض سے خود بخود جوڑے جانا بھی روا رکھ لیں کیونکہ جوڑنا جاڑنا اصل ایجاد اشیاء کی نسبت ایک ناکارہ کام ہے سو وہ بوجہ اولیٰ خود بخود ہونا چاہئے۔ میرا تو یہ مذہب نہیں ہے کہ جوڑے جانا یا پیدا ہونا خود بخود ہوسکتا ہے تا مجھے آپ بار بار کہیں کہ کوئی دانۂ گندم یا دانۂ باجرہ ہی بنا کر دکھلاؤ میں تو آپ کے ہی مذہب پر رو رہا ہوں کہ جس حالت میں ایک دانہ گندم یا ایک دانہ باجرہ نہ خود بخود بن سکتا ہے نہ اس کو

﴿۱۵۷﴾ کوئی دوسرا بنا سکتا ہے تو کروڑہا اور بے شمار روحیں اور بے شمار جسم کے ٹکڑے کیونکر خود بخود سمجھے جائیں آپ سوچ کر دیکھ لیں کہ آپ نے اتنے ورق تو سیاہ کئے مگر ان چیزوں کے خود بخود ہونے پر دلیل کون سی پیش کی اور جب کہ آپ نے کل پُر حکمت وجودوں کا جو عالم میں پائے جاتے ہیں خود بخود بغیر ایجاد پرمیشر کے ہونا بغیر دلیل کے مان لیا ہے تو پھر یہی فتویٰ تالیف اجسام یعنے جوڑنے جاڑنے پر کیوں نہیں لگایا۔ بے شک واقعی امر تو یہی ہے اور کسی عقل مند کا دل اس بات سے انکار کرنے کی طرف مائل نہیں کہ خدائے تعالیٰ کے کام بے نظیر ہیں مگر آپ لوگ کب انہیں بے نظیر سمجھتے ہیں۔ آپ لوگوں کے وید پر یہ بات سیاہ سے سیاہ دھبہ سے بڑھ کر ہے کہ جو ذات کل فیضوں کا مبدء ہونا چاہیئے اس کو ایسا گھٹاتے گھٹاتے نکما کر دیا ہے کہ بس خاک میں ملا دیا۔ سوچو اے آریہ صاحبو سوچو! کیا آپ لوگوں میں سے کوئی بھی ایسی روح نہیں کہ جو ذرّہ دل کو آلائش تعصب سے پاک کر کے سوچے۔ اس سوال پر غور کرو کہ وہ چیز جسے ربوبیت کہتے ہیں وہ کیا ہے؟ اس بات کو ذرہ دل لگا کر جانچو کہ خدا کس بات کا نام ہے؟ قوم کیا ہے برادری کیا چیز ہے کوئی کسی کا نہیں آؤ خدا سے ڈرو اور ایسی باتیں مُنہ پر مت لاؤ جن میں اس بے انتہا طاقتوں والے کی توہین ہے کیا تمہیں یہ بات کہتے کچھ بھی شرم نہیں آتی کہ ہماری روحیں بھی بلکہ ہمارے جسم کا ذرہ ذرہ پرمیشر کی طرح خود بخود ہی حق ظاہر ہو گیا اور مخلوق ہونے کی تم پر ڈگری ہو چکی اب خدا کا بندہ ہونے سے مت بھاگو۔

قولہ ۔ کوئی دہریہ یہ عذر پیش کر سکتا ہے کہ جوڑنا جاڑنا پرمیشر کی طرف سے نہیں بلکہ اتفاقی طور سے ہو گیا ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ اتفاقی طور پر خود بخود باہم مل جانا پرکرتی کا سبھاؤ نہیں ہے کیونکہ اس میں حرکت کرنے کی طاقت نہیں۔ رہا جیو یہ اگر اتفاقی طور پر مل سکے تو کہیں اس کا نمونہ ظاہر ہونا واجب ہے اور اگر لوگ موجودہ طریقہ ہی اپنا ثبوت پیش کریں (یعنی یہ کہیں کہ پرمیشر کو جوڑتے جاڑتے کس نے دیکھا ہے جو کچھ ہو رہا ہے طبعی

﴿۱۵۸﴾ طور پر خود بخود ہو رہا ہے سو یہی نمونہ کے لئے کافی ہے) اس کا جواب یہ ہے کہ گو پرمیشر کو جوڑتے جاڑتے کسی نے نہیں دیکھا مگر اتفاقی طور پر ملنے والی چیزوں میں انتظام اور کاریگری اور تعلقات ضرور یہ نہیں ہوا کرتے جو اب موجود ہیں لہذا ثابت ہے کہ ان چیزوں کا جوڑے جانا خود بخود نہیں بلکہ ان کا جوڑنے جاڑنے والا بڑا منتظم کامل قدرت والا ہے۔

اقول ۔ ماسٹر صاحب آپ دہریہ یعنی خدائے تعالیٰ کے منکروں سے کیوں جھگڑا لے بیٹھے درحقیقت آپ لوگ تو تمام ارواح اور اجسام کے ذرّہ ذرّہ کی نسبت یہی مانتے ہیں کہ ان کا وجود اتفاقی طور سے ہے یہ نہیں کہ کسی وقت پرمیشر نے ان کو پیدا کیا ہے سو جبکہ آپ نے روحوں اور اجسام کے ذرّہ ذرّہ کا ہونا خود ہی اتفاقی طور سے مان لیا تو پھر آپ تو دہریوں کے ایسے مددگار ہوئے جن کا انہیں شکر کرنا چاہئے تو پھر ان سے جھگڑا کرنے کا کیا موجب اور بحث مباحثہ کی کیا وجہ؟ یار صادق اور دوست موافق سے بھی کوئی لڑتا جھگڑتا ہے؟

کسی کتاب میں لکھا ہے کہ ایک شخص ایک جگہ سے زنا کر کے یا شراب پی کر نکلا اور نکلتے ہی اس نے شیطان پر لعنت بھیجی شیطان بھی اس وقت پاس کھڑا تھا اس نے بہت محبت اور نرمی کی راہ سے کہا کہ اے بھائی تو درپردہ بکلّی میرے موافق اور میرا مددگار اور فرمانبردار اور میری مرضی کے موافق کام کرنے والا ہے تو پھر کیا وجہ کہ بظاہر میرے پر لعنت بھیجتا ہے اور مجھ سے ناراض ہوتا ہے۔ اسی طرح آریہ سماج والوں کی حالت ہے کہ درحقیقت وہ لوگ دہریہ مذہب پھیلانے کے لئے بڑی کوشش کر رہے ہیں اور ان کوششوں کے لحاظ سے دہریوں کے بڑے لائق خدمت گزار انہیں سمجھنا چاہئے۔ لیکن بظاہر دہریوں سے ناراض ہیں یہ ناراضگی اس قسم کی ہے جو ہم نے مثال مذکورہ بالا میں بیان کی ہے بھلا جس حالت میں جو بات دہریوں کے عین مدعا اور مراد تھی یعنی کوئی چیز خدا کی پیدا کردہ نہیں سب چیزیں خدا کی طرح قدیم اور غیر مخلوق ہیں وہ بات تو ان لوگوں نے آپ ہی مان لی اور اپنے مذہب کی

﴿۱۵۹﴾ بنیاد قرار دی تو پھر باقی کیا رہ گیا اونٹ تو نکلا گیا اب اگر دم باقی رہ گئی ہے تو اس کے اندر جانے میں کون سی مشکلات ہیں ہاں آپ کو اپنے دہریوں بھائیوں سے مل کر موجد حقیقی کے ماننے والوں کے ساتھ بحث کرنی چاہئے اور ان کو بطور مددگار لانا چاہئے اور دیکھا بھی گیا ہے کہ بعض آریہ ناچار ہو کر دہریوں سے مشورہ لیتے ہیں تا کسی طرح خود بخود اور غیر مخلوق ہونے پر کوئی دلیل نکل آوے مگر اے ماسٹر صاحب آپ لوگ ہزار مخلوق ہونے سے کنارہ کش ہوں ہم تو آپ کو بندہ خدا بنا کر چھوڑیں گے آپ کب تک بھاگیں گے اور کدھر بھاگیں گے اور کہاں جائیں گے بھلا اس تقریر سے جو مقولہ متذکرہ بالا میں آپ نے کی ہے کونسا اثر ہمارے اعتراض پر پڑا بجز اس کے کہ آپ اپنے ہی قول سے آپ ہی قائل ہو گئے کہ جن چیزوں میں انتظام اور کاریگری اور تعلقات ضروریہ پائے جاتے ہیں وہ خود بخود نہیں ہو سکتیں پس دیکھو اجزاء لایتجزی میں جن کو ہندی میں پرکرتی کہتے ہیں خاصیت کشش اتصال پائی جاتی ہے تب ہی تو بجز قسر قاسر کسی جسم کے اجزائے متفرق نہیں ہو سکتے اور کشش اتصال تعلقات ضروریہ کی جڑ ہے۔ کیونکہ اگر جز لایتجزی یعنی پرکرتی میں قوتِ کششِ اتصال نہ پائی جاتی تو پھر جسم کے اجزاء میں باہمی تعلقات پیدا ہونا اور بعض جزوں کا بعض سے مل جانا اور ملے رہنا ممتنع اور محال ہوتا۔ اور روحوں کے وجود میں جس قدر صنعت صانع اور کاری گری پائی جاتی ہے وہ تو ہم کسی قدر بیان کر چکے ہیں اور آئندہ بھی انشاء اللہ کسی موقع پر بیان کریں گے اور جیسے خدائے تعالیٰ نے اجزاء لایتجزی میں کشش اتصال رکھی ہے ایسا ہی روحوں میں قبولیت تعلق جسم کے لئے ایک قوت اور استعداد رکھی ہے یعنی روحوں میں بھی اجسام کی کشش اتصال کی طرح قبولیت تعلق جسم کی ایک قوت پائی جاتی ہے جس سے وہ بلا نفرت و کراہت جسم سے ایسے طبعی طور پر تعلق پکڑ لیتے ہیں جیسے ایک محبّ اپنے محبوب سے یا ایک عاشق اپنے معشوق سے تعلق پکڑ لیتا ہے جس تعلق کا صدمہ موت سے چھوڑنا اور مفارقت اختیار کرنا ان پر

﴿۱۶۰﴾ بالطبع شاق اور ناگوار گزرتا ہے سو یہ انتظامی امر ہے جو حکیم مطلق نے روح اور جسم کے باہم ملانے کے لئے پہلے سے قائم کر دیا ہے اگر روحیں اتفاقی ہوتیں اور کوئی ان کا پیدا کرنے والا نہ ہوتا تو پھر کوئی وجہ نہیں تھی کہ بے شمار اور کروڑہا روحوں میں سے کوئی بھی ایسی روح نہ پائی جاتی جو مناسبت تعلق بالجسم سے خالی اور اس کے برخلاف ہوتی پھر اگر اتفاق سے یہ مصیبت پیش آجاتی کہ پرمیشر کو سب روحیں ایسی ہی ملتیں جن میں قوت قبولیت تعلق جسم پائی نہ جاتی تو اس صورت میں پرمیشر کیا کرسکتا کس کاریگر کو کہتا کہ ان تمام روحوں کو توڑ کر نئے سرے مجھے ایسی روحیں بنادے جن میں تعلق بالا جسام کی قوت پیدا ہو جائے سو اب لیجئے وہ سب باتیں کاریگری وانتظام وغیرہ کی جو آپ نے ابھی بیان کی تھیں وہ روحوں اور جسم کے ٹکڑوں میں پائی گئیں جس سے بقول آپ کے واجب ہوا کہ ان کا کوئی موجد ضرور ہو۔ سولو صاحب اب تو آپ پر اقبالی ڈگری ہوگئی۔

اخیر پر ہم آپ کو یہ بھی اطلاع دے دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ آپ کا یہ دعویٰ جو آپ کہتے ہیں کہ اگر تمام ارواح اور جسمی مادوں کو معہ جمیع عجائب وغرائب خواص ان کے کے خود بخود بغیر پیدا کرنے کسی پیدا کنندہ کے سمجھ لیں جیسے اصول آریہ سماج کا ہے یعنی یہ خیال کرلیں کہ ارواح ومواد اجسام معہ جمیع خواص اپنے کے خود بخود ہیں تو اس سے اثبات صانع میں کوئی حرج عائد نہیں ہوسکتا بلکہ جوڑنا جاڑنا جس کے آریہ سماج والے قائل ہیں اثبات صانع کے لئے کافی ہے یہ تقریر آپ کی صاف ثابت کر رہی ہے کہ آپ میں فطرتی طور پر مادہ ثبوت غیر ثبوت کی شناخت کرنے کا نہایت ہی کم ہے میں نے آپ کی غلطی اقوال متذکرہ بالا میں کھول دی ہے دانشمند کے لئے تو اسی قدر کافی ہے لیکن میں محض خیر خواہی کے رو سے آپ کو ایک نصیحت کرتا ہوں کہ اگر آپ کو بحث مباحثہ کا شوق ہے تو کسی سے ایک رسالہ منطق کا ضرور پڑھ لیجئے۔ یہ کام مباحثات مناظرات کا بڑا نازک کام ہے اس کے اِنصرام کے لئے صرف جوش مذہبی کافی نہیں ہے اتنا تو ہو کہ انسان دعویٰ اور دلیل میں فرق معلوم کر سکے اور بیہودہ

﴿۱۶۱﴾ دعوؤں کو دلیل کے محل پر استعمال نہ کرے۔ بھلا خیال فرماویں کہ میرے اعتراض کے جواب میں جو آپ نے لکھا ہے کہ گو ارواح و اجزاء صغار اجسام یعنی جیو اور پرکرتی اور ان کے تمام خواص اور تمام کاریگری کی باتیں جو ان میں پائی جاتی ہیں وید کے رو سے سب غیر مخلوق اور انادی ہیں جن کو پرمیشر کا ہاتھ بھی نہیں لگا مگر تاہم فقط جوڑنے جاڑنے سے پرمیشر کا پرمیشر پن ثابت ہوتا ہے یہ کس قسم کی تقریر ہے اگر اس کو قوانین استدلال کی طرف رد کیا جائے تو کون سی شکل صحیح منطقی اس سے پیدا ہو سکتی ہے اگر کچھ یاد ہے تو بھلا پیش تو کریں۔ ماسٹر صاحب آپ کو یہ بات بُری نہ لگے آپ مدلّل غیر مدلّل کی شناخت سے بکلّی بے خبر ہیں آپ کے مُنہ سے کوئی معقول بات کیا خاک امید رکھیں آپ تو خواہ نخواہ اپنی قوم کو شرمندہ کر رہے ہیں لو ہم ہی روحوں کے مخلوق ہونے پر شکل اول جو بدیہی الانتاج ہے بنا کر سناتے ہیں اس پر غور کرو اور اپنے بے جا دعووں سے باز آؤ اور وہ شکل یہ ہے۔ **موجودات عالم میں سے روحیں ایسی چیزیں ہیں جن میں ہزارہا عجائب قدرت وحکمت پائے جاتے ہیں اور کل ایسی چیزیں عالم کی چیزوں میں سے جن میں عجائب قدرت وحکمت پائے جائیں ان کا ایک موجد قادر و کامل و حکیم ہونا ضروری ہے نتیجہ یہ نکلا کہ روحوں کا ایک موجد قادر و کامل وحکیم ہونا ضروری ہے۔** ثبوت مفہوم صغریٰ کا یعنی اس بات کا کہ موجودات عالم میں سے روحیں ایسی چیزیں ہیں جن میں ہزارہا عجائب قدرت وحکمت پائے جاتے ہیں اس طرح پر ہوتا ہے کہ نقیض اس کی یعنی یہ کہ روحوں میں کوئی اُعجوبہ حکمت وقدرت کا نہیں پایا جاتا بدیہی البُطلان ہے اور دنیا کی ذِی علم قوموں میں سے کوئی قوم بھی اس بات کی قائل نہیں کہ ارواح عجائبات قدرت وصنعت الٰہی سے خالی ہیں بلکہ علم الٰہیات کے جاننے والے اس باریک صداقت تک پہنچ گئے ہیں کہ دنیا کی تمام مخلوقات میں جو خواص متفرقہ ہیں وہ سب روحوں کے وجود

﴿۱۶۲﴾ میں یکجائی طور پر پائے جاتے ہیں پس صغریٰ اس شکل کا نہایت بیّن الثبوت ہے۔ ثبوت کبریٰ کا یعنی اس قضیہ کا جو کل ایسی چیزیں عالم کی چیزوں میں سے جن میں عجائب قدرت وحکمت پائے جائیں ان کا ایک موجد قادر و کامل وحکیم ہونا ضروری ہے اس طرح پر ہے کہ اگر بعض چیزیں عالم کی چیزوں میں سے جو عجائب قدرت وحکمت سے بھری ہوئی ہیں ایسی بھی ہوں جن کا کوئی موجد ہونا ضروری نہیں تو پھر کسی چیز کو کسی موجد کی ضرورت نہیں رہے گی کیونکہ اس بات کی صحت پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوسکتی کہ ہم ایسی چند چیزوں میں سے کہ اپنی وجوہ احتیاج موجد میں بکلّی ہم رنگ اور مساوی ہیں بعض چیزوں کو بلا دلیل مستغنی عن الموجد قرار دے دیں اور دوسری بعض چیزوں کو بلا دلیل اپنے وجود میں موجد کی محتاج سمجھ لیں بلکہ ہم پر لازم ہوگا کہ اگر عالم کی چیزوں میں سے کسی ایک چیز کی نسبت بھی یہ حکم دیں کہ وہ بوجہ پر حکمت کاموں کے جو اس کے وجود میں پائے جاتے ہیں کسی موجد کی محتاج ہے تو یہی حکم اس کی باقی ہم شکل چیزوں کی نسبت بھی جو عالم میں پائی جاتی ہیں صادر کریں ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی پس بالضرورت شکل ہذا کے کبریٰ کا مفہوم بھی سچا ماننا پڑا جس سے صداقت اس نتیجہ کی کھل گئی کہ روحوں کا ایک موجد کامل وقادر وحکیم ہونا ضروری ہے اور یہی مطلب تھا۔ جاننا چاہئے کہ یہ دلیل مخلوقیّت ارواح دہریہ کے مقابل پر نہیں بلکہ آریہ سماج والوں کے ملزم اور لاجواب کرنے کے لئے ہے کہ جو عالم کے ہم رنگ وہم خاصیت چیزوں میں سے بعض کو جو صرف جوڑنا جاڑنا ہی ایک صانع قادر وحکیم کا فعل خیال کرتے ہیں اور بعض دیگر کو جو اس فعل سے بڑھ کر قدرت و حکمت الٰہی پر دال ہے مصنوع اور مخلوق ہونے سے باہر سمجھتے ہیں لیکن دہریہ کے مقابل پر الگ دلائل ہیں جو ہماری کتاب براہین میں اپنے موقع پر مندرج ہیں اس جگہ تو صرف آریہ سماج والوں کو ان کی مونہہ زوری پر متنبہ کرنا ہے۔☆ کہ وہ کیسے طریقہ مستقیمہ

☆ **حاشیہ** اس جگہ اگر کوئی آریہ بطور نقض کے یہ عذر پیش کرے کہ خود خدائے تعالیٰ کی ذات

﴿۱۶۳﴾ دلائل منطقیہ سے بے راہ چل رہے ہیں اور وید کی محبت میں ایسے مست و مدہوش ہو گئے کہ خداداد عقل اور فہم کو یک لخت کھو بیٹھے مگر انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ اب وید پر چلنے چلانے کا زمانہ نہیں ہے اب ان باتوں پر زور دینے سے کہ ہم قدیم سے خود بخود ہیں ہمارے روحوں اور ہمارے جسمی مادہ کا کوئی ربّ نہیں جلد تر وید پر وبال آئے گا۔ حال کی ذریت ایسی موٹی عقل کی نہیں کہ ان کو ان تعلیموں پر طفل تسلی دے سکیں

بقیہ حاشیہ

﴿۱۶۳﴾ بھی عجائب قدرت وحکمت پر مشتمل ہے تو کیا اس کے لئے بھی کسی موجد کی ضرورت ہے اس کا جواب یہی ہے کہ ہم ابھی شکل اوّل کے دونوں مقدمات میں جن سے مخلوقیت روحوں کی ثابت ہوتی ہے موجودات کے لفظ کو اسی لحاظ سے عالم کے لفظ سے مشروط اور مقیّد کر چکے ہیں یعنی موجودات عالم کا لفظ لکھ کر اس بات کی طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ یہ دلیل فقط موجودات عالم کے متعلق ہے یعنی ان چیزوں کے متعلق ہے جو عالم میں داخل ہیں لیکن خدائے تعالیٰ عالم سے باہر ہے اور خدائے تعالیٰ کی نسبت ایسا خیال کرنا کہ اس کی ذات میں بھی طرح طرح کی طاقتیں اور قوتیں اور عجائب صفتیں پائی جاتی ہیں اس لئے اس کا بھی کوئی موجد چاہئے۔ یہ خیال انہیں لوگوں کے دلوں میں اٹھتا ہے جن کو معرفتِ الٰہی سے ایک ذرہ بھی حصہ نہیں کیونکہ خدائے تعالیٰ کے وجود کی نسبت یہ تو پہلے ہی سے ماننا پڑتا ہے کہ وہ ایک ایسا وجود ہے کہ جس کی ذات اور ذاتی طاقتیں اور قوتیں اور کامل صفتیں غیر محدود اور غیر متناہی ہیں جو کسی تحدید اور کسی دائرہ عقل یا قیاسی یا وہمی میں نہیں آ سکتیں اور یہ بھی ابتداء ہی سے قبول کیا جاتا ہے کہ اس کا وجود سب وجودوں پر غالب اور سب وجودوں سے افضل اور سب وجودوں سے اول اور اس کی طاقتیں سب طاقتوں سے بڑھ کر ہیں اور اس کی قوتیں سب قوتوں سے زیادہ تر اور اس کی کامل

﴿۱۶۴﴾ کہ بغیر دخل مالک الملک کے تمام روحیں اور ذرّہ ذرّہ اجسام کا خود بخود قدیم سے چلا آتا ہے بلکہ وہ تو پورا پورا فیصلہ کرلیں گے یا تو اپنے باپ دادوں کے خیالات کو کسی ٹھکانہ لگا کر ٹھیک ٹھیک دہریہ بن جائیں گے اور یا اگر سعادت مند ہوئے تو ربّ العٰلمین پر ایمان لائیں گے اور اپنی مخلوقیت کا اقرار کرلیں گے مگر دونوں صورتوں میں وید کے پنجہ سے نکل جائیں گے وہ وقت گزر گئے جب لوگ وید کے کہے کہائے سے چاند سورج کی

بقیہ حاشیہ

صفتیں سب صفتوں سے اکمل اور اتم ہیں اور یہ بجائے خود ثابت کیا گیا ہے کہ تمام ایسے وجودوں کے لئے جو محدود اور مقید اور ناقص اور ناتمام ہیں ایک ایسے وجود کی ضرورت ہے جس کو من کل الوجوہ کمالِ تام ہو اور حدود و قیود سے پاک اور برتر ہو۔ پس جبکہ اس کو کامل تام اور غیر متناہی اور غیر محدود اور سب برتروں سے برتر مان لیا گیا اور تمام ناقصوں کا مبدء فیوض اس کو ٹھہرایا گیا تو پھر اُس کی نسبت یہ خیال کرنا کہ اس کا بھی کوئی موجد ہونا چاہئے یہ غایت درجہ کی وحشیانہ جہالت اور بُرے طور کی نادانی ہے کیونکہ اگر وہ کسی اور موجد کا محتاج ہے تو پھر وہ اس صورت میں نہ کامل رہ سکتا ہے نہ غیر محدود حالانکہ اس کی خدائی کے لئے یہ شرط ضروری ہے کہ اس کو کمال تام حاصل ہو اور اس کی ذات حدود اور قیود سے منزّہ اور پاک ہو غرض اس بات کا قائل ہو کر کہ وہ غیر متناہی اور سب طاقتوں سے بڑھ کر اور کامل تام ہے پھر یہ خیال کرنا کہ باایں ہمہ اس کو کسی موجد کی بھی ضرورت ہے گویا نقیضین کو جمع کر لینا ہے کیونکہ جب پہلے ہی اس کی ذات پر ایمان لانے کے وقت صحت ایمان اسی بات پر موقوف ہے کہ اس کو اکمل و اتم اور بے انتہا اور ہر یک ضعف اور نقصان سے خالی سمجھا جائے تو پھر یہ خیال کہ اس کا کوئی موجد ہونا چاہئے اس صفت ایمان سے بکلّی انکار اور کنارہ کشی ہے اور نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ

﴿۱۶۵﴾ پوجا کرتے تھے اور اگنی کے آگے ہاتھ جوڑتے تھے اور ہندوستان کے تمام عجائبات کو معبود بنا رکھا تھا اب وید کا نیک وقت شاید اس زمانہ میں آوے کہ جب پھر لوگ ویسی ہی موٹی عقل کے ہو جائیں کہ جیسے وہ وید کے زمانہ میں تھے مگر پھر اس تنگ و تاریک حالت کی طرف زمانہ کا پلٹا کھانا قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا اس زمانہ میں بڑے بڑے بوڑھے پنڈت یہ خیال کرتے تھے کہ کوہ ہمالیہ کے پرے اور کوئی ملک ہی نہیں

بقیہ حاشیہ

مخلوق کی نسبت خالق کا اعلیٰ ہونا لازم ہے اور جب کہ ہم اُسی ذاتِ اکمل واتم کو خدا کہتے ہیں جس سے اعلیٰ کوئی نہیں تو اس کو خود بخود ماننا پڑا غرض انتہائی درجہ کا کامل خیال کرنا تحقق خدائی کے لئے واجب ہے اور انتہائی درجہ کے کمال کو خود بخود ہونا لازم پڑا ہوا ہے۔ یہ قاعدہ کہ ہم پر حکمت چیز کو دیکھ کر جس میں طرح طرح کی عجائب صفتیں پائی جاتی ہیں ایک صانع حکیم کا ایجاد اس کو سمجھتے ہیں یہ تو ان اشیاء عالم سے متعلق ہے جن کا ناقص ہونا اول ہم ثابت کر لیتے ہیں اور جن کا محدود اور مقید ہونا اور اپنی تکمیل ذات کے لئے غیر کی طرف محتاج ہونا دلائل کاشفہ سے ہم پر کھل جاتا ہے تب جو جو کاریگری کے کام ایسے ناقص وجودوں میں پائے جاتے ہیں ان کی نسبت بطور یقین اور قطع کے ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ ان عجائب کاموں کا کرنے والا ضرور در پردہ موجود ہے جو قادر و حکیم و کامل ہے اور یہ بھی ہر یک پر واضح ہے کہ ہم عالم کی چیزوں میں سے جتنی چیزوں کے وجود پر نظر ڈال کر ایک موجد کامل و قادر کا انہیں محتاج پاتے ہیں یا ان کی نسبت حکم صادر کرتے ہیں کہ ان موجودات کا کوئی موجد چاہئے وہ سب ایسی چیزیں ہیں جو کسی نہ کسی طور سے بلا واسطہ وسائل دیگر ہماری نظر اور فکر کے آگے محسوس اور معلوم الوجود ہوتے ہیں بجز ایک ذات پروردگار جلّ شانہٗ کے جو ہم اس کے وجود کو بغیر ذریعہ وحی یا مصنوعات کے جو اپنے صانع پر دلالت کرتے ہیں

﴿۱۶۶﴾ اور یہ اعتقاد کیا گیا تھا کہ چونکہ ہمگی وتمامی جائیداد پرمیشر کی یہی آریہ دیس ہے اس لئے پرمیشر کو اس اپنی جاگیر سے بڑی محبت ہے اور اس نے ہمیشہ کے لئے آریوں کو ٹھیکہ دے رکھا ہے کہ ہمیشہ میرا کلام تم میں ہی اترے گا سنسکرت میری زبان ہوگی آریہ دیس میرا دیس ہوگا اور وید میرا ہمیشہ کلام ہوگا اوروں سے مجھے کیا غرض اور کیا واسطہ لیکن اس زمانہ میں ایک دس برس کا بچہ بھی کچھ تھوڑا سا جغرافیہ پڑھ کر معلوم کرسکتا ہے کہ خدائے تعالیٰ

بقیہ حاشیہ

اور کسی طرح شناخت ہی نہیں کرسکتے سو درحقیقت اس کا وجود اور چیزوں کے وجود کی طرح معلوم التعین نہیں تا اس کے موجد اور تعین کنندہ کا خیال دل میں گزر سکے بلکہ وہ تمام مصنوعات پر غور کرنے کا ایک ضروری نتیجہ ہے جو اپنی ذات میں خیال اور قیاس اور گمان اور وہم سے بلند تر و برتر ہے۔ غرض اس کا وجود اور چیزوں کی طرح نہیں بلکہ اس کے وجود سے مراد وہ آخری وجود ہے جو تمام چیزوں پر نظر ڈالنے کے بعد اس کی ضرورت ثابت ہوتی ہے سو جس خاص طور سے اس کا وجود تمام عالم کے اطوار شناخت سے الگ پڑا ہوا ہے وہی طور خاص اس بات کو سمجھا دیتا ہے کہ اس کے لئے موجد کا ہونا ممتنع اور خلاف عقل ہے اور بجز اسی کی ذات کامل اور غنی مطلق وغیر محدود کے اور کسی چیز کو ہم ایسی نہیں دیکھتے جو داغ نقصان اور احتیاج الی الغیر سے خالی ہو اور دوسری طرف ہم اس کی غیر میں یہ بھی دیکھتے ہیں کہ کیا ارواح اور کیا اجسام اپنی ذات اور صفات میں طرح طرح کے پُرحکمت خواص اپنے وجود کے اندر رکھتے ہیں اس لئے ہم کو ایسے مصنوعات پر نظر ڈال کر بضرورت ماننا پڑتا ہے کہ کسی صانع قدیم وحکیم وقادر کامل کے ہاتھ سے یہ سب چیزیں نکلی ہیں لیکن خدائے تعالیٰ کی نسبت جو اپنی ذات میں کامل اور احتیاج غیر سے منزّہ اور غیر محدود اور غیر متناہی طاقتوں والا ہے یہ خیال پیدا نہیں ہوتے کیونکہ غیر متناہی سے بڑھ کر اور کون ہوگا جو

﴿۱۶۷﴾ کی زمین کیسی کیسی آبادیوں پر مشتمل ہے اور کیونکر کروڑ ہا رنگا رنگ کی مخلوقات پردۂ زمین پر آباد ہو رہی ہے اور خدائے تعالیٰ نے کیسی ان کو عقل میں فہم میں دنیا میں دین میں آریوں کی نسبت بہت زیادہ ترقیات بخشی ہیں کیا اتنے بڑے جہان کا مالک ایک خسیس اور بخیل آدمی کی طرح ہمیشہ کے لئے ایک خاص ملک تک اپنے فیوض الہامی محدود رکھ سکتا ہے پھر وہ الہام جس پر اس قدر ناز ہے یعنی وید عجیب قسم کا الہام ہے کہ اول سے

بقیہ حاشیہ

اُسے پیدا کرنے والا ہوگا اس لئے عالم کی چیزوں کے ساتھ اس کا قیاس نہیں کیا جاتا بلکہ وہ تو لایدرک ذات ہے جو تمام عالم کی چیزوں پر نظر ڈالنے کے بعد ضروری طور پر ماننا پڑتا ہے نہ احاطہ عقلی یا رؤیت کے طور پر سو جو اس طرح لایدرک طور پر مانا گیا ہے اسے کامل برتر از عقل وفہم کا نام خدا ہے سوائے اس کے تمام موجودات کی ایجاد کی نسبت تو وہ اپنے الہام کے ذریعہ سے آپ دعویدار ہوگیا اور پاک ملہموں کی روح میں ہو کر اس نے کلام کیا کہ جو کچھ نظر آتا ہے جو خالی نقصان سے نہیں اُس سب کا موجد میں ہی ہوں جو کامل ہوں اور یہ ملہم لوگ ایسے نادر الوجود نہیں جو صرف چار ہی ہوں اور کوئی پانچواں نہ ہو بلکہ بے شمار ہوئے ہیں اور آئندہ بھی ہمیشہ الہامات کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور ہر یک شخص صراط مستقیم پر قدم مارنے سے جو قانون تحصیل مرضیات الٰہی ہے حسب دائرہ حوصلہ و استعداد اپنے کے الہامات کو پا سکتا ہے اور مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ سے مستفیض ہوسکتا ہے غرض جس حالت میں خدائے تعالیٰ بذریعہ اپنے الہام کے قدیم سے انا الخالق کا دعویٰ کرتا چلا آیا ہے اور ہر یک روح بوجہ اپنے نقصان ذاتی اور احتیاج ایک ربّ کے جو تدارک اس نقصان کا کرے اپنے نفس میں اس کی ضرورت بھی پاتی ہے۔ تو اس صورت میں اس ذات کامل الصفات کا خالق ہونا بدیہی الثبوت ہے لیکن اس خالق حقیقی کے

﴿۱۶۸﴾ آخر تک بجز مخلوق پرستی کے بات نہیں کرتا پنڈت دیانند نے تاویلات میں بہت کوشش کی مگر کوئی کج کو سیدھا ظاہر کرنے میں کہاں تک ٹکریں مارے آخر کچھ بھی نہ ہوسکا وید کی تعلیم مخلوق پرستی کے ایک آدھ مقام میں تو نہیں کہ چھپ سکے وہ تو سارا انہی خیالات سے بھرا ہوا ہے۔ تمام دنیا کے پردے میں گھوم آؤ تمام قوموں کو پوچھ کر دیکھ لو کوئی قوم ایسی نہ پاؤ گے کہ جو وید کو پڑھے اور اس کو موحدانہ تعلیم سمجھے ہم سچ سچ کہتے ہیں اور زیادہ باتوں میں وقت کھونا نہیں چاہتے کہ جو کچھ قرآن شریف کے دس ورق سے توحید کے معارف آفتاب عالمتاب کی طرح ظاہر ہوتے ہیں اگر کوئی شخص وید کے ہزار ورق سے بھی نکال کر دکھلاوے تو ہم پھر بھی مان جائیں کہ ہاں وید میں توحید ہے اور جو چاہے حسب استطاعت ہم سے شرط کے طور پر مقرر بھی کرالے ہم قسمیہ بیان کرتے ہیں اور خدائے واحد لاشریک کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم بہرحال ادائے شرط مقررہ پر جس طور سے فیصلہ کرنا چاہیں حاضر ہیں لیکن ناظرین خوب یاد رکھیں اور اے آریہ کے نوعمر و نوگرفتارو! تم بھی یاد رکھو کہ وید میں ہرگز توحید محض نہیں ہے وہ جابجا مشرکانہ تعلیم سے مخلوط ہے ضرور مخلوط ہے کوئی اس کو بری نہیں کرسکتا اور زمانہ آتا جاتا ہے کہ اُس کے سارے پردے کھل جائیں سو تم لوگ اس خدا سے ڈرو جس کی عدالت سے کسی ڈھب روپوش نہیں ہوسکتے۔

آریہ سماج والوں میں نانک صاحب کے چیلے بھی کچھ کچھ داخل ہیں انہیں ہم بطور

بقیہ حاشیہ لئے کوئی اور خالق تب تجویز کیا جائے جب اول کوئی اس کے سر پر دعویدار اٹھے کہ اس کا میں خالق ہوں اور اُس کو مغلوب اور محکوم کر کے دکھلاوے مگر جب کہ ان تمام باتوں میں سے کوئی بات بھی ثابت نہیں اور من کل الوجوہ خدائے تعالیٰ کامل الذّات والصفات اور اپنی ذات میں واحد لاشریک اور درحقیقت سب برتروں سے برتر ہے تو پھر ایسا خیال سراسر دیوانگی اور حماقت ہے۔ منہ۔

﴿۱۶۹﴾ خاصؔ نصیحت کرتے ہیں کہ تمہارے گروصاحب نے جابجا وید سے مخالفت کی ہے اور جہاں تک ان کی علمی حیثیت تھی انہوں نے دین اسلام کے عقائد کو پسند کیا ہے بلکہ ایک صاحب نرائن سنگھ نام گرنتھ خوان واعظ نے ایک سو سے زیادہ آدمیوں کے مجمع میں ہمارے روبرو بیان کیا کہ وہ بعض اوقات اعمال عبادت بھی اسلام کے طور پر بجالاتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ در پردہ حق کے قبول کرنے کے لئے بہت کچھ تیار ہو گئے تھے۔ وہ اپنے گرنتھ میں فرماتے ہیں کہ جو ہمیشہ خود بخود بغیر کسی کے پیدا کرنے کے چلا آیا ہے وہی پرمیشر ہے جیسے ان کا یہ شبد ہے۔ ''تہا پیانہ جا کیتا نہ ہو۔ آپے آپ نرنجن سو''۔ یعنی جو بغیر کسی کے پیدا کرنے کے خود بخود قدیم سے چلا آیا ہے وہی خدا ہے۔ اب دیکھو کہ اگر روحوں کو قدیم اور خود بخود مانا جائے تو اس تعریف کے رو سے ان سب روحوں کا خدا ہونا لازم آتا ہے تو پھر یہ پرمیشر کی کیا تعریف ہوئی جس میں سارا جہان داخل ہے۔ اور اگر ہم اس تعریف کو غلط اور خلاف عقائد ہنود سمجھیں اور یہ خیال کریں کہ نانک صاحب نے بوجہ نہ ہونے علم وید کے اپنے پرمیشر کی ایسی تعریف کر دی ہے جو صریح وید کے اصولوں کے برخلاف ہے تو اس میں نانک صاحب کی کسر شان ہے کیونکہ وہ اپنے گرنتھ کے کئی مقامات میں صاف صاف لکھتے ہیں کہ میں نے وید پڑھا ہوا ہے اور چاروں ویدوں کی تعلیمیں مجھ سے پوشیدہ نہیں اور میں خوب جانتا ہوں کہ وید تناسخ کو مانتا ہے جس کی بنیاد روحوں کا غیر مخلوق ہونا ہے پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ وید کی تعلیم کو اس جگہ نانک صاحب نے قبول نہیں کیا اور جابجا یہ بھی جتلا دیا کہ میں ویدوں کی تعلیم سے ناواقف نہیں اور نہ بے علم ہوں بلکہ چاروں ویدوں کو میں نے پڑھا اور خوب کنٹھ کیا ہوا ہے سو اتنے بڑے دعویٰ سے نانک صاحب کا وید کے اس اصل الاصول سے دست بردار ہو جانا صاف دلالت کرتا ہے کہ نانک صاحب ویدوں کے اس بھاری عقیدہ سے جو مدار تناسخ ہے اپنی زندگی میں بیزار ہو چکے تھے اور ہادی مطلق نے ان کے دل کو یہ ہدایت کر دی تھی کہ یہ تحریر ویدوں

﴿۱۷۰﴾ کی بالکل جھوٹی اور غلط ہے پس جب کہ نانک صاحب حسب تعلیم قرآن شریف خدائے تعالیٰ کے خالق اور ربّ العالمین ہونے پر ایمان لے آئے تھے اور ویدوں کی ایسی ایسی تعلیموں کو انہوں نے یک لخت چھوڑ دیا تھا اس لئے ان صاحبوں کی خدمت میں جو نانک صاحب کے سکھ ہوکر اور کشن سنگھ بشن سنگھ نارائن سنگھ بھگوان سنگھ وغیرہ نام رکھوا کر پھر اپنے گورو کے گرنتھ سے باہر چلے جاتے ہیں بادب تمام عرض کیا جاتا ہے کہ وہ بھی وید کی ایسی ایسی تعلیموں سے دست کش ہوجائیں ورنہ اگر نانک صاحب سے روحانی موافقت نہیں تو پھر خواہ نخواہ ایک ٹوکرا کیسوں کا سر پر اٹھائے رکھنا اور حرارت اور عفونت کی تکلیفیں اٹھانا ضرورت ہی کیا ہے۔ نانک صاحب روحوں کے مخلوق ہونے کے بارے میں اپنے گرنتھ میں کافی شہادت دے گئے ہیں چنانچہ وہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔ **ایتی کیتی ہور کرے۔ تا آکھ نہ سکے کئی کے۔** یعنی اگر اس قدر ارواح اور اجسام جو پہلے خدائے تعالیٰ پیدا کر چکا ہے اور پیدا کرے تو وہ کرسکتا ہے اور اس کی قدرتوں کے مقابل اور ہم قدم تعریفیں چل نہیں سکتیں۔ یہ مقولہ نانک صاحب کا بالکل قرآن شریف کی ایک آیت کا گویا ترجمہ ہے اور سراسر اس کے مطابق ہے چونکہ نانک صاحب اکثر دلی اخلاص سے علماء اسلام کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور دینی باتیں سنتے تھے اس لئے کسی مولوی صاحب کی زبانی انہوں نے یہ مضمون آیت کا سن لیا ہوگا کیونکہ مسلمانوں سے اکثر ان کی صحبت رہتی تھی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ بعض اوقات وہ نماز بھی پڑھ لیا کرتے تھے اور پھر اس کے بعد ان کا یہ شبد ہے جو نیچے لکھا جاتا ہے۔ **جے وڈ بھاوے تے وڈ ہو۔ نانک جانے ساچا سو۔** آفرین اے نانک آفرین یہ شبد بھی قرآن شریف کی اس آیت کے سراسر مطابق زبان سے نکل گیا ہے اور آیت یہ ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی تمام محامد اور تمام کمالات اور تمام تعریفیں اور تمام بزرگیاں اور خوبیاں جو مرتبہ جلیلہ خدائی کے لئے ضروری ہیں وہ سب اللہ جلّ شانہٗ کو حاصل اور اس کی ذات میں جمع

﴿۱۷۱﴾ ہیں جس کی ایجاد کے بغیر کوئی چیز موجود نہیں ہوئی اور وہ تمام عالمین کا رب اور پیدا کنندہ ہے پس اسی آیت شریفہ کے مطابق نانک صاحب کا شبد ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ جو بزرگی اور عظمت اور قدرت خدائے تعالیٰ کو چاہئے وہ سب اسے حاصل ہے۔ اے نانک جو اس بات کو جانتا ہے وہی صادق ہے۔ افسوس اس بات کو وید کیوں نہیں جانتا آریہ لوگ کیوں نہیں جانتے دیانند صاحب کیوں جانے بغیر کوچ کر گئے۔ یہ ظاہر ہے کہ پیدا کرنا اور محض اپنی قدرت سے وجود بخشنا ایک کمال ہے جو بڑی تعریف کے لائق ہے اور خدا وہ ہونا چاہئے جس میں سب کمالات اور سب تعریف کی باتیں پائی جائیں مگر وید کے پرمیشر پر یہ کیا مصیبت نازل ہوئی کہ وہ اس بھاری درجہ کے کمال سے کہ جو تمام کارخانہ خدائی کی کنجی ہے بے نصیب رہ گیا۔ دیکھو اے کیسوں والے آریو! جو نانک صاحب کے چیلہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہو کہ نانک صاحب قرآنی آیت کی تصدیق کر کے کہتے ہیں کہ صادق وہی ہے کہ جو ان سب بزرگیوں اور تعریفوں کا قائل ہے کہ جو خدائے تعالیٰ کو اپنے کمال تام کے لئے مطلوب ہیں ورنہ جھوٹا اور دروغگو ہے۔ سو تم اب تو وید کا پیچھا چھوڑو کہ تمہارے گورو صاحب پکار پکار کر کہہ رہے ہیں اور اپنے شبد تمہیں سنا رہے ہیں اور پھر دیکھو کہ وہ مخالفوں پر ناراض ہو کر آگے کیا فرماتے ہیں۔ **جے کو آکھے بول بگاڑ۔ تا لکھی سر گواراں گوار۔** یعنی اگر کوئی یہ بات تسلیم نہ کرے اور اس کا مخالف کچھ مُنہ پر لاوے تو اس کو جاہلوں کا سردار لکھنا چاہئے۔ اے نانک صاحب آپ کہاں اور کدھر ہو اب تو آپ ہی کے چیلے آریہ سماج میں بیٹھ کر بول بگاڑ رہے ہیں اور صاف کہہ رہے ہیں کہ دنیا کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں بلکہ وہ تو وید کی شرتیوں کو سچ مچ درست سمجھ کر خدائے تعالیٰ کا خالق اور ربّ العالمین ہونا غیر ممکن سمجھتے ہیں اور اگر کسی کے منہ سے بھولے سے یہ نکل بھی جائے کہ میری روح کا رب اور پیدا کنندہ پرمیشر ہے تو اس کو مہان پاپی خیال کرتے ہیں اور اپنے پرمیشر کو صرف اس قدر

﴿۱۷۲﴾ طاقت والا جانتے ہیں کہ اس کو فقط جوڑنا جاڑنا آتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔ آپ نے تو قرآن شریف کے مطابق انہیں یہ سبق پڑھایا تھا کہ وہ تمام انتہائی درجہ کی قدرتیں اور عظمتیں اور تعریفیں جو ذہن میں آسکتی ہیں اور وہ سب کمالات اعلیٰ سے اعلیٰ جو خدا ہونے کے لئے زیبا و شایان ہیں وہ سب پرمیشر کو حاصل ہیں مگر آپ کے چیلے تو چار دن آریہ سماج میں بیٹھ کر اور ویدوں کی ملحدانہ شرتیوں کو سن کر آپ کے اس گورمنتر کو چھوڑ بیٹھے اور وہ پٹڑی ہی بھول گئے جس پر آپ نے انہیں جمایا تھا اب اور تعریفیں پرمیشر کی تو طاق پر رہیں انہوں نے تو وہ پہلا حرف ہی جس سے نام پرمیشر کا دنیا میں ظاہر ہوتا ہے یعنی پیدا کرنا اپنے لوح دل سے ایسا مٹا دیا ہے کہ گویا کبھی سنا ہی نہیں تھا۔

ان کو سودا ہوا ہے ویدوں کا ان کا دل مبتلا ہے ویدوں کا
آریو اس قدر کرو کیوں جوش کیا نظر آ گیا ہے ویدوں کا
نہ کیا ہے نہ کرسکے پیدا سوچ لو یہ خدا ہے ویدوں کا
عقل رکھتے ہو آپ بھی سوچو کیوں بھروسا کیا ہے ویدوں کا
بے خدا کوئی چیز کیونکر ہو یہ سراسر خطا ہے ویدوں کا
ناستک مت (دہریہ مذہب) کے وید ہیں حامی بس یہی مدعا ہے ویدوں کا
ایسے مذہب کبھی نہیں چلتے کال سر پر کھڑا ہے ویدوں کا

اور واضح رہے کہ یہ تعلیم ویدوں کی کہ دنیا خود بخود چلی آتی ہے کوئی اس کے سر پر پیدا کنندہ و مالک نہیں ہے صرف ایک ادھورا سا جوڑنے جاڑنے والا ہے یہ ایک ایسا ناقص اعتقاد ہے جس کے ماننے سے بہ مجبوری یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس جوڑنے جاڑنے والے کو یا تو اپنے ممالک مقبوضہ کا کچھ بھی

﴿۱۷۳﴾ علم نہیں اور یا شاید کچھ ہے تو ایک ناقص اور نا تمام سا علم ہے جیسے ایک موتیا بند والے کو جس کی آنکھوں پر نزول الماء اتر آیا ہو کچھ کچھ اوّل دھندلا سا نظر آتا ہے۔☆ اور پھر آخر کار پورا پورا اندھا ہو جاتا ہے پس صاف ظاہر ہے کہ ایسی خراب تعلیم کو جس کے ایسے ایسے خراب نتائج ہیں کسی صاف دل ہندو کی روح بھی قبول نہیں کر سکتی بلکہ پنڈت دیانند کے دل نے بھی اس کو قبول نہیں کیا لالہ شرم پت ایک آریہ اسی جگہ قادیان کے

☆ **حاشیہ** ﴿۱۷۳﴾ یہ ایک نہایت باریک صداقت ہے کہ علم باری تعالیٰ جس کی کاملیت کی وجہ سے وہ ذرہ ذرہ کے ظاہر و باطن پر اطلاع رکھتا ہے کیونکر اور کس طور سے ہے اگرچہ اس کی اصل کیفیت پر کوئی عقل محیط نہیں ہو سکتی مگر پھر بھی اتنا کہنا سراسر سچائی پر مبنی ہے کہ وہ تمام علم کے قسموں میں سے جو ذہن میں آ سکتے ہیں اشدّ و اقویٰ و اتم و اکمل قسم ہے۔ جب ہم اپنے حصول علم کے طریقوں کو دیکھتے ہیں اور اس کے اقسام پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اپنے سب معمولی علموں میں سے بڑا یقینی اور قطعی وہی علم معلوم ہوتا ہے جو ہم کو اپنی ہستی کی نسبت ہے کیونکہ ہم اور ایسا ہی ہر ایک انسان کسی حالت میں اپنی ہستی کو فراموش نہیں کر سکتا اور نہ اس میں کوئی شک کر سکتا ہے سو جہاں تک ہماری عقل کی رسائی ہے ہم اس قسم کے علم کو اشدّ و اقویٰ و اتم و اکمل پاتے ہیں اور یہ بات ہم سراسر خدائے تعالیٰ کی ذات کامل سے بعید دیکھتے ہیں کہ جو اس درجہ اور اس قسم کے علم سے اس کا علم اپنے بندوں کے بارہ میں کمتر ہو کیونکہ یہ بڑے نقص کی بات ہے کہ جو اعلیٰ قسم علم کی ذہن میں آ سکتی ہے وہ خدائے تعالیٰ میں نہ پائی جائے اور اعتراض ہو سکتا ہے کہ کس وجہ سے خدائے تعالیٰ کا علم اعلیٰ درجہ کے علم سے متنزّل رہا آیا اس کے اپنے ہی ارادہ سے یا کسی قاسر کے قسر سے اگر کہو کہ اس کے

﴿۱۷۴﴾ رہنے والے نے میرے پاس بیان کیا کہ میں نے روحوں کی پیدائش کے بارے میں دیانند جی سے دریافت کیا تو لگے باتیں بنانے اور فرمایا کہ پہلے جو ہو چکا سو ہو چکا آئندہ اگر پرمیشر پیدا کرتا ہی چلا جائے تو اتنا بڑا وسیع مکان کہاں سے لائے جن میں روحیں رہا کریں اب دیکھو کہ اس تقریر میں ناچار ہو کر دیانند نے اس قدر مان لیا کہ اول پرمیشر نے ضرور روحوں کو پیدا کیا تھا لیکن آئندہ اس خوف سے پیدا کرنے سے دست کش ہے کہ کوئی

بقیہ حاشیہ

﴿۱۷۴﴾ اپنے ہی ارادہ سے تو یہ جائز نہیں کیونکہ کوئی شخص اپنے لئے بالارادہ نقصان روا نہیں رکھتا تو پھر کیونکر خدائے تعالیٰ جو بذات خود کمالات کو دوست رکھتا ہے ایسے ایسے نقصان اپنی نسبت روا رکھے اور اگر کہو کہ کسی قاسر کی قسر سے یہ نقصان اس کو پیش آیا تو چاہئے کہ ایسا قاسر اپنی طاقتوں اور قوتوں میں خدائے تعالیٰ پر غالب ہو تا وہ زیادت قوت کی وجہ سے اس کے ارادوں سے روک سکے اور یہ خود ممتنع اور محال ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ پر اور کوئی قاسر نہیں جس کی مزاحمت سے اس کو کوئی مجبوری پیش آوے پس ثابت ہوا کہ ضرور خدائے تعالیٰ کا علم کامل تام ہے اور پہلے ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں کہ علم کی تمام قسموں میں سے کامل و تام وہ علم ہے کہ جو ایسا ہو جیسے ایک انسان کو اپنی ہستی کی نسبت علم ہوتا ہے سو ماننا پڑا کہ خدائے تعالیٰ کا علم اپنی مخلوقات کے بارہ میں اسی علم کی مانند اور اسی کے مشابہ ہے گو ہم اس کی اصل کیفیت پر محیط نہیں ہو سکتے لیکن ہم اپنی عقل سے جس کی رو سے ہم مکلّف ہیں یہ سمجھ سکتے ہیں کہ بڑا قطعی اور یقینی علم یہی ہے جو عالم اور معلوم میں کسی نوع کا بُعد اور حجاب نہ ہو سو وہ قسم علم کی یہی ہے اور جس طرح ایک انسان کو اپنی ہستی پر مطلع ہونے کے لئے دوسرے وسائل کی ضرورت نہیں بلکہ جاندار ہونا

ایسا بڑا مکان اسے نہیں ملتا۔ اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت دیانند کو اپنی عمر ﴿۱۷۵﴾
کے آخری حصہ میں وید کی ایسی ایسی تعلیموں کی نسبت بہت کچھ شکوک اور شبہات پڑ گئے تھے بلکہ رسالہ دھرم جیون پندرھویں جولائی ۱۸۸۶ء میں لکھا ہے کہ پنڈت دیانند صاحب جاتے وقت اشاروں کنایوں سے بعض معزّز برہمو صاحبوں کو سمجھا گئے کہ اب میرا ایمان ویدوں پر نہیں رہا۔ میں کہتا ہوں کہ پنڈت صاحب تو پنڈت صاحب ہی تھے

بقیہ حاشیہ

اور اپنے تئیں جاندار سمجھنا دونوں باتیں ایسی باہم قریب واقع ہیں کہ ان ﴿۱۷۵﴾
میں ایک بال کا فرق نہیں سو ایسا ہی جمیع موجودات کے بارہ میں خدا تعالیٰ کا علم ہونا ضروری ہے یعنی اس جگہ بھی عالم اور معلوم میں ایک ذرّہ فرق اور فاصلہ نہیں چاہیئے اور یہ اعلیٰ درجہ علم کا جو باری تعالیٰ کو اپنے تحقّق الوہیت کے لئے اس کی ضرورت ہے اسی حالت میں اس کے لئے مسلم ہوسکتا ہے کہ جب پہلے اس کی نسبت یہ مان لیا جائے کہ اس میں اور اس کے معلومات میں اس قدر قرب اور تعلق واقع ہے جس سے بڑھ کر تجویز کرنا ممکن ہی نہیں اور یہ کامل تعلق معلومات سے اسی صورت میں اس کو ہوسکتا ہے کہ جب عالم کی سب چیزیں جو اس کی معلومات ہیں اس کے دستِ قدرت سے نکلی ہوں اور اس کی پیدا کردہ اور مخلوق ہوں اور اس کی ہستی سے ان کی ہستی ہو یعنی جب ایسی صورت ہو کہ موجود حقیقی وہی ایک ہو اور دوسرے سب وجود اس سے پیدا ہوئے ہوں اور اس کے ساتھ قائم ہوں یعنی پیدا ہو کر بھی اپنے وجود میں اس سے بے نیاز اور اس سے الگ نہ ہوں بلکہ درحقیقت سب چیزوں کے پیدا ہونے کے بعد بھی زندہ حقیقی وہی ہو اور دوسری ہر ایک زندگی اسی سے پیدا ہوئی ہو اور اس کے ساتھ قائم ہو اور بے قید حقیقی وہی

﴿۱۷۶﴾ ایسے ویدوں پر کسی منصف مزاج کا ایمان نہیں رہ سکتا بلکہ کون آدمی ایسا دل کا اندھا ہے جس کو یہ موٹی بات بھی سمجھ میں نہ آ سکے کہ جس پرمیشر کو پیدا کرنا بھی نہیں آتا اور یوں ہی جائیداد مستعار سے کام چلا رہا ہے وہ کس بات کا پرمیشر ہے اور جس کی کمزوری کا یہ حال ہے کہ اگر روحیں اور مواد نہ ہوں تو پھر اس کا سب پرمیشر پن طاق پر رکھا رہ جائے ایسے نالائق کو کون پرمیشر کہہ سکتا ہے۔ یہ بات ایسی صاف صاف اور انسان کے فطرتی تقاضا

﴿۱۷۶﴾ **بقیہ حاشیہ** ایک ہو اور دوسری سب چیزیں کیا ارواح اور کیا اجسام اس کی لگائی ہوئی قیدوں میں مقید اور اس کے ہاتھ کے بندوں سے بندھے ہوئے اور اس کی مقرر کردہ حدوں میں محدود ہوں اور وہ ہر چیز پر محیط ہو اور دوسری سب چیزیں اس کی ربوبیت کے نیچے احاطہ کی گئی ہوں اور کوئی ایسی چیز نہ ہو جو اس کے ہاتھ سے نہ نکلی ہو اور اس کی ربوبیت کا اس پر احاطہ نہ ہو یا اس کے سہارے سے وہ چیز قائم نہ ہو غرض اگر ایسی صورت ہو تب خدائے تعالیٰ کا تعلق تام جو علم تام کے لئے شرط ہے اپنے معلومات سے ہوگا اسی تعلق تام کی طرف اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ قرآن شریف میں ارشاد فرمایا جیسے وہ فرماتا ہے۔ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ[1] یعنی ہم انسان کی جان سے اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ تر نزدیک ہیں اور ایسا ہی اس نے قرآن شریف میں ایک دوسری جگہ فرمایا ہے هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ یعنی حقیقی حیات اسی کو ہے اور دوسری سب چیزیں اس سے پیدا اور اس کے ساتھ زندہ ہیں یعنی درحقیقت سب جانوں کی جان اور سب طاقتوں کی طاقت وہی ہے لیکن اگر یہ خیال کیا جائے کہ وہ قدیم سے الگ کا الگ چلا آتا ہے اور اس کی ربوبیت کا کسی چیز پر احاطہ نہیں اور کوئی چیز اس سے ظہور پذیر نہیں ہوئی تو اس صورت میں علم کائنات

[1] قٓ : ۱۷

کے موافق ہے کہ ہر یک پاک دل آدمی بلا تردّد اس کے شہادت اپنے دل میں پاتا ہے اور خود ہندو لوگ بھی ہرگز پسند نہیں کرتے کہ ان کا پرمیشر ایسے نقصانوں میں مبتلا ہو مجھے یاد ہے کہ ہوشیار پور کے بحث میں جب میں نے لوگوں کو سنایا کہ آریہ سماج والوں کا یہ اعتقاد ہے کہ ان کا پرمیشر روحوں کے پیدا کرنے سے عاجز ہے تو کئی معزّز ہندو جو میرے پاس بیٹھے تھے وہ یہ سن کر توبہ توبہ کرنے لگ گئے کہ یہ کیسا خراب ﴿۱۷۷﴾

بقیہ حاشیہ

تو اسے کیا ہوگا بلکہ محدود چیزوں میں سے وہ بھی ایک چیز ہوگی جس کا کوئی اور محدّد تلاش کرنا پڑے گا۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ جو چیز غیر مخلوق فرض کی جائے اس کی نسبت یہ تو ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کو اس چیز کا علم تام جو اس سے الگ اور غیر مخلوق اور قدیم ہے کسی طور سے نہیں ہوسکتا اور باایں ہمہ اس چیز کے نفس وجود پر نظر ڈالنے سے اس قدر بھی لازم نہیں آتا کہ خواہ نخواہ کسی درجہ کا ناقص علم بھی اس کے بارہ میں خدائے تعالیٰ کو حاصل ہو اور کوئی دلیل اس بات پر قائم نہیں ہوسکتی کہ کیوں حاصل ہو ہاں جو چیز ممکن اور حادث اور مسبوق بعدم ذاتی ہے وہ ضرور ہے کہ خدائے تعالیٰ کو معلوم ہو اور علم الٰہی سے باہر نہ ہو کیونکہ جو چیز نامعلوم ہے عطائے وجود اس کے لئے ممکن نہیں پس علم ممکنات قبل وجود ممکنات خدائے تعالیٰ کے لئے ہونا ضروری ہے اور اس سے بالضرور ثابت ہے کہ ممکنات باسرہا معلومات الٰہیہ میں داخل ہیں لیکن جس چیز کو ممکن اور حادث اور مسبوق بعدم ذاتی تسلیم نہ کیا جائے اور ذات علّت العلل کا اس کو معلول اور محاط نہ ٹھہرایا جائے، اس پر کوئی برہان عقلی قائم نہیں ہوسکتی کہ کیوں وہ علم الٰہی سے باہر نہیں۔ مثلاً اگر روح کو مخلوق اور حادث تسلیم نہ کیا جائے تو اس بات کے ﴿۱۷۷﴾

﴿۱۷۸﴾ اعتقاد ہے اور جب لالہ مرلی دھر صاحب اس اعتراض کا جواب لکھنے بیٹھے تو وہ چند ہندو صاحب اٹھ کر چلے گئے کہ ہم ہرگز ایسا بیہودہ جواب جس میں پرمیشر کی نندیا یعنی توہین ہے سننا نہیں چاہتے۔ ایسا ہی ایک صاحب نے میرے پاس بیان کیا کہ امرتسر کے مقام میں کوئی آریہ صاحب کسی جگہ بازار میں بکھیان کے طور پر یہ ذکر کر رہے تھے کہ پرمیشر کا پرمیشر پن صرف جوڑنے جاڑنے تک ختم ہے اور اس سے آگے اسے کچھ طاقت نہیں اس پر کسی دوسرے ہندو نے کچھ بحث کرنا شروع کیا تب وہ لالہ صاحب بات کرتے کرتے گرم ہو کر کہنے لگے کہ ویدوں میں صاف لکھا ہے کہ جیو پرکرتی انادی یعنی روح و مادہ خود بخود قدیم سے چلے آتے ہیں جن کو کسی نے پیدا نہیں کیا یہ بات سنتے ہی اس

﴿۱۷۸﴾ **بقیہ حاشیہ** تسلیم کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ ایک بے تعلق شخص جو فرضی طور پر پرمیشر کے نام سے موسوم ہے روح کی حقیقت سے کچھ اطلاع رکھتا ہے اور اس کا علم اس کی تہ تک پہنچا ہوا ہے کیونکہ جو شخص کسی چیز کی نسبت پورا پورا علم رکھتا ہے تو البتہ اس کے بنانے پر بھی قادر ہوتا ہے اور اگر قادر نہیں ہوسکتا تو اس کے علم میں ضرور کوئی نہ کوئی نقص ہوتا ہے اور اگر پورا علم نہ ہو تو قطع نظر بنانے سے متشابہ چیزوں میں باہم امتیاز کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ سو اگر خدائے تعالیٰ خالق الاشیاء نہیں تو اس میں صرف یہی نقص نہیں ہے کہ اس صورت میں وہ ناقص العلم ٹھہرا بلکہ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ کروڑہا روحوں کے امتیاز اور تمیز اور شناخت میں روز بروز دھوکے بھی کھایا کرے اور بسا اوقات زید کی روح کو بکر کی روح سمجھ بیٹھے کیونکہ ادھورے علم کو ایسے دھوکے ضرور لگ جایا کرتے ہیں اور اگر کہو کہ نہیں لگتے تو اس پر کوئی دلیل پیش کرنی چاہیئے۔ منہ۔

﴿۱۷۹﴾ ہندو کو بھی جو بمقابل اس آریہ کے بات کر رہا تھا ایسا جوش آ گیا کہ بے اختیار اس کے مُنہ سے نکل گیا کہ اگر پرمیشر ایسا ہی عاجز ہے تو وہ پھر تیری ایسی تیسی کا پرمیشر ہے چنانچہ اس بات پر ان دونوں میں ہاتھا پائی اور دست بگریباں ہونے کی نوبت پہنچ چلی تھی مگر لوگوں نے درمیان میں ہو کر ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا پس ان عام نفرتوں سے ظاہر ہے کہ دنیا میں کوئی بھی ایسا انسان نہیں ہے کہ اگر وہ اپنے تعصّبات کو الگ کر کے سوچے تو وہ اس صاف اور بدیہی اور کھلی کھلی سچائی تک نہ پہنچ سکے کہ خدائے تعالیٰ کو اگر اس کی خوبیوں اور قدرتوں سے الگ کیا جائے تو پھر خود اس کو اپنی خدائی سے الگ ہونا پڑتا ہے کیا بجز اس کے کہ خدائے تعالیٰ ہر ایک وجود کا موجد ہے کوئی اور بھی بات چھپی ہوئی ہے جس کے رو سے خدا کو خدا کہا جاتا ہے۔

قولہ ۔مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ ارواح کے غیر مخلوق اور خود بخود ماننے میں دوسری قباحت یہ ہے کہ ایسا اعتقاد خدائے تعالیٰ کو خدائی سے جواب دے رہا ہے۔ کیونکہ جو لوگ علم نفس اور خواص ارواح سے واقف ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں کہ جس قدر روحوں میں عجائب وغرائب خواص بھرے ہوئے ہیں وہ صرف جوڑنے جاڑنے سے پیدا نہیں ہو سکتے۔ مثلاً روحوں میں ایک کشفی قوت ہے جس سے وہ پوشیدہ باتوں کو بعد مجاہدات باذنہٖ تعالیٰ دریافت کر سکتے ہیں اور ایک قوت ان میں عقلی ہے جس سے وہ امور عقلیہ کو معلوم کر لیتے ہیں ایسا ہی ایک قوت محبت بھی ان میں ہے جس سے وہ خدائے تعالیٰ کی طرف جھکتے ہیں اگر ان تمام قوتوں کو خود بخود بلا ایجاد کسی موجد کے مان لیا جائے تو پرمیشر کی اس میں بڑی ہتک عزّت ہے گویا یہ کہنا پڑے گا کہ جو عمدہ اور اعلیٰ کام تھے وہ تو خود بخود ہیں اور جو ادنیٰ اور ناقص کام تھا وہ پرمیشر کے ہاتھ سے ہوا اور اس بات کا اقرار کرنا ہوگا کہ جو خود بخود عجائب کام پائے جاتے ہیں وہ پرمیشر کے کاموں سے کہیں بڑھ کر ہیں یہاں تک کہ پرمیشر بھی ان سے حیران ہے غرض اس اعتقاد سے آریہ صاحبوں کے خدا کی خدائی

﴿۱۸۰﴾ پر بڑا صدمہ پہنچے گا۔ یاں تک کہ اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہوگا اور نیز اس کے وجود پر بھی کوئی عقلی دلیل قائم نہیں ہو سکے گی۔ میں اس کا یہ جواب دیتا ہوں کہ مرزا صاحب خدا کی خدائی قائم رکھنے کے لئے ان لوگوں کو شاہد مقرر کرتے ہیں جو خواص روح سے واقفیّت رکھتے ہوں مگر اسلام میں تو روح کے خواص خدا نے ظاہر ہی نہیں کئے جیسا کہ میں اوپر بیان کر چکا ہوں پھر ان کو اس کی کیا خبر ہے۔

اقول۔ اے لالہ صاحب اگر قرآن شریف نے روح کے خواص بیان نہیں کئے تو پھر کس نے کئے۔ وید تو صرف اتنا ہی بول کر چپ ہو گیا کہ میرے مصنف کا روحوں پر کچھ دعویٰ نہیں اور روح غیر مخلوق اور خود بخود ہونے میں اس سے کچھ کم نہیں ہیں لیکن قرآن شریف کے نازل کرنیوالے نے روحوں کو اپنی ملکیت ٹھہرائی اور ان کی مخلوق اور بندہ ہونے کی نسبت دعویٰ کیا اور پچاس سے زیادہ عقلی دلیلوں کے ساتھ آپ ثابت کیا کہ تمام بنی آدم اور دوسرے حیوانوں کی روحیں مخلوق اور بندہ خدا ہیں اور پھر کھول کر مفصّل طور پر سنایا کہ کیا کیا طاقتیں اور استعدادیں اور خاصیّتیں ان میں رکھی گئی ہیں۔ یہ قرآن شریف ہی نے نہایت باریک صداقت بیان کی ہے کہ جو کچھ متفرق طور پر عالم علوی و سفلی میں خواص عجیبہ پائے جاتے ہیں وہ سب انسانی روح کے وجود میں جمع ہیں لیکن وید کے رو سے تو روح کچھ چیز ہی نہیں اور اس کے خواص بھی ایسے ناکارہ ہیں کہ جن کا عدم وجود مساوی ہے چنانچہ اس بات کا خود آپ کو اقرار ہے اور آگے چل کر ابھی وہ عبارت ناظرین پڑھ لیں گے۔ اب فرمایئے کہ جس حالت میں آپ وید ہی اقرار کرتا ہے کہ ارواح غیر مخلوق ہیں تو پھر وید کے مصنّف کو جو اُن سے بالکل بے تعلق ہے ان کی اندرونی حقیقت کیا معلوم ہوگی یہ بات تو ہر یک شخص سمجھ سکتا ہے کہ بنانے والے کو جیسی اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیز کی خبر ہوتی ہے دوسرے کو جو اس کے بنانے والا نہیں اور بالکل بے تعلق ہے ہرگز ایسی خبر نہیں ہو سکتی یہ صداقت نہایت ہی صاف اور روشن ہے اور جب تک کوئی

﴿۱۸۱﴾ شخص نرا جاہل اور عقل سے بیگانہ نہ ہو تب تک اس صداقت میں کچھ شک نہیں کر سکتا۔ اس جگہ کم سے کم آریہ صاحبوں کو اس قدر اقرار تو ضرور کرنا پڑے گا کہ جس قدر ان کے پرمیشر کو اپنے ہاتھ کے کام کی جو جوڑنا جاڑنا ہے اندرونی حقیقت معلوم ہے یہ حقیقت روحوں کی کیفیت وجود کی نسبت جن سے وہ بالکل بے تعلق ہے ہرگز اس کو حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ جو کام اپنے ہاتھ سے کیا جاتا ہے اس کے جزئیات دقیقہ ہرگز مخفی نہیں رہ سکتے لیکن جو کام اپنے ہاتھ سے نہ کیا جائے اس کو اگرچہ دوسرے کے ہاتھ سے ہوتے بھی دیکھ لیں تب بھی اس کا کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن وید کے مصنّف کو روحوں کی حقیقت اور ان کے خواص کیونکر معلوم ہو سکیں اس نے نہ تو آپ کوئی روح بنائی اور نہ کسی اور کاریگر کو بناتے دیکھا پس ہندوؤں کے پرمیشر کا یہ اقرار کہ میں روح بنانے پر قادر نہیں صاف اس دوسرے اقرار پر بھی مشتمل ہے کہ روحوں کی اندرونی حقیقت بھی مجھے معلوم نہیں کیونکہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ کسی چیز کی نسبت علم کامل اور وسیع اس چیز کے بنانے پر قادر ہونے کا موجب ہے یعنے جب کسی چیز کی حقیقت پر علم اکمل واتم حاصل ہو جائے اور جن امور سے ایک چیز کا وجود ظہور پذیر ہے ان امور مخفیہ پر اطلاع کلّی ہو جائے تو ساتھ ہی اس چیز کے بنانے پر بھی قدرت حاصل ہوتی ہے چنانچہ خدائے تعالیٰ نے قرآن شریف میں روحوں کی مخلوقیت پر منجملہ اور دلائل کے یہ دلیل بھی پیش کی ہے اور یہ بات بالکل صاف اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کے بنانے سے عاجز ہونا ہمیشہ بوجہ نقصان علم ہوا کرتا ہے جب تم ایک چیز کی نسبت پورا پورا علم حاصل کر لو گے اور اس کی کُنہہ تک پہنچ جاؤ گے اور کوئی حجاب درمیان باقی نہیں رہے گا تو فی الفور تم اس کو بنانے پر قادر ہو جاؤ گے اور اگر وہ اسباب تمہیں میسّر آ جائیں گے جو بنانے کے لئے ضروری ہیں تو بلاشبہ وہ چیز تم اپنے ہاتھ سے بنا سکو گے ہاں جب تک تمہارے علم میں کچھ نقصان ہے اور ہنوز ایسے امور بھی باقی ہیں جو تمہاری

﴿۱۸۲﴾ نظر سے چھپے ہوئے ہیں تب تک تم اس چیز کے بنانے پر قادر نہیں ہو سکتے سو ہندوؤں کا پرمیشر جو روحوں کو بنا نہیں سکتا تو اس عجز اور ناتوانی کی درحقیقت یہی وجہ ہے کہ وہ علم کیفیّت ارواح اور ان کے خواص سے بالکل بے بہرہ ہے۔ ☆ سو جبکہ ہندوؤں کا پرمیشر علم روح سے آپ ہی بے بہرہ ہے تو پھر وہ دوسروں کو روح کا علم کیا سکھائے گا۔ اوخویشتن گم است کرا رہبری کند۔ پس اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ وہ الزام عدم علم روح جو محض عناد کی راہ سے ماسٹر صاحب اسلام پر اور قرآن شریف پر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لگاتے ہیں وہ درحقیقت ہندوؤں کے پرمیشر اور اس کے وید پر عائد حال ہوتا ہے بلکہ خود وید نے ضمنی طور پر اس الزام کو اپنے مصنّف کے ذمّہ مان لیا ہے۔ کیونکہ وید میں صاف اس بات کا اقرار پایا جاتا ہے کہ اس کا فرضی پرمیشر روحوں کے پیدا کرنے سے بکلّی عاجز اور مجبور ہے پس جبکہ خود وید کے اقرار سے روح غیر مخلوق ہوئی

☆ **حاشیہ** شاید کسی دل کو اس جگہ یہ وسوسہ پکڑے کہ اگر کسی شے پر پورا پورا علمی احاطہ ہونے سے وہ شے مخلوق ہو جاتی ہے تو علم حق سبحانہ تعالیٰ جو اپنی ذات سے متعلق ہے وہ بھی بہرحال کامل ہے تو کیا خدائے تعالیٰ اپنی ذات کا آپ خالق ہے یا اپنی مثل بنانے پر قادر ہے اس میں اعتراض کے پہلے ٹکڑے کا تو یہ جواب ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ اپنے وجود کا آپ خالق ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ اپنے وجود سے پہلے موجود ہو اور ظاہر ہے کہ کوئی شے اپنے وجود سے پہلے موجود نہیں ہو سکتی ورنہ تقدّم الشئے علٰی نفسہٖ لازم آتا ہے بلکہ خدائے تعالیٰ جو اپنی ذات کا علم کامل رکھتا ہے تو اس جگہ عالم اور علم اور معلوم ایک ہی شے ہے جس میں علیحدگی اور دوئی کی گنجائش نہیں تو پھر اس جگہ وہ الگ چیز کون سی ہے جس کو مخلوق ٹھہرایا جائے سو ذاتی علم خدائے تعالیٰ کا جو اس کی ذات سے تعلق رکھتا ہے

﴿۱۸۳﴾ اور پرمیشر کی ان میں کسی نوع سے مداخلت نہ ہوئی اور روحوں کے پیدا کرنے سے پرمیشر قطعاً عاجز ہوا تو اسی سے دانشمند سمجھ سکتا ہے کہ جس کو روحوں کے پیدا کرنے کا علم یا دنہیں اس کو روحوں کی نسبت اور دوسرا علم کیا یاد ہوگا۔ ایک چیز کا پیدا کر لینا اور اس چیز کی حقیقت کامل طور پر جان لینا درحقیقت لازم ملزوم پڑا ہوا ہے بلکہ اگر زیادہ تر غور کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ انتہائی درجہ کا کامل علم اور پیدا کر لینا درحقیقت ایک ہی بات ہے۔ اس صداقت سے شائد وہ ابلہ مزاج انکار کرے جو ایک ناقص علم کو کامل سمجھ بیٹھے لیکن ایک دانا جس کا خیال اس باریک دقیقہ تک پہنچ جائے کہ کامل علم کسے کہتے ہیں اور کس حالت میں کسی علم کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ کامل ہے وہ ضرور انشراحِ قلب سے یقین کرلے گا کہ ضرور علم تام اور عمل میں تلازم بلکہ اتحاد واقعہ ہے غرض یہ بات ہندوؤں کے پرمیشر کے لئے بالکل غیرممکن ہے کہ وہ یہ دعویٰ کرے کہ مجھے کامل طور پر علم روح

بقیہ حاشیہ

﴿۱۸۳﴾ دوسری چیزوں پر اس کا قیاس نہیں کر سکتے۔ غرض علم ذاتی باری تعالیٰ میں جو اس کی ذات سے متعلق ہے عالم اپنے معلوم سے کوئی الگ چیز نہیں ہے تا ایک خالق اور ایک مخلوق قرار دیا جاوے ہاں اس کے وجود میں بجائے مخلوق کہنے کے یہ کہنا چاہیئے کہ وہ وجود کسی دوسرے کی طرف سے مخلوق نہیں بلکہ ازلی ابدی طور پر اپنی طرف سے آپ ہی ظہور پذیر ہے اور خدا ہونے کے بھی یہی معنے ہیں کہ خود آئندہ ہے۔ دوسرا ٹکڑا اعتراض کا کہ تقریر مذکورہ بالا سے خدائے تعالیٰ کا اپنی مثل بنانے پر قادر ہونا لازم آتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قدرتِ الٰہی صرف ان چیزوں کی طرف رجوع کرتی ہے جو اس کی صفات ازلیہ ابدیہ کی منافی اور مخالف نہ ہوں بے شک یہ بات تو صحیح اور ہر طرح سے مدلّل اور معقول ہے کہ جس چیز کا علم خدائے تعالیٰ کو کامل ہو اس چیز کو اگر چاہے تو پیدا

﴿۱۸۴﴾ حاصل ہے اور یا کامل طور پر روح کے خواص کی مجھے خبر ہے بلکہ یہ دعویٰ تو سراسر قرآن شریف کے اتارنے والے کو (جو ربّ العٰلمین ہے) پہنچتا ہے اور اسی کو زیبا ہے کیونکہ وہ خالق ارواح ہے اور اس کو اپنے پیدا کردہ کی اندرونی حقیقت بخوبی معلوم ہے۔ جس نے پیدا کیا وہی جانے۔ دوسرا کیونکر اس کو پہچانے۔ غیر کو غیر کی خبر کیا ہو۔ نظرِ دور کار گر کیا ہو۔ چونکہ درحقیقت وہ روحوں کا خالق ہے اس لئے اس نے اپنے علم ذاتی اور تعلق خالقیّت کی وجہ سے روحوں کی حقیقت اور ان کے خواص اس قدر بیان کئے ہیں کہ دنیا میں کوئی بھی ایسی کتاب نہیں کہ اس بارہ میں اس کا مقابلہ کر سکے اور وید تو خود کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ ناظرین انصافاً شہادت دے سکتے ہیں کہ آیا روحوں کے علم سے بے خبر ہونا کس کے مناسب حال ہے کیا فی الحقیقت جیسا کہ میں خیال کرتا ہوں ایسے پرمیشر کے مناسب حال ہے جس نے آپ اقرار کر دیا ہے کہ میں روحوں کے بنانے سے عاجز

بقیہ حاشیہ

﴿۱۸۴﴾ بھی کر سکتا ہے لیکن یہ بات ہرگز صحیح اور ضروری نہیں ہے کہ جن باتوں کے کرنے پر وہ قادر ہو ان سب باتوں کو بلا لحاظ اپنی صفات کمالیہ کے کر کے بھی دکھاوے بلکہ وہ اپنی ہر ایک قدرت کے اجرا اور نفاذ میں اپنی صفات کمالیہ کا ضرور لحاظ رکھتا ہے کہ آیا وہ امر جس کو وہ اپنی قدرت سے کرنا چاہتا ہے اس کی صفات کاملہ سے منافی و مبائن تو نہیں مثلاً وہ قادر ہے کہ ایک بڑے پرہیزگار صالح کو دوزخ کی آگ میں جلاوے لیکن اس کے رحم اور عدل اور مجازات کی صفت اس بات کی منافی پڑی ہوئی ہے کہ وہ ایسا کرے۔ اس لئے وہ ایسا کام کبھی نہیں کرتا۔ ایسا ہی اس کی قدرت اس طرف میں رجوع نہیں کرتی کہ وہ اپنے تئیں ہلاک کرے۔ کیونکہ یہ فعل اس کی صفت حیات ازلی ابدی کی منافی ہے۔ پس اسی طرح سے سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ اپنے جیسا خدا

﴿۱۸۵﴾ اور ان کے طریق پیدا کرنے سے محض بے خبر ہوں یا اس قادر مطلق ربّ العٰلمین کے مناسب حال ہوسکتا ہے جو ذرّہ ذرّہ کے پیدا کرنے کا دعویٰ کرتا ہے اور ہر یک روح کا وجود اور ہر یک جان کی ہستی اپنی قدرتِ کاملہ کا نقش قرار دیتا ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ سب دانشمند یہی شہادت دیں گے کہ جس کو پیدا کرنے کی طاقت نہیں اس کو غیر مخلوق چیزوں کی اندرونی حقیقت کا بھی کچھ علم نہیں بلکہ یہ علم کامل اور تام طور پر اسی کامل القدرت کو حاصل ہے جس کو روحوں کے پیدا کرنے کی طاقت وقدرت ہے پس اس بیان سے تو ہندوؤں کے پرمیشر اور ان کے وید کی ساری حقیقت کھل گئی اور جو کچھ وید کے مصنّف کی نسبت آریہ لوگ علم روح کا دعویٰ کرتے ہیں وہ بھانڈا بیک بارگی پھوٹ گیا۔ اب بھی اگر ماسٹر صاحب کو وید کے زیادہ تر پردہ ظاہر کرانے کا شوق ہے اور نہیں چاہتے کہ اس کے عیوب عام لوگوں سے چھپے رہیں تو جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں یہی طریق عمدہ ہے کہ اس نہایت دقیق اور لطیف بحث کے بارہ میں الگ الگ رسالے لکھے جائیں یعنی میں الگ ایک رسالہ مستقلہ علم روح کے بارہ میں لکھوں اور ماسٹر صاحب الگ لکھیں اور ہم دونوں فریق جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اپنی اپنی الہامی کتابوں کی ہر یک دلیل اور دعویٰ کے بیان کرنے میں پابند رہیں اور میں قسمیہ بیان کرتا ہوں کہ میں ماسٹر صاحب کی تحریک پر **رسالۃ الروح** لکھنے کو طیّار اور مستعد ہوں مگر انہیں

بقیہ حاشیہ

﴿۱۸۵﴾ بھی نہیں بنا تا کیونکہ اس کی صفت احدیّت اور بے مثل اور مانند ہونے کی جو ازلی ابدی طور پر اس میں پائی جاتی ہے اس طرف توجہ کرنے سے اس کو روکتی ہے۔ پس ذرّہ آنکھ کھول کر سمجھ لینا چاہیئے کہ ایک کام کے کرنے سے عاجز ہونا اور بات ہے لیکن باوجود قدرت کے بلحاظ صفات کمالیہ امر منافی صفات کی طرف توجہ نہ کرنا یہ اور بات ہے۔ ہاں اس طرح پر وہ

﴿۱۸۶﴾ شرائط سے جو اس رسالہ میں اندراج پا چکی ہیں ماسٹر صاحب برا نہ مانیں میں سچ سچ کہتا ہوں بالکل سچ جس میں ذرا مبالغہ کی آمیزش نہیں کہ قرآن شریف نے جس قدر خوبی اور عمدگی اور صفائی اور سچائی سے روحوں کے خواص اور ان کی قوتیں اور طاقتیں اور استعدادیں اور انکے دیگر کوائف عجیبہ بیان کئے ہیں اور پھر ان سب بیانات کا ثبوت دیا ہے وہ ایسا عالی اور باریک اور پُرحکمت بیان ہے اور ایسے کامل درجہ کی وہ صداقتیں ہیں کہ اگر وید کے چاروں رشی دوبارہ جنم لے کر بھی دنیا میں آویں اور جہاں تک ممکن ہو خوض اور فکر سے زور لگاویں تب بھی یہ مقام وسعتِ علمی اور یہ معارف عالیہ انہیں میسّر نہیں آسکتے اگرچہ فکر کرتے کرتے مر ہی جاویں۔ غصہ منانے کی کیا بات ہے اور ناراض ہونے کا کونسا محل۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ آؤ وید اور قرآن کا مقابلہ کر کے دیکھ لیں۔ ان دونوں کتابوں کی طاقت علمی آزمالیں۔ دیکھو ہم محض سچائی کی راہ سے دونوں فریق میں سے اس فریق پر لعنت کرتے ہیں کہ جو اب حق پوشی کی راہ سے اس بحث سے گریز کر جائے اور اِدھر اُدھر کے بہانوں سے یا بے جا عذروں سے بات کو ٹال دے۔ مگر یاد رہے کہ اس بحث میں کسی دلیل یا دعویٰ میں وید کی شرتی سے باہر نہ جانا ہوگا۔ جیسا کہ ہم بھی آیات قرآن شریف سے باہر نہ جائیں گے اور یہ بھی آپ پر لازم ہوگا کہ ہر یک شرتی ٹھیک ٹھیک سنسکرت کی زبان میں مگر فارسی خط میں معہ اسکے لفظی

بقیہ حاشیہ ﴿۱۸۶﴾ اپنی ذات بے مثل و مانند کا نمونہ پیدا کرتا ہے کہ اپنی ذاتی خوبیاں جن پر اس کا علم محیط ہے عکسی طور پر بعض اپنی مخلوقات میں رکھ دیتا ہے اور کمالات کا انتہائی درجہ جو حقیقی طور پر اس کو حاصل ہے ظلّی طور پر اس مخلوق کو بھی بخش دیتا ہے جیسا کہ اسی کی طرف قرآن شریف میں اشارہ بھی ہے وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ[1] اس جگہ صاحب درجات رفیعہ سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں

[1] البقرة : ۲۵۴

﴿۱۸۷﴾ ترجمہ و پتہ ونشان کے تحریر کریں اور انہیں باتوں کا التزام آیات قرآنی کے بیان کرنے میں ہم پر بھی واجب ہوگا۔

قولہ ۔ایک دوخواص مرزا صاحب نے روحوں کے لکھے ہیں مثلاً پوشیدہ باتوں کے دریافت کرنے کی طاقت پیدا کر لینا جس کا مرزا صاحب خود بھی دعویٰ کرتے ہیں اور آج تک کوئی نہیں دکھلایا۔

اقـــول ۔ یہ برکات مکاشفات ومکالمہ ومخاطبہ الٰہی وغیرہ خوارق صراط مستقیم پر چلنے سے بے شک خدائے تعالیٰ کی طرف سے فرمانبردار روحوں کو اصفٰی اور اجلٰی طور پر عطا کی جاتی ہیں اور جو کچھ راقم رسالہ ہذا پر پیشگوئیاں منجانب اللہ ظاہر ہوئی ہیں ان میں سے قریب ستر پیشگوئیوں کے گواہ تو خود آریہ سماج والے ہیں جو آپ کے بھائی بند قادیان میں رہتے ہیں بلکہ آپ بھی تو انہیں میں داخل ہیں **دلیپ سنگھ** کے ابتلا کا حال جو آپ نے پیش از وقوع اشتہار ۲۰ رفروری ۱۸۸۶ء میں پڑھ لیا تھا اور پھر میری زبانی بھی ایک مجمع عام میں جس میں کئی ہندو صاحب آپ کے رفیق بھی شامل تھے سن لیا تھا۔ یہ تازہ ماجرا امید نہیں کہ اس قدر جلد ترعرصہ میں آپ کو بھول گیا ہو اب آپ ذرا بیدار ہو کر دیکھیں کہ یہ پیشگوئی کیسی ہو بہو پوری ہوگئی اور دلیپ سنگھ کو قصد سفر پنجاب میں کیا کچھ غم وغصہ و تلخی و رنج اٹھانا پڑا اور کیسے وہ ناکامی سے خفیف کر کے واپس لٹایا گیا۔ کیا آپ حلف

بقیہ حاشیہ

﴿۱۸۷﴾ جن کو ظلّی طور پر انتہائی درجہ کے کمالات جو کمالات الوہیت کے اظلال و آثار ہیں بخشے گئے اور وہ خلافت حقّہ جس کے وجود کامل کے تحقق کے لئے سلسلہ بنی آدم کا قیام بلکہ ایجاد کل کائنات کا ہوا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود سے اپنے مرتبہ اتم واکمل میں ظہور پذیر ہو کر آئینہ خدانما ہوئے۔ یہ بحث معارف الٰہیہ میں سے نہایت باریک بحث ہے اور ہمارے مخالفین جو اِن

﴿۱۸۸﴾ اٹھا کر کہہ سکتے ہیں کہ آپ کو پیش از وقوع دلیپ سنگھ کے ابتلا کی خبر نہیں دی گئی۔ کیا آپ قسم کھا کر بیان کر سکتے ہیں کہ آپ کو جلسہ عام میں یہ نہیں بتلایا گیا کہ وہ فقرہ اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء جس میں لکھا ہے کہ ایک امیر نو وارد پنجابی الاصل کی نسبت متوحش خبریں اس سے مراد دلیپ سنگھ ہے ایسا ہی یہ خبر جا بجا صدہا ہندوؤں اور مسلمانوں کو جو پانچ سو سے کسی قدر زیادہ ہی ہوں گے کئی شہروں میں پیش از وقوع بتلائی گئی تھی اور اشتہارات ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء بھی دور دور ملکوں تک تقسیم کئے گئے تھے پھر آخر کار جیسا کہ پیش از وقوع بیان کیا گیا اور لکھا گیا تھا وہ سب باتیں دلیپ سنگھ کی نسبت پوری ہوگئیں اور یہ پیش گوئی ایسے وقت میں یعنے ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء میں لکھی گئی اور شہرت دی گئی کہ جب دلیپ سنگھ کی پنجاب میں بالضرور آ جانے کی ایک دھوم مچی ہوئی تھی اور بعض دوست اور بھائی بند اس کی اسی خیالی خوشی میں پیشوائی کے لئے بمبئی تک بھی جا پہنچے تھے۔ سو یہ پیشگوئی کروڑہا شخصوں کے خیالات کے مخالف اور حالات موجودہ کے برعکس کی گئی اور سب نے دیکھ لیا کہ کیسی ٹھیک ٹھیک ظہور میں آئی۔ اب فرمایئے آپ کا یہ کہنا کہ آج تک کوئی پیشگوئی ہم نے نہیں دیکھی جھوٹ ہے یا نہیں۔ اسی طرح صاحب اخبار عام لاہور کی خدمت میں بھی عرض کیا جاتا ہے کہ جو کچھ انہوں نے اپنے پرچہ ۲۱ر جولائی ۱۸۸۶ء میں اس پیشگوئی کے انکار میں لکھا ہے اس کے پڑھنے سے ہمیں ان کے تعصّب اور نافہمی پر بہت ہی افسوس آتا ہے وہ

بقیہ حاشیہ

﴿۱۸۸﴾ نازک نکات عرفانی سے بیگانہ اور اس کو چہ اسرارِ الوہیت سے ناآشنا محض ہیں وہ تعجب کریں گے کہ کیونکر کروڑہا اور بے شمار مخلوقات میں سے صرف ایک ہی شخص کو مرتبہ کاملہ خلافت تامہ حقہ کا جو ظل مرتبہ الوہیت ہے حاصل ہوسکتا ہے سو اگرچہ اس بحث کے طول دینے کا یہ موقع نہیں ہے لیکن تاہم اس قدر بیان کر دینا طالب حق کے سمجھانے کے لئے ضروری ہے کہ عادت اللہ یا

﴿۱۸۹﴾ فرماتے ہیں کہ ۲۰؍فروری ۱۸۸۶ء سے بہت عرصہ پہلے دلیپ سنگھ صاحب کا عزم ہندوستان کے خاص و عام میں مشہور ہو چکا تھا مگر افسوس کہ انہوں نے نہیں سمجھا کہ اس مشہوری سے پیشگوئی کے مضمون کو کیا تعلق ہے بلکہ پیش گوئی کا مضمون تو صرف اس بات سے مخصوص ہے کہ دلیپ سنگھ صاحب کو قصد پنجاب میں ناکامی ہے اور ان کی عزّت یا جان یا آسائش پر اس سفر میں صدمہ پہنچے گا۔ اب منصفین خیال کریں کہ اخبار عام لاہور کی یہ نکتہ چینی پیشگوئی پر کیا اثر پہنچا سکتی ہے اور ان کا انصاف اور فہم جو منصب اخبار نویسی کے لئے ایک ضروری شرط ہے کس درجہ کا ہے افسوس کہ بہت لوگ حسد اور عناد کے اشتعال میں پڑ کر حقیقت حال کو نہیں سوچتے جیسا کہ انہیں پیشگوئیوں کے متعلق ایک صاحب پنڈت لیکھرام نے ناحق اپنا اندرونی بخل اور ناانصافی اور ہٹ دھرمی ظاہر کرنے کے لئے جابجا اشتہارات شائع کئے اور ایں جانب پر یہ الزام رکھا کہ گویا ہم نے کسی اشتہار میں یہ پیشگوئی کی تھی کہ وہ لڑکا موصوف بصفات جس کا اشتہار ۲۰؍فروری ۱۸۸۶ء میں ذکر ہے ضرور حمل موجودہ میں ہی پیدا ہو جائے گا ہرگز اس سے تخلف نہیں کرے گا وہ ظہور میں نہیں آئی حالانکہ ایسا اور ان شرائط سے کوئی اشتہار اس طرف سے شائع نہیں ہوا اور اگر ہے تو کیوں پیش نہیں کیا۔ حقیقت حال تو یہ ہے کہ آنکھوں کی نابینائی کچھ ضرر نہیں کر سکتی بلکہ دلوں کی نابینائی جو تعصب کے بخارات سے پیدا ہوتی ہے وہی ضرر کرتی ہے یہ شخص

بقیہ حاشیہ

﴿۱۸۹﴾ تم یوں ہی سمجھ لو کہ اس کا قانون قدرت جو اس کی صفت وحدت کے مناسب حال ہے یہی ہے کہ وہ بوجہ واحد ہونے کے اپنے افعال خالقیت میں رعایت وحدت کو دوست رکھتا ہے۔ جو کچھ اس نے پیدا کیا ہے اگر ہم اس سب کی طرف نظر غور سے دیکھیں تو اس ساری مخلوقات کو جو اس دست قدرت سے صادر ہوئی ہے ایک ایسے سلسلہ وحدانی اور باترتیب رشتہ میں منسلک پائیں گے

﴿۱۹۰﴾ جس کا نام ہم نے ابھی بیان کیا ہے اس نے چالیس دن تک بھی ہماری آزمائش کے لئے ہماری صحبت میں رہنا منظور نہیں کیا حالانکہ ان پنڈت صاحب کو تنخواہ دینا بھی قبول کیا گیا تھا۔ ان صاحبوں کو بجز دشنام دہی اور بدزبانی اور آلائش کی باتوں کے جو ان کے اندر بھری ہوئی ہیں اور کوئی حرف صلاحیّت و معقولیّت یاد نہیں۔ اگر اب بھی یہ صاحب چالیس دن تک ہمارے پاس رہنا منظور کریں اور ہم الہامی پیشگوئیوں میں جھوٹے نکلیں تو جو ذلیل تر سزا تجویز کی جائے اسی کی ہم لائق ہیں ورنہ چوٹی کٹانا اور مسلمان ہونا ان پر واجب ہوگا۔ ماسوا اس کے جو کچھ ہمارا دعویٰ پیشگوئیوں کی نسبت ہے وہ ایسا نہیں ہے کہ صرف ایک دو پیش گوئیوں سے اس کا ثبوت دیا جاتا ہے بلکہ اس دعویٰ کے اثبات کے بارے میں عنقریب رسالہ **سراج منیر** بفضل خداوند قدیر چھپ کر شائع ہونے والا ہے اور وہ تمام رسالہ الہامی پیش گوئیوں پر مشتمل ہے تب سب لوگ دیکھ لیں گے کہ جو کچھ ہمارے مخالفین ہماری نسبت طرح طرح کی رائیں لگاتے ہیں ان کی کیا اصلیّت و حقیقت ہے۔ ہم اس رسالہ میں مرزا **امام الدین** جو ہماری برادری میں سے ہے اور دین اسلام سے مرتد ہے اور اب آریہ سماج میں داخل ہوگیا ہے اس کی نسبت بھی کئی پیشگوئیاں لکھیں گے۔ ہم پر آج بھی جو تیسری اگست ۱۸۸۶ء ہے منجانب اللہ اس کی نسبت معلوم ہوا ہے کہ اگر وہ توبہ نہ کرے تو اُس کی بے راہیوں

بقیہ حاشیہ ﴿۱۹۰﴾ کہ گویا وہ ایک خط مستقیم ممتد محدود ہے جس کی دونوں طرفوں میں سے ایک طرف ارتفاع اور دوسری طرف انخفاض ہے اس طرح پر

طرف ارتفاع
|
طرف انخفاض

اس قدر بیان میں تو ایک موٹی سمجھ کا آدمی بھی میرے ساتھ اتفاق رائے کرسکتا ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور دائرۂ انسانیت میں بہت سی متفاوت اور کم و بیش استعدادیں پائی جاتی ہیں کہ اگر کمی بیشی

﴿۱۹۱﴾ کا وبال جلد تر اسے درپیش ہے اور اگر یہ معمولی رنجوں میں سے کوئی رنج ہو تو اس کو پیشگوئی کا مصداق مت سمجھو لیکن اگر ایسا رنج پیش آیا جو کسی کے خیال گمان میں نہیں تھا تو پھر سمجھنا چاہیئے کہ یہ مصداق پیشگوئی ہے لیکن اگر وہ باز آنے والا ہے تو پھر بھی انجام بخیر ہوگا یا تنبیہ کے بعد راحت پیدا ہو جائے گی۔ اور یہ دعویٰ ہمارا بالکل صحیح اور نہایت صفائی سے ثابت ہے کہ صراط مستقیم پر چلنے سے طالب صادق الہام الٰہی پا سکتا ہے کیونکہ اول تو اس پر تجربہ ذاتی شاہد ہے ماسوائے اس کے ہر یک عاقل سمجھ سکتا ہے کہ اس دنیا میں اس سے بڑھ کر اور کوئی معرفت الٰہی کا اعلیٰ رتبہ نہیں ہے کہ انسان اپنے ربّ کریم جلّ شانہٗ سے ہم کلام ہو جائے۔ یہی درجہ ہے جس سے روحیں تسلی پاتی ہیں اور سب شکوک وشبہات دور ہو جاتے ہیں اور اسی درجہ صافیہ پر پہنچ کر انسان اس دقیقۂ معرفت کو پالیتا ہے جس کی تحصیل کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے اور دراصل نجات کی کنجی اور ہستی موہوم کا عقدہ کشا یہی درجہ ہے جس سے ثابت ہوتا ہے اور کھل جاتا ہے کہ خالق حقیقی کو اپنی مخلوق ضعیف سے کس قدر قرب واقعہ ہے۔ اس درجہ تک پہنچنے کی خبر ہمیں اسی نور نے دی ہے۔ جس کا نام قرآن ہے وہ نور صاف عام طور پر بشارت دیتا ہے کہ الہام کا چشمہ کبھی بند نہیں ہوسکتا۔ جب کوئی مشرق کا رہنے والا یا مغرب کا باشندہ دلی صفائی سے خدائے تعالیٰ کو ڈھونڈھے گا اور اس سے پوری پوری صلح کرلے گا

بقیہ حاشیہ

﴿۱۹۱﴾ کے لحاظ سے ان کو ایک باترتیب سلسلہ میں مرتب کریں تو بلاشبہ اس سے ایک اسی خط مستقیم ممتد محدود کی صورت نکل آئے گی جو اوپر ثبت کیا گیا ہے۔ طرف ارتقاع کے اخیر نکتہ پر اس استعداد کا انسان ہوگا جو اپنی استعداد انسانی میں سب نوع انسان سے بڑھ کر ہے اور طرف انخفاض میں وہ ناقص الاستعداد روح ہوگی جو اپنے غایت درجہ کے نقصان کی وجہ سے حیوانات لایعقل کے

﴿۱۹۲﴾ اور درمیان کے حجاب اٹھائے گا تو ضرور اسے پائے گا اور جب واقعی اور سچے اور کامل طور پر پائے گا تو ضرور خدا اس سے ہم کلام ہوگا۔ مگر ویدوں نے انسان کے اس درجہ تک پہنچنے سے انکار کیا ہے اور صرف چار رشیوں تک جو ویدوں کے مصنّف ہیں (بقول آریہ سماج والوں کے) اس درجہ کو محدود رکھا ہے یہ ویدوں کی ایسی ہی غلطی ہے جیسے اور بڑی بڑی غلطیوں سے وہ پُر ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ سب بنی آدم متحد الفطرت ہیں اور جو بات ایک آدمی کے لئے ممکن ہے وہ سب کے لئے ممکن ہے اور جو قرب و معرفت ایک فرد بشر کے لئے جائز ہے وہ سب کے لئے جائز ہے کیونکہ وہ سب اصل طینت میں ایک ہی جوہر سے ہیں ہاں کمالات میں کمی بیشی ہے مگر جنس کمالات میں سرے سے جواب تو نہیں۔ اور اگر کوئی ایسا شخص ہو کہ اس میں تحصیل کمالات انسانی کی ایک ذرّہ بھی استعداد نہ ہو تو وہ خود انسان ہی نہیں ہوسکتا۔ غرض تھوڑے بہت کا تو انسانی استعدادوں میں فرق ضرور ہوتا ہے مگر انسان ہو کر یکلخت فقدان استعداد نہیں ہوسکتا۔ بھلا ہم پوچھتے ہیں کہ ہندوؤں کے ایشر کو ویدوں کے اتارنے سے مقصد اور علّت غائی کیا ہے اگر یہ مقصد ہے کہ تا لوگ ویدوں کو پڑھ کر اور ان کے ٹھیک ٹھیک پابند ہو کر اپنے کمال مطلوب تک پہنچ جائیں تو پھر اس کمال تک پہنچنے کا راہ کیوں آپ ہی بند کرتا ہے۔ اگر اُن رشیوں کا وجود جن پر وید نازل ہوئے تھے بطور نمونہ کے نہیں تھا کہ تا لوگ اُسی نمونہ

بقیہ حاشیہ ﴿۱۹۲﴾ قریبؔ قریب ہے اور اگر سلسلہ جمادی کی طرف نظر ڈال کر دیکھیں تو اس قاعدہ کو اور بھی اس سے تائید پہنچتی ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے چھوٹے سے چھوٹے جسم سے جو ایک ذرّہ ہے لے کر ایک بڑے سے بڑے جسم تک جو آفتاب ہے اپنی صفت خالقیت کو تمام کیا ہے اور بلاشبہ خدائے تعالیٰ نے اس جمادی سلسلہ میں آفتاب کو ایک ایسا عظیم الشان اور نافع اور ذی برکت وجود

﴿۱۹۳﴾ کے موافق ویدوں پر چلنے سے اپنے وجودوں کو بنالیں تو ایسے رشیوں کے بھیجنے کی ضرورت ہی کیا تھی یہ بات ظاہر ہے کہ خدائے تعالیٰ کی کتابیں اور خدائے تعالیٰ کے نبی اسی غرض اور مدعا سے آیا کرتے ہیں کہ تا وہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے نمونہ کی طرح ہو کر ان کو یہ ترغیب وتحریک دیں کہ جو شخص ان کے نقش قدم پر چلے اور ان کے طریق میں محو ہو جائے وہ آخر انہیں کا روپ ہو جائے گا اور انہیں کے رنگ میں آ جائے گا لیکن اگر ہندوؤں کے پرمیشر نے ایسا ارادہ ہی نہیں کیا کہ ان چار رشیوں کے رنگ سے جو نمونہ کے طور پر بھیجے گئے تھے کوئی طالب حق رنگین ہو جائے تو پھر یہ کام ان کے پرمیشر کا سراسر بیہودہ اور فضول ہوگا۔ اس جگہ اس سوال کے کرنے کی کچھ ضرورت نہیں کہ اگر ہندوؤں کے پرمیشر نے ویدوں کو تکمیل نفوس ناقصہ کے لئے بھیجا تھا تو ویدوں نے نازل ہو کر کس قدر خلقت کو کمال کے درجہ تک پہنچایا ہے کیونکہ اس بارے میں ہندو لوگ آپ ہی قائل ہیں کہ کسی شخص کو ویدوں نے مرتبہ کمال تک نہیں پہنچایا۔ ظاہر ہے کہ کیفیت وحقیقت کمال کی ہندوؤں کے پرمیشر کے نزدیک بھی وہی ہے جس کا نمونہ اس نے ویدوں کے رشیوں میں قائم کیا تھا اور وہ یہی ہے کہ بزعم آریہ لوگوں کے ان رشیوں کو الہام الٰہی سے سرفراز فرمایا گیا اب جب کہ کمال معرفت کی حقیقت یہ ٹھہری اور دوسری طرف ان کے پرمیشر نے یہ بھی صاف صاف سنا دیا کہ کوئی شخص ابدالاباد تک بجز چار رشیوں کے

بقیہ حاشیہ

﴿۱۹۳﴾ پیدا کیا ہے کہ طرف ارتفاع میں اس کے برابر کوئی دوسرا ایسا وجود نہیں ہے سو اس سلسلہ کے ارتفاع اور انخفاض پر نظر ڈال کر جو ہر وقت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے روحانی سلسلہ جو اسی ہاتھ سے نکلا ہے اور اسی عادت اللہ سے ظہور پذیر ہوا ہے خود بلا تامل سمجھ میں آتا ہے کہ وہ بھی بلا تفاوت اسی طرح واقعہ ہے اور یہی ارتفاع اور انخفاض اس میں بھی موجود ہے

﴿۱۹۴﴾ الہام نہیں پاسکتا تو یہ عجیب اوباشانہ کاروائی ہے بھلا اگر کوئی ان چار رشیوں کی پیروّی سے ان کا رنگ وبوئے حاصل نہیں کرسکتا تو پھر ایک عقلمند ویدوں کے ماننے اوران پر عمل کرنے میں کیوں ناحق کی ٹکریں مارے یہ کس قسم کی رندانہ حرکت ہے جو ہندوؤں کے پرمیشر سے ظہور میں آئی کہ اول چار رشیوں کو نمونہ کے طور پر بھیجا تا لوگ اس نمونہ کے موافق چل کر ان رشیوں کے ہمرنگ ہوجائیں اور وہی نعمت حاصل کرلیں جو ان کو دی گئی تھی اور پھر دوسری طرف یہ بھی سنا دیا کہ یہ بات ہرگز ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص ان رشیوں کے رنگ میں آ کر الہام پانے کا لائق ٹھہر جائے۔ ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ اگر وید کمال مطلوب تک کسی کو نہیں پہنچا سکتے تو پھر ان کا بھیجا جانا بالکل عبث اور بیہودہ ہوا اور بجز اس بداثر کے کہ کروڑہا آدمیوں کو ان کی پُرشرک تعلیم نے مشرک بنا دیا اور کون سا نیک ثمرہ ہے جو ان کے آنے سے مترتب ہوا اور وہ چار آدمی جن پر آریوں کے خیال میں وید نازل ہوئے وہ بھی درحقیقت ویدوں کے ممنون احسان نہیں ہوسکتے بلکہ وہ بقول آریہ لوگوں کے کسی پہلے جنم کے اعمال کے باعث الہام پانے کے لائق ٹھہر گئے تھے۔

قولہ ۔ رہا باقی دوسری صفات کا ذکر بے شک وہ جیو میں بیج کی طرح موجود ہیں جو بغیر خدائے تعالیٰ کی کاریگریوں کے (جن کا مرزا صاحب جوڑنا جاڑنا نام رکھتے ہیں)

بقیہ حاشیہ ﴿۱۹۴﴾ کیونکہ خدائے تعالیٰ کے کام یک رنگ اور یکساں ہیں اس لئے کہ وہ واحد ہے اور اپنے اصدار افعال میں وحدت کو دوست رکھتا ہے پریشانی اور اختلاف اس کے کاموں میں راہ نہیں پاسکتا اور خود یہ کیا ہی پیارا اور موزوں طریق معلوم ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے کام باقاعدہ اور ایک ترتیب سے مرتب اور ایک سلک میں منسلک ہوں۔

﴿۱۹۵﴾ بالکل نہ ہونے کے برابر ہیں۔

اقـــــول۔ میں کہتا ہوں کہ جو خاصیتیں اور قوتیں باقرار ماسٹر صاحب روحوں میں ضرور موجود ہیں گو بزعم ان کے بیج کی طرح ہی سہی مگر وہ موجود ہو کر معدوم کے برابر کیوں ہیں اس کی وجہ بھی تو کوئی بیان کی ہوتی کیا وہ قوتیں اور خاصیتیں روحوں میں بے فائدہ طور پر ہیں جن کے وجود سے پرمیشر کو جوڑنے جاڑنے کے وقت کچھ مدد نہیں ملی۔ ظاہر ہے کہ پرمیشر کو ان خاصیتوں اور عجیب قوتوں سے جوڑنے جاڑنے کے وقت بڑی بھاری مدد ملی جس نے پرمیشر کا نام رکھ لیا اور اس کا پرمیشر پَن ثابت کر دکھایا اور اگر وہ خاصیتیں روحوں میں نہ ہوتیں تو بتلاؤ کہ پرمیشر کر کیا سکتا تھا کون سی روحانی خاصیّت اپنے گھر سے لاتا اور کیونکر ایک بے جان جسم کو ایک زندہ انسان بنا کر دکھلاتا بھلا ننگی نہاتی کیا اور نچوڑتی کیا۔ یہ تو روحوں کا اس پر سراسر احسان ہے جو بنے بنائے اور گھڑے گھڑائے معہ تمام اپنی عجیب خاصیتوں اور قوتوں کے اس کے ہاتھ آ گئے قسمت اچھی تھی مفت کا نام ہو گیا پرمیشر بن بیٹھا ورنہ غور کرنے والی عقلوں پر ظاہر ہے کہ جوڑنا جاڑنا بغیر ان عجیب خواص اور طاقتوں کے جو روحوں اور مادوں میں پائی جاتی ہیں کچھ چیز نہیں ہیں بلکہ اگر وہ خواص روحوں اور مادوں میں پائے نہ جاویں تو ممکن ہی نہیں کہ ہندوؤں کے پرمیشر سے جوڑنے جاڑنے کا کام بھی انجام پذیر ہو سکے مثلاً اگر جسموں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں ایک

بقیہ حاشیہ

﴿۱۹۵﴾ اَب جب کہ ہم نے ہر طرح سے ثبوت پا کر بلکہ بہ بداہت دیکھ کر خدائے تعالیٰ کے اس قانون قدرت کو مان لیا کہ اس کے تمام کام کیا روحانی اور کیا جسمانی پریشان اور مختلف طور پر نہیں ہیں جن میں یوں ہی گڑبڑ پڑا ہو بلکہ ایک حکیمانہ ترتیب سے مرتب اور ایک ایسے باقاعدہ سلسلہ میں بندھے ہوئے ہیں جو ایک ادنیٰ درجہ سے شروع ہو کر انتہائی درجہ تک پہنچتا ہے اور یہی طریق

﴿۱۹۶﴾ اتّصالی قوت نہ پائی جائے جس کو قوت کشش اتّصال کہتے ہیں تو ہندوؤں کے پرمیشر کو ہرگز یہ طاقت نہیں ہے کہ کم سے کم دو ذرّوں میں بھی پیوند کر کے دکھلاوے اسی طرح جو جوڑنے جاڑنے میں روحانی خواص نمایاں ہوتے ہیں ان میں بھی ہندوؤں کے پرمیشر کی ہرگز مجال نہیں ہے کہ بغیر حمایت و مدد روحوں اور ان کی عجیب خاصیّتوں اور صفتوں کے جن کو ماسٹر صاحب بیج کی طرح خیال کرتے ہیں کوئی صنعت بنا کر دکھلا سکے۔ یہ بات تو نہایت درجہ پر ظاہر ہے کہ ایسے پرمیشر کی جس نے نہ روحوں اور نہ ان کے خواص کو پیدا کیا اور نہ ذرّاتِ اجسام اور ان کی خاصیتوں کو خلعت وجود بخشا صرف جوڑنے جاڑنے میں کچھ بھی ہنگ پھٹکری خرچ نہیں آتی بلکہ خواص پہلے ہی جدا جدا چیزوں میں کچھ پوشیدہ تھے وہ باہم روح اور جسم کے ملنے سے خود بخود نمایاں طور پر نظر آجاتے ہیں کیونکہ ان میں پہلے ہی سے یہ خاصیّت چھپی ہوئی ہوتی ہے کہ باہم ملنے سے خواہ نخواہ ان کا ظہور ہو جاتا ہے جیسے دنیا کی لاکھوں چیزوں میں یہی خاصّہ پایا جاتا ہے کہ ان کے باہمی امتزاج اور اختلاط سے ایک عجیب قسم کا خاصّہ پیدا ہو جاتا ہے کہ جو الگ الگ ہونے کی حالت میں مخفی و محجوب ہوتا ہے۔ سو یہ بات ہرگز نہیں کہ جو شخص ان دو چیزوں کو باہم ملاتا ہے وہ اپنے گھر سے ایک خاصّہ لا کر ان میں ڈال دیتا ہے بلکہ جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے وہ دونوں چیزیں الگ الگ طور پر وہ خاصہ اپنے اندر رکھتی ہیں جو ان کے اکٹھے ہو جانے

بقیہ حاشیہ ﴿۱۹۶﴾ وحدتؔ اسے محبوب بھی ہے تو اس قانون قدرت کے ماننے سے ہمیں یہ بھی ماننا پڑا کہ جیسے خدائے تعالیٰ نے جمادی سلسلہ میں ایک ذرّہ سے لے کر اس وجود اعظم تک یعنی آفتاب تک نوبت پہنچائی ہے جو ظاہری کمالات کا جامع ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی جسم جمادی نہیں ایسا ہی روحانی آفتاب بھی کوئی ہوگا جس کا وجود خط مستقیم مثالی میں ارتفاع کے اخیر نقطہ پر واقع ہو اب

﴿۱۹۷﴾ سے وہ ظاہر ہو جاتا ہے مثلاً گھی اور شہد اور سوہاگہ میں یہ خاصیت ہے کہ ان تینوں کے ملانے سے یہ خاصّہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر کسی کشتہ زَر یا نُقرہ وغیرہ کو جو بالکل خاکستر و خاک ہو گیا ہو اس میں رکھ کر بوتہ میں آگ دی جائے تو وہ زندہ ہو جاتا ہے یعنی اپنی اصلی صورت سونا چاندی یا جو کچھ ہو قبول کر لیتا ہے پس یہ خاصیت جو ان تینوں جزوں کی ترکیب سے کشتہ کے زندہ کرنے کے لئے پیدا ہو جاتی ہے یہ ایسی خاصیت ہے کہ خواہ ہندوؤں کا پرمیشر ان تینوں چیزوں کو باہم ملاوے اور خواہ ایک دس برس کا بچہ ان کو باہم مخلوط کرے دونوں کے ہاتھوں سے یہ خاصیت پیدا ہو گی یہ نہیں کہ ضرور پرمیشر کے ہاتھ سے ہی پیدا ہو اور دوسرے کسی شخص کے ہاتھ سے پیدا نہ ہو سکے۔ روحوں میں بہت سے خواص اور عجیب طاقتیں اور استعدادیں پائی جاتی ہیں جن کو قرآن شریف نے استیفا سے ذکر کیا ہے مثلاً ان میں چند قوتیں اور استعدادیں یہ ہیں جو ہم ذیل میں لکھتے ہیں۔

۱۔ علوم اور معارف کی طرف شائق ہونے کی ایک قوت۔

۲۔ علوم کو حاصل کرنے کی ایک قوت۔

بقیہ حاشیہ

﴿۱۹۷﴾ تفتیش اس بات کی کہ وہ انسان کامل جس کو روحانی آفتاب سے تعبیر کیا گیا ہے وہ کون ہے اور اس کا کیا نام ہے یہ ایسا کام نہیں ہے جس کا تصفیہ مجرد عقل سے ہو سکے کیونکہ بجز خدائے تعالیٰ کے یہ امتیاز کس کو حاصل ہے اور کون مجرد عقل سے ایسا کام کر سکتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے کروڑہا اور بے شمار بندوں کو نظر کے سامنے رکھ کر اور ان کی روحانی طاقتوں اور قوتوں کا موازنہ کر کے سب سے بڑے کو الگ کر کے دکھلاوے بلاشبہ عقلی طور پر کسی کو اس جگہ دم مارنے کی جگہ نہیں ہاں ایسے بلند اور عمیق دریافت کے لئے کتب الہامی ذریعہ ہیں جن میں خود

﴿۱۹۸﴾ ۳۔ علوم حاصل کردہ کے محفوظ رکھنے کی ایک قوت۔
۴۔ محبت الٰہی کی ایک قوت۔
۵۔ لذّت وصال الٰہی اٹھانے کی ایک قوت۔
۶۔ مکاشفات کی ایک قوت۔
۷۔ مؤثر اور متأثر ہونے کی یا یوں کہو کہ باہم عامل اور معمول ہونے کی ایک قوت۔
۸۔ تعلق اجسام قبول کرنے کی ایک قوت۔
۹۔ تخلق باخلاق اللہ کی ایک قوت۔
۱۰۔ مورد الہام الٰہی ہونے کی ایک قوت۔
۱۱۔ بسطی و قبضی حالت پیدا ہونے کی ایک قوت۔
۱۲۔ معارف غیر متناہیہ کے قبول کرنے کی ایک قوت۔
۱۳۔ رنگین برنگ تجلّی الوہیت ہونے کی ایک قوت۔
۱۴۔ عقلی قوت جس سے امتیاز حسن و قبح ان پر ظاہر ہوتا ہے۔
۱۵۔ القائے اثر و قبول اثر کی ایک قوت بمقابلہ اپنے اجسام متعلقہ کے۔

﴿۱۹۸﴾ **بقیہ حاشیہ** خدائے تعالیٰ نے پیش از ظہور بلکہ ہزار ہا برس پہلے اس انسان کامل کا پتہ ونشان بیان کر دیا ہے پس جس شخص کے دل کو خدائے تعالیٰ اپنی توفیق خاص سے اس طرف ہدایت دے گا کہ وہ الہام اور وحی پر ایمان لاوے اور ان پیش گوئیوں پر غور کرے کہ بائبل میں درج ہیں تو اسے ضرور ماننا پڑے گا کہ وہ انسان کامل جو آفتاب روحانی ہے جس سے نقطہ ارتفاع کا پورا ہوا ہے اور جو دیوار نبوت کی آخری اینٹ ہے وہ حضرت **محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم** ہیں۔
جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اب بھی مکرر ظاہر کرتے ہیں کہ انسان کامل

﴿۱۹۹﴾ ۱۶۔ اقرار بوجود خالق حقیقی کی ایک قوت۔

۱۷۔ اجسام کے ساتھ اور ان کے اشکال خاصّہ کے ساتھ مل کر بعض نئے خواص کے ظاہر کرنے کی قوت۔

۱۸۔ ایک قوت کشش باہمی جس کو مقناطیسی قوت کہنا چاہیئے۔

۱۹۔ ابدی طور پر قائم رہنے کی ایک قوت۔

۲۰۔ جسم مفارق کی خاک سے ایک خاص تعلق رکھنے کی قوت جو کشفی طور پر ارباب کشف قبور پر ظاہر ہوتی ہے۔

ایسا ہی اور بھی بہت سی ایسی قوتیں ہیں جن کا مفصل بیان نہایت لطافت اور خوبی سے قرآن شریف میں مندرج ہے اور ہم کو اگر شرطی رسالہ کے لکھنے کا موقع ملا تو ہم ان سب قوتوں اور روحانی خواص کو بحوالہ آیات بیّنات قرآنی معقول اور مفصّل اور مدلّل طور پر اسی رسالہ میں جو ویدا اور قرآن کے موازنہ کی غرض سے ہوگا درج کریں گے اب اس جگہ ہم مکرّر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ماسٹر صاحب کا یہ بیان کہ یہ سب قوتیں روحوں میں بیج کی طرح موجود ہیں اور جب تک جسم کا روح کے ساتھ تعلق نہ ہو تب تک

بقیہ حاشیہ

﴿۱۹۹﴾ خدائے تعالیٰ کی ذات کا نمونہ ہے۔ خدائے تعالیٰ دوسرا خدا ہرگز نہیں پیدا کرتا کہ یہ بات اس کی صفت احدیّت کے مخالف ہے ہاں اپنی صفات کمالیہ کا نمونہ پیدا کرتا ہے اور جس طرح ایک مصفّا اور وسیع شیشہ میں صاحب رؤیت کی تمام وکمال شکل منعکس ہو جاتی ہے ایسا ہی انسان کامل کے نمونہ میں الٰہی صفات عکسی طور پر آجاتے ہیں سو خدائے تعالیٰ کا اس طرح پر اپنی مثل قائم کرنا معترض کی تسلی کے لئے کافی ہے۔ اس جگہ واضح رہے کہ اس انتہائی کمال کے وجود باجود کو خدائے تعالیٰ کی کتابوں میں مظہر تام الوہیت قرار دیا گیا ہے اور

﴿۲۰۰﴾ آنؔ کا عدم و وجود برابر ہے اس بیان میں ماسٹر صاحب نے بڑا دھوکا کھایا ہے کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ جو کچھ روحوں اور جسموں کے ملنے کے بعد روحانی اور جسمانی خاصیّتیں وجود انسان میں چمکتی ہیں وہ گویا ان کے پرمیشر کی کاری گری سے ظہور پذیر ہوتی ہیں حالانکہ یہ خیال بالکل غلط اور نامعقول ہے جو موٹی سمجھ سے پیدا ہوا ہے بلکہ اصل بات تو وہی ہے جس کو ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں کہ جو مخفی طور پر روحوں اور جسموں میں الگ الگ خواص پائے جاتے ہیں وہی باہم ترکیب اور امتزاج سے نمایاں ہو جاتے ہیں اور حالت تعلق جسم و روح تک قائم رہتی ہے۔ یہ بات فی الحقیقت سچ اور راست راست ہے جس کو میں بھی تسلیم کرتا ہوں کہ جو خواص بعد ترکیب اور تعلق ارواح و اجسام ظہور پذیر ہوتے ہیں وہ سب خواص نہ مجرد اجسام سے کھلے کھلے طور پر مترتب ہو سکتے ہیں نہ مجرد ارواح سے بلکہ ان کا ظہور و بروز کامل طور پر اجسام اور ارواح کے باہمی تعلق پر موقوف ہوتا ہے اور اسی وجہ سے میں اس رسالہ میں اس سے پہلے تحریر کر آیا ہوں کہ ارواح کو اپنی سعادت تامہ تک پہنچنے کے لئے عالمِ آخرت میں کوئی ابدی جسم ملنا ضروری ہے تا اس تعلق جسم کی وجہ سے وہ خواص کامل طور پر ظاہر ہو جائیں کہ جو مجرد روحوں میں بدیں صفائی و کمال ظاہر

بقیہ حاشیہ

﴿۲۰۰﴾ چونکہ آنؔ اس مطلب کو کچھ زیادہ تفصیل سے لکھنا موجب افادہ طالبین ہے اس لئے ہم کسی قدر اور تحریر کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

اوّل ہم بیان کر چکے ہیں کہ صاحب انتہائی کمال کا جس کا وجود سلسلہ خط خالقیّت میں انتہائی نقطہ ارتفاع پر واقعہ ہے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور ان کے مقابل پر وہ خسیس وجود جو انتہائی نقطہ انخفاض پر واقعہ ہے اسی کو ہم لوگ شیطان سے تعبیر کرتے ہیں اگرچہ بظاہر شیطان کا وجود مشہود و محسوس نہیں لیکن اس سلسلہ خط خالقیّت پر نظر ڈال کر اس قدر تو

نہیں ہوسکتی مگر افسوس کہ اس ابدی تعلق جسم وروح کو وید نہیں مانتا اور صرف روح کو جس میں بقول ماسٹر صاحب بجز تعلق جسم کوئی روحی خاصہ نمایاں طور پر جلوہ پذیر نہیں ہوسکتا لذّات کاملہ نجات ووصال الٰہی کے اٹھانے کے لئے کافی سمجھتا ہے۔ حالانکہ ابھی بیچارہ ماسٹر صاحب اقرار کرچکا ہے کہ روحانی صفات بجز تعلق موجودہ جسم کے کسی قسم کی کمالیت ظاہر نہیں کرسکتیں اب وید کو کون سمجھاوے اور دیانند کی روح تک اس خبر کو کون پہنچاوے تا وہ ماسٹر صاحب سے سبق لے کر اپنے وید بھاش کی غلطیوں کو درست کردیں۔ ﴿۲۰۱﴾

میں نے پہلے سے اسی رسالہ میں درج کردیا ہے کہ جو جو صفات خداوند کریم جلّ شانہٗ نے ارواح میں رکھے ہیں یا جو جو خاصیتیں ذرّات اجسام میں مودع کی ہیں وہ اگرچہ بجائے خود الگ الگ بھی ثابت ومتحقّق ہیں مگر ان کا ظہور بیّن اس وقت ہوتا ہے اور ان کے فوائد اس وقت بطور اتم واکمل کھلتے ہیں جس وقت جسم اور روح کا باہم تعلق ہوتا ہے اس کی مثال بھی اسی پہلے موقع میں مَیں نے یہ دی تھی کہ جیسے تصویر کو آئینہ میں رکھنے میں تصویر کا رنگ وروپ زیادہ تر نظر آجاتا ہے یہ بات ہرگز نہیں ہے

بقیہ حاشیہ

عقلی طور پر ضرور ماننا پڑتا ہے کہ جیسے سلسلہ ارتفاع کے انتہائی نقطہ میں ایک وجود خیر مجسم ہے جو دنیا میں خیر کی طرف ہادی ہوکر آیا اسی طرح اس کے مقابل پر ذوالعقول میں انتہائی نقطہ انخفاض میں ایک وجود شر انگیز بھی جو شر کی طرف جاذب ہو ضرور چاہیئے اسی وجہ سے ہر یک انسان کے دل میں باطنی طور پر بھی دونوں وجودوں کا اثر عام طور پر پایا جاتا ہے پاک وجود جو روح الحق اور نور بھی کہلاتا ہے یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا پاک اثر بجز باتِ قدسیہ وتوجہات باطنیّہ ہر ایک دل کو خیر اور نیکی کی طرف بلاتا ہے۔ جس قدر کوئی اُس سے محبت اور مناسبت ﴿۲۰۲﴾

﴿۲۰۲﴾ کہ آئینہ تصویر میں کوئی نقش بڑھا کر دکھا دیتا ہے بلکہ نقوش تو وہی ہوتے ہیں جو ہیں ہاں البتہ آئینہ میں وہ سب نقوش صاف طور پر نظر آجاتے ہیں ایسا ہی جو خواص ارواح میں ہیں ان کا آئینہ جسم اور جسمی شکلیں ہیں اور جو خواص ذرّات اجسام میں ہیں ان کا آئینہ ترکیب جسمی اور وہ روحیں ہیں جو ان کے ساتھ تعلق پکڑتی ہیں اور درحقیقت ان چیزوں کا باہم آئینہ کا کام دینا یہ بھی ایک فطرتی خاصّہ ہے اور اگر خدائے تعالیٰ ارواح اور ذرات اور اجسام کا خالق نہیں تو اس کو اس خاصہ کے پیدا کرنے میں ذرا دخل نہیں کیونکہ خواص اشیاء کے تو خواہ نخواہ اپنے موقع پر ظہور میں آجاتے ہیں اور درحقیقت یہ خاصہ بھی انہیں خواص ارواح واجسام میں سے ہے جن کو آریہ لوگ غیر مخلوق اور انادی کہتے ہیں۔ لیکن اب ماسٹر صاحب اپنے پرمیشر کی پردہ پوشی کے لئے اس پر یہ احسان کرنا چاہتے ہیں کہ تا اس خاصہ کی پیدائش اس کی طرف منسوب کی جائے سو یہ کسی طرح منسوب نہیں ہوسکتی پنڈت دیانند صاحب اپنے وید بھاش اور ستیارتھ پرکاش میں صاف اقرار کر چکے ہیں کہ نیستی سے ہستی نہیں ہوسکتی جو ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں وہ پیچھے سے کبھی نہیں ہوسکتا۔ سو اگر یہ خاصہ پہلے الگ الگ دو چیزوں میں مخفی طور پر موجود نہیں تھا تو پھر

بقیہ حاشیہ

پیدا کرتا ہے اسی قدر وہ ایمانی قوت پاتا ہے اور نورانیت اس کے دل میں پھیلتی ہے یاں تک کہ وہ اُسی کے رنگ میں آجاتا ہے اور ظلی طور پر ان سب کمالات کو پالیتا ہے جو اس کو حاصل ہیں اور جو وجود شر انگیز ہے یعنی وجود شیطان جس کا مقام ذوالعقول کے قسم میں انتہائی نقطہ انخفاض میں واقع ہے اس کا اثر ہر یک دل کو جو اس سے کچھ نسبت رکھتا ہے شرک کی طرف کھینچتا ہے جس قدر کوئی اس سے مناسبت پیدا کرتا ہے اسی قدر بے ایمانی اور خباثت کے خیال اس کو سوجھتے ہیں یاں تک کہ جس کو مناسبت تام ہوجاتی ہے وہ اسی کے رنگ اور روپ میں آکر پورا پورا شیطان ہوجاتا ہے

﴿۲۰۳﴾ بعد میں کہاں سے آ گیا دنیا میں صدہا صورتیں ایسی پائی جاتی ہیں کہ اول دو چیزوں میں کوئی خاصیت چھپی ہوئی موجود ہوتی ہے اور پھر ان دو چیزوں کے باہم ملا دینے سے وہی خاصیّت بڑی تیزی اور شوخی سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ دو دواؤں کی ترکیب سے ایک نئے مزاج اور خاصہ کی دوا نکل آتی ہے مگر درحقیقت وہ مزاج اور خاصہ کچھ نیا نہیں ہوتا بلکہ ان دونوں دواؤں میں الگ الگ طور پر مخفی ہوتا ہے۔ اور ایسا ہی دو رنگوں کے ملانے سے ایک نیا رنگ نکل آتا ہے مگر وہ درحقیقت نیا نہیں ہوتا بلکہ ان دونوں رنگوں میں اس حالت علیحدگی میں چھپا ہوا ہوتا ہے ایسا ہی دو مختلف مزہ کے طعام کو ملا کر تیسرا مزہ جو نیا دکھائی دیتا ہے نکل آتا ہے مگر وہ بھی درحقیقت نیا نہیں ہوتا۔ سو میں کہتا ہوں کہ اگر انہیں اجزاءِ متفرقہ وخواص متفرقہ کو ملا کر کوئی مشترک خاصہ پیدا کرنا جو حقیقت میں پہلے ہی مخفی تھا پرمیشر ہونے کی نشانی ہے تو پھر آریہ لوگ انگریزوں اور دوسرے یورپ کے صنّاع لوگوں کو کیوں سجدہ نہیں کرتے اور ان کو اپنا ایشر کیوں نہیں سمجھتے کیا ان لوگوں کے کام ایسے پرمیشر کے مشابہ نہیں ہیں۔ کیا ان لوگوں نے بھی ہندوؤں کے پرمیشر کی طرح خواص متفرقہ اشیاءِ عالم پر اطلاع پا کر صدہا صنعتیں

بقیہ حاشیہ

﴿۲۰۳﴾ اور ظلّی طور پر ان سب کمالات خباثت کو حاصل کر لیتا ہے جو اصلی شیطان کو حاصل ہیں اسی طرح اولیاء الرحمٰن اور اولیاء الشیطان اپنی اپنی مناسبت کی وجہ سے الگ الگ طرف کھینچے چلے جاتے ہیں اور وجود خیر مجسم جس کا نفسی نقطہ انتہائی درجہ کمال ارتفاع پر واقع ہے یعنی حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا مقام معراج خارجی جو منتہائے مقام عروج (یعنی عرش ربّ العالمین ہے) بتلایا گیا ہے یہ درحقیقت اسی انتہائی درجہ کمال ارتفاع کی طرف اشارہ ہے جو اُس وجود باجود کو حاصل ہے گویا جو کچھ اس وجود خیر مجسم کو عالم قضاء وقدر

﴿۲۰۴﴾ نہیں نکالیں بلاشبہ نکالی ہیں اور اب تک ہر یک پیشہ اور کارخانہ کے متعلق ہزارہا جدید صنعتیں نکالتے جاتے ہیں سو اگر ہندوؤں کے پرمیشر کا بھی اتنا ہی کام ہے کہ علم خواص اشیاء حاصل کر کے طرح طرح کی صنعتیں بمنصہ ظہور لاوے تو پھر ان لوگوں اور ایسے پرمیشر میں صرف کمی بیشی علم کا فرق ہوگا اگر ان لوگوں کو وہ اعلیٰ قسم کا علم معلوم ہو جائے تو یہ بھی ایک طور کے پرمیشر بن جائیں گے۔

قولہ۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ خود بخود ہونے والا کام پرمیشر کے کاموں سے بڑھ کر ہے تو اگر ایسا ہوا تو پرمیشر کی اس میں کون سی ہتک ہوئی۔

اقول۔ سچ ہے آپ کے پرمیشر کی عزّت بڑی پکی ہے کسی قسم کی ہتک سے دور نہیں ہوسکتی۔ یہ ہمیں آج ہی معلوم ہوا کہ آپ کا پرمیشر اس قسم کی درویشانہ سیرت رکھتا ہے کہ اگرچہ کروڑہا چیزیں اس کے کاموں اور صنعتوں سے بڑھ چڑھ کر ہوں تب بھی اس کو اپنی کسرِ شان کی کچھ پرواہ نہیں یہ خوب پرمیشر ہے اور آپ لوگوں کا وید بھی خوب اور وید و دیا اور اس کا گیان بھی جس پر اتنا ناز تھا خوب ہی نکلا ہزارہا ہاتھ کنواں کھودا آخر چشمہ آب کی جگہ ایک مری ہوئی مینڈک نکلی اگر پرمیشر اسی حیثیت اور کرتوت کا مالک ہے تو پھر

بقیہ حاشیہ ﴿۲۰۴﴾ میں حاصل تھا وہ عالم مثال میں مشہود و محسوس طور پر دکھایا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس نبی کریم کی شان رفیع کے بارہ میں فرماتا ہے وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ[1] پس اس رفع درجات سے وہی انتہائی درجہ کا ارتفاع مراد ہے جو ظاہری اور باطنی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے اور یہ وجود باجود جو خیر مجسم ہے مقربین کے تین قسموں سے اعلیٰ و اکمل ہے جو الوہیت کا مظہر اتم کہلاتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ قرب الٰہی کی تین قسمیں تین قسم کی تشبیہ پر موقوف ہیں جن کی

[1] البقرۃ: ۲۵۴

﴿۲۰۵﴾ کسی کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ خواہ نخواہ اس کے لئے تکلیفیں اٹھاوے۔ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ ہتک ایک ایسا لفظ ہے جس کا اثر اس کے دل پر ضرور ہوتا ہے جس کو کچھ شرم و غیرت بھی ہو سو اگر آپ کے پرمیشر میں کچھ شرم اور غیرت ہوتی تو اس سے زیادہ ہتک ہونے کی اور کیا بات تھی کہ جن کاموں کے کرنے پر وہ فخر کرتا ہے اور اپنے پرمیشر ہونے کی انہیں دلیل ٹھہراتا ہے یعنی جوڑنا جاڑنا ان کاموں کی نسبت دوسرے کام جو خود بخود بغیر دست اندازی پرمیشر کے تسلیم کئے گئے ہیں ایسے اعلیٰ درجہ کے نکلے کہ پرمیشر کے کاموں کو ان سے کچھ بھی نسبت نہیں پس اس صورت میں اگر پرمیشر کی ہتک نہیں ہوتی تو کیا اس سے عزت ہوگئی اور اگر یہ باتیں پرمیشر کی کسر شان کا موجب نہیں ہیں تو کیا اس کی عظمت اور جلال ظاہر ہونے کا باعث ہے سوچنا چاہیئے کہ جس حالت میں تمام عجیب کام اور بے نظیر قدرتیں اور رنگا رنگ کے خواص خود بخود ہوئے تو کیا مجرد جوڑنے جاڑنے سے ایک بڑا درجہ پرمیشر ہونے کا ایسے ضعیف اور کمزور کو مل سکتا ہے بلکہ اگر غور کرو اور کچھ خداداد عقل کو کام میں لاؤ تو تمہیں معلوم ہوگا کہ جوڑنا جاڑنا درحقیقت ارواح اور اجسام کے پیدا کرنے کی فرع ہے یعنی جوڑنا جاڑنا بھی اسی قادر مطلق کے ہاتھ سے

بقیہ حاشیہ ﴿۲۰۵﴾ تفصیل سے مراتب ثلاثہ قرب کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ اوّل قسم قرب کی خادم اور مخدوم کے تشبـــــہ سے مناسبت رکھتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط [1] یعنی مومن جن کو دوسرے لفظوں میں بندہ فرماں بردار کہہ سکتے ہیں سب چیزوں سے زیادہ اپنے مولیٰ سے محبت رکھتے ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جیسے ایک نوکر با اخلاص و باصفا باوفا بوجہ مشاہدہ احسانات متواترہ وانعامات متکاثرہ وکمالات ذاتیہ اپنے آقا کی اس قدر محبت و اخلاص و یک رنگی میں ترقی کر جاتا ہے جو بوجہ ذاتی محبت کے جو اس کے دل میں

[1] البقرة : ۱۶۶

﴿۲۰۶﴾ انجام پذیر ہوسکتا ہے جو عدم سے وجود بخشنے پر قادر ہو اور اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کرلیں کہ ایک ایسے کمزور اور نکمے کے ہاتھ سے جوڑنا جاڑنا ممکن ہے جس نے نہ کسی روح کو پیدا کیا اور نہ کسی مادہ کو اور نہ وہ صدہا خواص اور طاقتیں اور استعدادیں جو روحوں اور مادوں میں پائی جاتی ہیں اس کی پیدا کردہ ہیں تو پھر مجرد جوڑنا جاڑنا اس کو قابل تعریف بنا نہیں سکتا بلکہ یہ سب تعریفیں روحوں اور ذرّات اجسام کی طرف عائد ہوں گی۔ اور اس صورت میں پرمیشر پر لازم و واجب ہوگا کہ روحوں اور مادوں کا شکر گزار اور ثنا خواں ہو جنہوں نے مفت میں اس کو نیک نامی دلائی۔ **گھی سنوارے سالنا بڑی بہو کا نانُو۔**

قولہ۔ پرمیشر کی اس صورت میں ہتک ہوئی کہ جب اس سے زیادہ تر کاریگر پیش کیا جاتا۔

اقول۔ لو صاحب اب تو آپ کے پرمیشر کی آپ ہی کے منہ سے ہتک ثابت ہوگئی کیونکہ آپ کے خیالی اور وہمی اور فرضی پرمیشر سے اور زیادہ تر کاریگر نکل آیا جس کے وجود کے

بقیہ حاشیہ ﴿۲۰۶﴾ پیدا ہوجاتی ہے اپنے آقا سے ہم طبیعت و ہم طریق ہوجاتا ہے اور اس کی مرادات کا ایسا ہی طالب اور خواہاں ہوتا ہے جیسے آقا خود اپنی مرادات کا خواہاں ہے اسی طرح بندہ وفادار کی حالت اپنے مولیٰ کریم کے ساتھ ہوتی ہے یعنی وہ بھی اپنے خلوص اور صدق وصفا میں ترقی کرتا کرتا اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ اپنے وجود سے بکلی محو وفنا ہوکر اپنے مولیٰ کریم کے رنگ میں مل جاتا ہے۔

آنجا کہ محبتے نمک میریزد ہر پردہ کہ بود از میان برخیزد
ایں نفس دنی کہ صد ہزارش دہن است خاموش شود چو عشق شور انگیزد
چوں رنگ خودی رود کسی را از عشق یارش زِ کرم برنگ خویش آمیزد

سو ایسا خادم جو ہم رنگ اور ہم طبیعت مخدوم ہو رہا ہے طبعی طور پر اُن سب

﴿۲۰۷﴾ سامنے آپ کے وہمی پرمیشر کا وجود حقیقت میں معدوم اور بے نشان ہے کیونکہ آپ کا پرمیشر تو بوجہ اپنی کمزوری اور ناطاقتی اور ناداری اور لاچاری کے آریہ دیس میں چھپا ہوا بیٹھا تھا اور انہیں لوگوں سے اپنے کلام کا ٹھیکہ دے رکھا تھا اور باہر قدم رکھنے سے ڈرتا تھا اور اپنے مُنہ سے قائل تھا کہ میں اپنی ذات سے کچھ نہیں کرسکتا دوسروں کے سہارے سے میرا کام چل رہا ہے سو آریہ لوگ اسی فرضی پرمیشر پر کہ دراصل ایک چور تھا نہ پرمیشر خوش ہورہے تھے اتنے میں آفتاب صداقت ان پر چمکا اور اس سچے کامل خدا کا کلام جس سے آریہ لوگ ناواقف تھے یعنی قرآن شریف آریہ دیس میں جلوہ گر ہوا اور کروڑہا آریوں کو سچائی کی طرف کھینچ لایا سو اس طرح پر اس نے اپنے قادر اور کامل وجود سے ان کو اطلاع دے دی اور اپنی خدائی ان پر ظاہر کردی اور اپنے قوی ہاتھ سے اپنا قادر مطلق ہونا ثابت کردیا اور سب روحوں اور مادوں کی نسبت بیان کیا کہ یہ سب میرے ہی پیدا کردہ ہیں سو جن چیزوں کی نسبت آریہ لوگ اور ان کا ناکارہ پرمیشر حیران ہورہے تھے کہ یہ چیزیں کس نے پیدا کی ہیں پیدا کرنے والے نے اپنا کلام ان تک پہنچا کر اور اپنے روشن نشان دکھلا کر

بقیہ حاشیہ

﴿۲۰۷﴾ باتوں سے متنفر ہوجاتا ہے جو اس کے مخدوم کو بری معلوم ہوتی ہیں وہ نافرمانی کو اس جہت سے نہیں چھوڑتا کہ اس پر سزا مترتب ہوگی اور تعمیل حکم اس وجہ سے نہیں کرتا کہ اس سے انعام ملے گا اور کوئی قول یا فعل اس کا اپنے اخلاق کاملہ کے تقاضا سے صادر نہیں ہوتا بلکہ محض اپنے مخدوم حقیقی کی اطاعت کی وجہ سے جو اس کی سرشت میں رَچ گئی ہے صادر ہوتا ہے اور بے اختیار اسی کی طرف اور اس کی مرضیات کی طرف کھینچا چلا جاتا ہے وہ ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری گال کا پھیرنا خواہ نخواہ واجب نہیں جانتا اور نہ طمانچہ کی جگہ طمانچہ مارنا اس کو لابُدّ اضروری معلوم ہوتا ہے بلکہ وہ اپنے یک رنگ دل سے فتویٰ پوچھتا ہے جو اس وقت خاص میں

﴿۲۰۸﴾ صاف بتلا دیا کہ ان کا پیدا کنندہ میں ہی ہوں۔ وہ کون ہے وہ وہی کامل اور قادر خدا منزّل الفرقان ہے جس نے اپنے بے مثل الہام اور بے نظیر کام کے ذریعہ سے اپنی خدائی کو ثابت کر دکھایا ہے جس کی ایجاد کے بغیر کوئی چیز موجود نہیں ہوئی جس کی تعریف میں قرآن شریف میں جو اس کا کلام ہے یہ پاک حمد درج ہے کہ وہ مبدا ہے تمام فیضوں کا اور مستجمع ہے تمام صفات کاملہ کا اور جامع ہے تمام خوبیوں کا اور مرجع ہے ہر یک چیز کا اور واحد لاشریک ہے اپنی ذات میں اور صفات میں اور معبودیت میں سو سچا اور کامل خدا یہی خدا ہے جس نے ہزاروں مقدس نبیوں کی روحوں میں اس تعلیم کا القا کیا۔ جس کا قول اور فعل دونوں برابر شہادت دے رہے ہیں کہ وہ ہر یک قسم کی ناطاقتی اور نقصان اور ادھورپن سے پاک ہے غرض جس حالت میں ایک ذات کامل الصفات نے جس کے ماننے والے دنیا میں کروڑہا لوگ پائے جاتے ہیں اور جس کی برکات تعلیم اور آسمانی نشان تمام روئے زمین پر پھیل چکے ہیں اس نے اپنے پاک اور مقدس صحیفوں میں صاف دعویٰ کر دیا ہے کہ میں کامل اور قادر خدا ہوں اور روحوں اور ذرّہ ذرّہ جسم کا میں ہی خالق ہوں تو کیا اس صورت میں آپ لوگ

بقیہ حاشیہ ﴿۲۰۸﴾ اسؔ کے محبوب حقیقی کی مرضی کیا ہے اور اس بات کے لئے کوئی معقول وجہ تلاش کرتا ہے کہ کس طریق کے اختیار کرنے میں زیادہ تر خیر ہے جو موجب خوشنودی حضرت باری جلّ شانہٗ ہے آیا عفو میں یا انتقام میں سو جو عمل موجودہ حالت کے لئے قرین بصواب ہو اسی کو بروئے کار لاتا ہے اسی طرح اس کی بخشش اور عطا بھی سخاوت جمیلہ کے تقاضا سے نہیں ہوتی بلکہ اطاعت کامل کی وجہ سے ہوتی ہے اور اسی اطاعت کے جوش سے وقت موجودہ میں خوب سوچ لیتا ہے کہ کیا اس وقت اس طرز کی سخاوت یا ایسے شخص پر احسان و مروّت مقرون بہ مرضی مولیٰ ہوسکتی ہے اور اگر نامناسب دیکھتا ہے تو ایک حبّہ خرچ نہیں کرتا اور کسی ملامت کنندہ کی ملامت سے

﴿۲۰۹﴾ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے پرمیشر سے زیادہ تر کاریگر پیش نہیں کیا گیا۔ جس نے خالق الارواح والاجسام ہونے کا دعویٰ کیا ہو سو اب اے ماسٹر صاحب آنکھ کھول کر دیکھیں کہ وہ زیادہ تر کاریگر پیش تو کیا گیا اور اسی کی طرف تو ہم آپ کو دعوت کر رہے ہیں کہ آؤ فرضی پرمیشر سے زیادہ تر کاریگر اور اس سے زیادہ تر جاننے والا اپنے کامل نشانوں کے ساتھ جلوہ گر ہوا ہے اس زیادہ تر عزّت وحکمت وقدرت والے پر ایمان لاؤ جس نے اپنی عام قادریت ظاہر کی ہے جن چیزوں کو آپ لاوارث اور غیر مخلوق سمجھتے تھے ان کا وارث ظاہر ہو گیا ہے سو ادھورے اور وہمی پرمیشر کو چھوڑ دو اور سچے اور کامل اور پورے پورے قادر کی فرمانبرداری اختیار کرو جس کی سچائی اس کی قدرتوں سے ثابت ہو رہی ہے۔ آپ لوگوں کا پہلا پرمیشر حقیقت میں پرمیشر نہیں ہے اور جوڑنے جاڑنے کی بھی دراصل اس کو طاقت نہیں ہے بلکہ وہ کچھ بھی نہیں سچا پرمیشر یہی ہے جو تمام دنیا کا مالک ہے کسی خاص ملک سے کوئی تعلق نہیں رکھتا ہر ایک ملک کے ڈھونڈنے والے اس کو پاتے ہیں سو آؤ دلی صدق سے اس کی طرف رجوع کرو تا تم بھی ان برکات سے حصہ یاب ہو جاؤ جن سے صادق لوگ

بقیہ حاشیہ

﴿۲۰۹﴾ ہرگز نہیں ڈرتا غرض احمقانہ تقلید سے وہ کوئی کام بھی نہیں کرتا بلکہ سچی اور کامل محبت کی وجہ سے اپنے آقا کا مزاج دان ہو جاتا ہے اور یکرنگی اور اتحاد کی روشنی جو اس کے دل میں ہے وہ ہر ایک تازہ وقت میں تازہ طور پر اس کو سمجھا دیتی ہے جو اس خاص وقت میں کیونکر اور کس طرز سے کوئی کام کرنا چاہیئے جو مخدوم حقیقی کے منشاء کے مطابق ہو اور چونکہ اس کو اپنے منعم حقیقی سے ایک تعلق ذاتی پیدا ہو جاتا ہے اس لئے اطاعت اور فرمانبرداری اس کے سر پر کوئی آزار رساں بوجھ نہیں ہوتا بلکہ وہ فرمانبرداری اس کے ایک امر طبعی کے حکم میں ہو جاتی ہے جو بالطبع مرغوب اور بلا تصنع وتکلف اس سے صادر ہوتی

﴿۲۱۰﴾ متمتع ہوتے ہیں۔

قولہ۔ خدائے تعالیٰ جو خود بخود ہونے والی چیز ہے خدا کے اپنے کاموں سے بہت بڑھ کر ہے اور اس سے خدا کی کوئی ہتک نہیں ہوتی۔

اقول۔ بجز اس کے کیا کہوں کہ۔ بریں عقل و دانش ہزار آفرین۔ ہماری طرف سے تو اعتراض یہ تھا کہ جس حالت میں بقول آریہ صاحبان اصل پیدائشِ اشیاء خدائے تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں۔ بلکہ جمیع اشیاء مادی و غیر مادی معہ تمام خواص وعجائبات اپنے کے خود بخود ہیں تو اس میں پرمیشر کی بڑی ہتک عزّت ہے یعنی یہ امر اس کی بزرگی اور جلال اور حیثیت خدائی کے کسر شان کرتا ہے کہ جو چیزیں اس کے زیر حکم اور ماتحت ہیں وہ سب اپنے وجود اور اپنے جمیع خواص میں جو اعلیٰ درجہ کے عجائبات قدرت سے بھرے ہوئے ہیں خود بخود ہوں اور جو ادنیٰ درجہ کا کام ہے جو پہلے کام کے سہارے سے چلتا ہے فقط وہی کام پرمیشر کے ہاتھ سے نکلا ہو اس کا جواب ماسٹر صاحب یہ دیتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ جو خود بخود ہونے والی چیز ہے

بقیہ حاشیہ ﴿۲۱۰﴾ رہتی ہے اور جیسی اللہ جلّ شانہٗ کو اپنی خوبی اور عظمت محبوب بالطبع ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا جلال ظاہر کرنا اس کے لئے محبوب بالطبع ہو جاتا ہے اور اپنے مخدوم حقیقی کی ہر ایک عادت و سیرت اس کی نظر میں ایسی پیاری ہو جاتی ہے کہ جیسی خود اس کو پیاری ہے۔ سو یہ مقام ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔ جن کے سینے محبت غیر سے بالکل منزّہ وصاف ہو جاتے ہیں اور خدائے تعالیٰ کی رضامندی کو ڈھونڈنے کے لئے ہر ایک وقت جان قربان کرنے کو طیار رہتے ہیں۔ سینہ می باید تہی از غیر یار۔ دل ہمی باید پُر از یادِ نگار۔ جاں ہمی باید براہ او فدا۔ سر ہمی باید بہ پائے او نثار۔ ہیچ دانی چیست دین عاشقاں۔ گوئمت گر بشنوی عشاق دار۔ از ہمہ عالم فرد یستن نظر۔ لوح دل شستن زغیر دوستدار۔ قرب کی دوسری قسم ولد اور والد کی

خدا کے اپنے کاموں سے بڑھ کر ہے اور اس سے خدا کی کوئی ہتک عزّت نہیں ہوتی۔ سوا ایسا ہی دوسری خود بخود ہونے والی چیزوں سے اس کی کوئی ہتک عزّت نہیں۔ اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ اس جواب کو ہمارے اعتراض سے کیا تعلق ہے۔ یہ بات نہایت ظاہر و بدیہی ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات اس کے کاموں سے جو اس کی مخلوقات ہے بڑھ کر نہ ہوتی تو مخلوق اپنے خالق سے اور مملوک اپنے مالک سے مساوی ہو جاتا تو اس طرح پر ضرور خدائے تعالیٰ کی ہتک عزّت ہوتی کیونکہ مخلوق کو اپنے خالق سے برابر ہو جانا اور مملوک کا اپنے مالک سے ہم درجہ ہونا صریح موجب ہتک عزّت مالک ہے اور یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے جیسا خدا پیدا نہیں کرتا کہ یہ اس کی عزّت ابدی وجلال ازلی اور وحدت قدیمی کے برخلاف ہے اب جب کہ یہ ثابت ہے کہ خدائے تعالیٰ کی ہتک عزّت اس بات میں ہے کہ کوئی مخلوق ومملوک ہو کر اس کی ذات وصفات کے برابر ہو تو ظاہر ہے کہ جو امر اس کا نقیض ہے یعنی یہ کہ مخلوق اپنی ذات وصفات میں اپنے خالق سے کم ہو یہ امر موجب ﴿۲۱۱﴾

بقیہ حاشیہ

تشبّہ سے مناسبت رکھتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا[1] یعنی اپنے اللہ جل شانہ کو ایسے دلی جوش محبت سے یاد کرو جیسا باپوں کو یاد کیا جاتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ مخدوم اس وقت باپ سے مشابہ ہو جاتا ہے جب محبت میں غائت درجہ شدّت واقع ہو جاتی ہے اور حُبّ جو ہر یک کدورت اور غرض سے مصفّا ہے دل کے تمام پردے چیر کر دل کی جڑھ میں اس طرح سے بیٹھ جاتی ہے کہ گویا اس کی جز ہے تب جس قدر جوش محبت اور پیوند شدید اپنے محبوب سے ہے وہ سب حقیقت میں مادرزاد معلوم ہوتا ہے اور ایسا طبیعت سے ہمرنگ اور اس کی جز ہو جاتا ہے کہ سعی اور کوشش کا ذریعہ ہرگز یاد نہیں رہتا اور جیسے بیٹے کو اپنے باپ کا وجود تصور کرنے سے ﴿۲۱۱﴾

[1] البقرۃ: ۲۰۱

﴿۲۱۲﴾ ہتک عزت نہیں ہوسکتا کیونکہ اجتماع نقیضین محال وممتنع ہے برخلاف اس کے جو چیزیں خدا تعالیٰ کے ماتحت وزیر حکم ہیں ان کو اس کے ماتحت قبول کر کے پھر اس کی حدود قدرت سے انہیں باہر رکھ لینا اور باوصف صدہا عجائب وغرائب خواص کے جو ان چیزوں کے اندر بھرے ہوئے ہیں جو ایک ناکارہ کام جوڑنے جاڑنے سے ہزارہا مراتب بہتر ہیں پھر بھی ان چیزوں کو خدائے تعالیٰ کی پیدائش اور ان کے ہاتھ کی صنعت ہونے سے الگ کا الگ رہنے دینا اور پرمیشر کو صرف جوڑنے جاڑنے والا جو اس کے پہلے کاموں سے قطع تعلق کی حالت میں ادنیٰ سا کام ہے خیال کرنا اگر ایسے خیال پُر اختلال سے بھی آپ کے پرمیشر کی عزّت دور نہیں ہوتی تو یہ عزت بھی عجیب عزت ہے غرض یہ قیاس آپ کا بالکل قیاس مع الفارق ہے جو خدائے تعالیٰ کی ماتحت چیزوں کا اس کی ذات وصفات پر آپ کر رہے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ آپ اس صاف صاف فرق کو سمجھ کر بہت شرمندہ ہوں گے اور دل میں پچھتائیں گے کہ ایسی فضول باتیں منہ سے کیوں نکالیں۔ بالآخر میں آپ کو یہ بھی یاد دلاتا ہوں کہ آپ

بقیہ حاشیہ

﴿۲۱۲﴾ ایک روحانی نسبت محسوس ہوتی ہے ایسا ہی اس کو بھی ہر وقت باطنی طور پر اس نسبت کا احساس ہوتا رہتا ہے اور جیسے بیٹا اپنے باپ کا حُلیہ اور نقوش نمایاں طور پر اپنے چہرہ پر ظاہر رکھتا ہے اور اس کی رفتار اور کردار اور خو اور بوبصفائی تام اس میں پائی جاتی ہے علیٰ ہذا القیاس یہی حال اس میں ہوتا ہے اور اس درجہ اور قرب اول کے درجہ میں فرق یہ ہے کہ قرب اول کا درجہ جو خادم اور مخدوم سے تشبیہہ رکھتا ہے وہ بھی اگرچہ اپنے کمال کے رو سے اس درجہ ثانیہ سے نہایت مشابہ ہے لیکن یہ درجہ اپنی نہایت صفائی کی وجہ سے تعلق مادرزاد کے قائم مقام ہوگیا ہے اور جیسا باعتبار نفس انسانیّت کے دو انسان مساوی ہوتے ہیں لیکن بلحاظ شدّت و ضُعف خواص انسانی کے ظہور آثار میں متفاوت واقع ہوتی ہیں ایسا ہی

﴿۲۱۳﴾ اِس موقع کے پڑھنے کے وقت اس رسالہ کا وہ حاشیہ بھی پڑھ لیں کہ جو حاشیہ ملحقہ اس متن سے پہلے تحریر پا چکا ہے۔

قولہ ۔اس کے آگے مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ اگر سب روحیں غیر مخلوق اور خود بخود ہیں تو پھر خدا کسی روح سے بندگی کرانے کا مستحق نہیں رہے گا۔ کیونکہ سب روحیں اسے کہہ سکتی ہیں کہ جب کہ تو نے ہمیں پیدا ہی نہیں کیا اور نہ ہماری طاقتوں اور قوتوں اور استعدادوں کو تو نے بنایا تو پھر کس استحقاق سے ہم سے اپنی پرستش چاہتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ میں نے پہلے قباحتوں کے جواب میں ثابت کر دیا ہے کہ بغیر پرمیشر کے جوڑنے جاڑنے کے تمام روحیں اور ان کی طاقتیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ پس جس نے جوڑنے جاڑنے سے آرام اور سکھ میں ترقی کرنے کا سامان بخشا کیا وہ شکر گزاری اور عبادت کے لائق نہیں۔

اقول ۔افسوس کہ ہر چند اس ادھورے اور نکمّے پرمیشر کی وکالت میں آپ نے جہاں تک

بقیہ حاشیہ

﴿۲۱۳﴾ اِن دونوں درجوں میں تفاوت درمیان ہے غرض اس درجہ میں محبت کمال لطافت تک پہنچ جاتی ہے اور مناسبت اور مشابہت بال بال میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ خیال کرنا چاہئے کہ اگرچہ ایک شخص کمال عشق کی حالت میں اپنے معشوق سے ہمرنگ ہو جاتا ہے۔ مگر جو شخص اپنے باپ سے جس سے وہ نکلا ہے مشابہت رکھتا ہے اس کی مشابہت اور ہی آب و تاب رکھتی ہے۔

تیسری قسم کا قرب ایک ہی شخص کی صورت اور اس کے عکس سے مشابہت رکھتا ہے یعنی جیسے ایک شخص آئینہ صاف و وسیع میں اپنی شکل دیکھتا ہے تو تمام شکل اس کی معہ اپنے تمام نقوش کے جو اس میں موجود ہیں عکسی طور پر اس آئینہ میں دکھائی دیتی ہے ایسا ہی اس قسم ثالث قرب میں تمام صفات الٰہیہ صاحب قرب کے

﴿۲۱۴﴾ بن پڑا بڑا زور مارا بہت کچھ کوشش کی مگر چونکہ اس کا ادھورپن ایسا نہیں ہے جو کسی کے چھپانے سے چھپ سکے اس لئے بجز بار بار کی خجالت کے اور کچھ اس قیل وقال سے آپ کو حاصل نہیں ہوا۔ بھلا آپ ہی فرمائیں کہ آپ نے پہلی قباحتوں کے جواب میں کیا خاک ثابت کیا ہے۔ جس حالت میں آپ لوگ اپنے ہی مُنہ سے قائل ہیں کہ تمام روحیں خود بخود ہیں اور ان کے تمام خواص بھی خود بخود۔ ان کی تمام قوتیں بھی خود بخود ایسا ہی پر کرتی بھی خود بخود۔ جسم کا ہر ایک ذرّہ بھی خود بخود اور ان کے تمام خواص اور قوتیں خود بخود۔ ان کا ازلی وابدی ہونا بھی خود بخود۔ پرمیشر ہو یا نہ ہو وہ سب بذات خود قائم بذات خود واجب الوجود غرض سارا جہان اپنے دونوں ٹکڑوں کے ساتھ خود بخود ہے تو ان خواص اور قوتوں اور دائمی بقا میں جو روحوں کو خود بخود حاصل ہیں کون سی شکر گزاری کا پرمیشر مستحق ٹھہر سکتا ہے۔ کیا ان چیزوں میں سے پرمیشر نے بھی اپنے گھر سے کچھ دیا ہے اور اس کی گرہ سے بھی کچھ خرچ آیا ہے۔ رہا یہ بار بار کا رونا جو پرمیشر نے

بقیہ حاشیہ

﴿۲۱۴﴾ وجود میں بہ تمامتر صفائی منعکس ہو جاتی ہیں۔ اور یہ انعکاس ہر یک قسم کی تشبّہ سے جو پہلے اس سے بیان کیا گیا ہے اتم واکمل ہے کیونکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ جیسے ایک شخص آئینہ صاف میں اپنا منہ دیکھ کر اس شکل کو اپنی شکل کے مطابق پاتا ہے وہ مطابقت اور مشابہت اس کی شکل سے نہ کسی غیر کو کسی حیلہ یا تکلّف سے حاصل ہوسکتی ہے اور نہ کسی فرزند میں ایسی ہو بہو مطابقت پائی جاتی ہے اور یہ مرتبہ کس کے لئے میسر ہے اور کون اس کامل درجہ قرب سے موسوم ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اسی کو میسّر آتا ہے کہ جو الوہیّت وعبودیت کے دونوں قوسوں کے بیچ میں کامل طور پر ہو کر دونوں قوسوں سے ایسا شدید تعلق پکڑتا ہے کہ گویا ان دونوں کا

﴿۲۱۵﴾ روحوں اور جسموں کو باہم جوڑا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ایسا نالائق پرمیشر ہرگز جوڑنے پر بھی قادر نہیں ہوسکتا اگر روحوں کی حقیقت کا اس کو پورا پورا علم ہوتا تو وہ بے شک ان کو بنا سکتا کیونکہ ایک چیز کا پورا پورا علم ہونا اس کے بنانے کو مستلزم ہے اور جب کہ وہ روحوں کے بنانے پر قادر نہیں تو اس سے صاف ثابت ہے کہ اس کو روحوں کے خواص اور باطنی قوتوں اور کیفیتوں کا پورا پورا علم بھی نہیں اور جبکہ علم کامل نہیں تو ایسے ادھورے اور ناقص علم سے وہ جوڑنے جاڑنے پر کیونکر قادر ہوسکتا ہے اگر کوئی ثبوت ہے تو پیش کرنا چاہئے اور اگر بفرض محال یہ ثابت بھی ہو جائے کہ ایسا ادھورا اور نکما پرمیشر ارواح اور اجسام کو جوڑ سکتا ہے تو البتہ ایک ناقص جیسی شکرگزاری کے لائق ٹھہرے گا جس کا عدم وجود برابر ہے۔ مگر یہ تو کبھی نہ ہوگا کہ ارواح جو بکلّی آزاد اور غیر مخلوق اور قدیم ہونے میں اس کے ہمسر اور انادی ہونے میں اس کے ہم پہلو اور واجب الوجود ہونے میں اس کے ہم رتبہ ہیں اس کو اپنا رب سمجھ لیں اور جو اپنے رب اور پیدا کنندہ کی پرستش اور عبادت کرنی چاہئے اس عالی شان عبادت کا اس کو مستحق ٹھہراویں سو یہی مطلب تھا جس کو ہم نے اعتراض میں لکھا اور آپ نے نہ اس کو غور کر کے سمجھا اور نہ اس کا کچھ جواب دیا۔

قولہ ۔سوائے اس کے خداوند کریم نہایت دیالو کرپالو ہے اس کی یہ ہدایت کہ پرستش کرنی چاہئے انسان کی بہتری کے لئے ہے نہ کہ خود خدا کی اس میں کوئی عزّت بڑھتی ہے۔

بقیہ حاشیہ

﴿۲۱۵﴾ عیّن ہو جاتا ہے اور اپنے نفس کو بکلی درمیان سے اٹھا کر آئینہ صاف کا حکم پیدا کر لیتا ہے اور وہ آئینہ ذو جھتین ہونے کی وجہ سے ایک جہت سے صورت الٰہیہ بطور ظلّی حاصل کرتا ہے اور دوسری جہت سے وہ تمام فیض حسبِ استعداد و طبائع مختلفہ اپنے مقابلین کو پہنچاتا ہے اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے

﴿۲۱۶﴾ **اقول** ۔ میں کہتا ہوں کہ گو بندگی وعبادت کرنے سے انسان کی اپنی ہی بہتری متصوّر ہے۔ مگر پھر بھی خدا تعالیٰ کی ربوبیّت تقاضا کرتی ہے اور جوش مارتی ہے کہ لوگ اس کی سیدھی راہ پر قدم مار کر اور ناکردی کاموں سے بچ کر اور اس کی پرستش و اطاعت میں محو ہو کر اپنی سعادت مطلوبہ کو پالیں اور اگر اس راہ پر چلنا نہ چاہیں تو پھر نہ اپنے لئے بلکہ انہیں کے لئے اس کا غضب بھڑکتا ہے اور طرح طرح کی تنبیہوں میں انہیں مبتلا کرتا ہے اور جو لوگ پھر بھی نہ سمجھیں وہ بُعد اور حرمان کی آگ میں جلتے ہیں۔ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص اس کو یہ کہہ سکے کہ تجھے میرے نفع یا نقصان کی کیا فکر پڑی ہے اور کیوں بار بار ہم کو نصیحتیں کرتا ہے اور الہامی کتابیں بھیجتا ہے اور سزائیں دیتا ہے اگر ہم عبادت کریں گے تو اپنے لئے اور اگر نہیں کریں گے تو آپ نقصان اٹھائیں گے۔ تجھے کیوں ناحق کا جوش وخروش ہے۔ اور اگر کوئی شخص ایسا کہے بھی بلکہ اگر سب دنیا اور تمام آدم زاد متفق ہو کر اس کی خدمت میں یہ گزارش کریں کہ ہم کو آپ اپنی نصیحتوں اور حکموں اور الہامی کتابوں سے معاف رکھیں ہم آپ کا بہشت یا یوں کہو کہ مکتی خانہ لینا نہیں چاہتے ہم اسی دنیا میں گزارہ کرلیں گے آپ مہربانی فرما کر اسی جگہ ہمیشہ کے لئے ہمیں رہنے دیں آخرت کی ہم بڑی بڑی نعمتوں سے باز آئے آپ ہمارے اعمال میں ذرا دخل نہ دیا کریں اور جزا و سزا وغیرہ تجویزیں جو ہمارے واسطے آپ کرتے رہتے ہیں ان سب سے آپ دست بردار رہیں

﴿۲۱۶﴾ **بقیہ حاشیہ** فرمایا ہے ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۔ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۔[1] پھر نزدیک ہوا (یعنی اللہ تعالیٰ سے) پھر نیچے کی طرف اُترا (یعنی مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کے لئے نزول کیا) پس اسی جہت سے کہ وہ اوپر کی طرف صعود کر کے انتہائی درجہ قرب تام کو پہنچا اور اس میں اور حق میں کوئی حجاب نہ رہا اور پھر نیچے کی طرف اس نے نزول کیا اور اس میں اور خلق میں کوئی حجاب نہ رہا یعنی چونکہ

[1] النجم : ۹،۱۰

﴿۲۱۷﴾ ہمارے نفع یا نقصان سے آپ کچھ تعلق نہ رکھیں تو یہ عرض ان کی ہرگز قبول نہیں ہوسکتی اگرچہ اس کے قبول کرانے کے لئے تمام عمر روتے پیٹتے رہیں پس اس سے صاف ثابت ہے کہ صرف یہی بات نہیں کہ بندہ اپنی حالت میں آزاد ہے اور اپنے لئے بندگی کرتا ہے اور پرمیشر کو اس سے کچھ تعلق نہیں بلکہ جلال اور عظمت الٰہی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ بندہ شرط بندگی بجالاوے اور نیک راہوں کو اختیار کرے اور اس کی الوہیّت بالطبع تقاضا کرتی ہے کہ اس کے آگے عبودیت کے آثار ظاہر ہوں اور اس کی کاملیّت ذاتی جوش سے یہ چاہتی ہے کہ جو نقصان سے خالی نہیں ہے اس کے آگے تذلّل کرے یہی وجہ ہے کہ نافرمانوں اور سرکشوں اور ان سب کو جو شرارتوں پر ضد کرتے ہیں انجام کار اس کا عذاب پکڑتا ہے ورنہ اس بات پر کوئی وجہ قابل اطمینان پیدا نہیں ہوتی کہ بغیر پائے جانے کے کسی ذاتی قوت کے جو سزا جزا دینے کے لئے اس کی ذات بابرکات ازل سے رکھتی ہو کیوں خواہ نخواہ وہ اس فکر میں لگا رہتا ہے کہ نیکی کرنے والوں کو نیک پاداش اور بدی کرنے والوں کو بد پاداش پہنچاوے بلکہ اگر کوئی قوت ذاتی جو جزا سزا دینے کے لئے محرّک ہو اس میں نہ پائی جاوے تو یہ چاہئے تھا کہ خاموشی اختیار رکھتا اور جزا سزا کی چھیڑ چھاڑ سے بکلّی دست کش رہتا سو اگرچہ یہ بات تو صحیح ہے کہ انسان کے اعمال کا

بقیہ حاشیہ

﴿۲۱۷﴾ وہ اپنے صعود اور نزول میں اتم و اکمل ہوا اور کمالات انتہائیہ تک پہنچ گیا اس لئے دو قوسوں کے بیچ میں یعنی وتر کی جگہ میں جو قُطر دائرہ ہے اتم و اکمل طور پر اس کا مقام ہوا بلکہ وہ قوس الوہیّت اور قوس عبودیت کی طرف اس سے بھی زیادہ تر جو خیال و گمان و قیاس میں نہیں آسکتا نزدیک ہوا مثلاً صُورت اُن دو قوسوں کی یہ ہے۔ اس شکل میں جو خط مرکز دائرہ کو قطع کرتا ہے یعنی جو قطر دائرہ ہے وہی قَاب قوسَین یعنی دونوں قوسوں کا وتر ہے۔

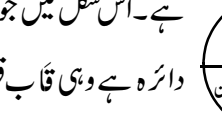

﴿۲۱۸﴾ نفع نقصان اسی کی طرف عائد ہوتا ہے جو خدائے تعالیٰ کی عظمت وسلطنت نہ اس سے کچھ بڑھتی ہے نہ گھٹتی ہے مگر یہ بات بھی نہایت صحیح اور محکم صداقت ہے کہ ربوبیت کا تقاضا بندوں کو ان کی حیثیت بندگی پر قائم رکھنا چاہتا ہے اور جو شخص ذرا تکبر سے سر اونچا کرے تو اس کا سر فی الفور کچلا جاتا ہے غرض خدائے تعالیٰ کی ذات میں اپنی عظمت اپنی خدائی اپنی کبریائی اپنا جلال اپنی بادشاہی ظاہر کرنے کا ایک تقاضا پایا جاتا ہے اور سزا و جزا اور مطالبہ اطاعت وعبودیت و پرستش اسی تقاضا کی فرع پڑا ہوا ہے اسی اظہار ربوبیت اور خدائی کی غرض سے یہ انواع اقسام کا عالم اس نے پیدا کر رکھا ہے ورنہ اگر اس کی ذات میں یہ جوش اظہار نہ پایا جاتا تو پھر وہ کیوں پیدا کرنے کی طرف ناحق متوجہ ہوتا اور کس نے اس کے سر پر بوجھ ڈالا تھا کہ ضرور یہ عالم پیدا کرے اور ارواح کو اجسام کے ساتھ تعلق دے کر اس مسافر خانہ کو جو دنیا کے نام سے موسوم ہے اپنی عجائب قدرتوں کی جگہ بنادے آخر اس میں کوئی قوت اقتضائے تھی جو اس بنا ڈالنے کی محرک ہوئی۔ اسی کی طرف اس کے پاک کلام میں جو قرآن شریف ہے اشارات پائے جاتے ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے کل عالم کو اس غرض سے پیدا کیا کہ تا وہ اپنی خالقیت کی صفت سے شناخت کیا جائے اور پھر پیدا کرنے کے بعد اپنی مخلوقات پر رحم اور کرم کی بارشیں کیں تا وہ رحیمی اور کریمی کی صفت سے شناخت کیا جائے ایسا ہی اس نے سزا اور جزا دی تا اس کا

بقیہ حاشیہ ﴿۲۱۸﴾ جاننا چاہئے کہ دونوں قسم وجود واجب اور ممکن کے ایک ایسے دائرہ کی طرح ہیں کہ جو خط گذرندہ بر مرکز سے دو قوسوں پر منقسم ہو۔ وہی خط جو قطر دائرہ ہے جس کو قرآن شریف میں قَابَ قوسَین سے تعبیر کیا ہے اور عام بول چال علم ہندسہ میں اس کو وتر قوسین کہتے ہیں وہ ذات مفیض اور مستفیض میں بطور برزخ واقع ہے کہ جو اپنے اخص کمال میں جو انتہائی درجہ کمالات کا ہے نقطہ مرکز دائرہ سے

﴿۲۱۹﴾ منتقم اور منعم ہونا شناخت کیا جائے اسی طرح وہ مرنے کے بعد پھر اٹھائے گا تا اس کا قادر ہونا شناخت کیا جائے غرض وہ اپنے سب عجیب کاموں سے یہی مدعا رکھتا ہے کہ تا وہ پہچانا جائے اور شناخت کیا جائے سو جب کہ دنیا کے پیدا کرنے اور جزا سزا وغیرہ سے اصلی غرض معرفت الٰہی ہے جو لب لباب پرستش وعبادت ہے تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ خود تقاضا فرماتا ہے کہ تا اس کی معرفت جس کی حقیقت کاملہ پرستش وعبادت کے ذریعہ سے کھلتی ہے اس کے بندوں سے حاصل ہو جائے جیسا کہ ایک خوبصورت اپنے کمال خوبصورتی کی وجہ سے اپنے حسن کو ظاہر کرنا چاہتا ہے سو خدائے تعالیٰ جس پر حسن حقیقی کے کمالات ختم ہیں وہ بھی اپنے ذاتی جوش سے چاہتا ہے کہ وہ کمالات لوگوں پر کھل جائیں پس اس تحقیق سے ثابت ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنی عبادت جو مدار وذریعہ شناخت ہے ضرور اپنے بندوں سے چاہتا ہے اور جو شخص اس کی اس خواہش کا مقابلہ کرے اور اس کی پرستش سے منکر اور منحرف ہو تو ایسے شخص کو نابود کرنے کے لئے اس کی کبریائی متوجہ ہوتی ہے اگر تم صفحہ دنیا پر غور کر کے دیکھو اور جو کچھ خدائے تعالیٰ نے اب تک سرکشوں اور بے ایمانوں سے کیا ہے اور جو کچھ وہ قدیم سے جفا کاروں اور ستم کاروں سے کرتا چلا آیا ہے اس پر عمیق نگاہ سے نظر ڈالو تو تم پر نہایت صفائی سے کھل جائے گا کہ بلاشبہ یہ ثابت شدہ صداقت ہے کہ بالضرور خدائے تعالیٰ اپنے ذاتی تقاضا سے نیکی سے دوستی اور بدی سے نفرت اور

بقیہ حاشیہ

﴿۲۱۹﴾ جو وتر قوس کا درمیانی نقطہ ہے مشابہت رکھتا ہے یہی نقطہ تمام کمالات انسانِ کامل کا دل ہے جو قوس الوہیّت وعبودیت کی طرف بخطوط مساویہ نسبت رکھتا ہے اور یہی نقطہ ارفع نقاط ان خطوط عمودیہ کا ہے جو محیط سے قطر دائرہ تک کھینچے جائیں۔ اگرچہ وتر قوسین اور بہت سے ایسے نقاط سے تالیف یافتہ ہے جو درحقیقت کمالات روحانیہ صاحب وتر کے صور محسوسہ ہیں لیکن بجز ایک

﴿۲۲۰﴾ عداوت رکھتا ہے اور یہی چاہتا ہے کہ لوگ بدی کو چھوڑ دیں اور نیکی کو اختیار کریں گو نیکی اور بدی کو جو انسان سے ظہور میں آتی ہے اس کے کارخانۂ سلطنت میں کوئی مفید یا مضر دخل نہیں ہے لیکن ذاتی تقاضا اس کا یہی ہے اب ظاہر ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ نے روحوں کو پیدا نہیں کیا تو وہ کسی روح سے اس مطالبہ کرنے کا مستحق نہیں ہے کہ وہ کمال درجہ کی پرستش جو اپنے پیدا کنندہ کے لئے چاہیئے کیوں اس سے صادر نہیں ہوئی۔

قولہ۔ اب رہی یہ بات کہ خداوند تعالیٰ اگر بنانے والا نہیں تو محیط بھی نہیں ہوسکتا یہ تو وہ شاید کہتا جو خدا کا بھی بنانے والا ہوتا کیونکہ خدا کی سب صفات اور طاقتیں اس سبب سے نہیں کہ وہ روحوں کے بنانے والا ہے بلکہ حقیقت میں وہ سب صفات اس میں موجود ہیں۔

اقول۔ آج ہمیں ماسٹر صاحب کے کمالات علمی پر نظر ڈالنے سے بڑا ہی سرور حاصل ہوا ہمیں تعجب ہے کہ آریہ لوگ صاحب موصوف کو دیانند کا کیوں قائم مقام نہیں بناتے۔ ماسٹر صاحب کی نظر میں جو شخص یہ بات کہے کہ خدائے تعالیٰ کا ہر یک چیز پر محیط ہونا اس کے خالق ہونے کو مستلزم ہے وہ اس قول سے خدا کے بنانے والا بن جاتا ہے۔ اب

بقیہ حاشیہ ﴿۲۲۰﴾ نقطہ مرکز کے اور جس قدر نقاط وتر ہیں ان میں دوسرے انبیاء ورسل وارباب صدق وصفا بھی شریک ہیں اور نقطہ مرکز اس کمال کی صورت ہے کہ جو صاحب وتر کو بہ نسبت جمیع دوسرے کمالات کے اعلیٰ وارفع واخص وممتاز طور پر حاصل ہے جس میں حقیقی طور پر مخلوق میں سے کوئی اس کا شریک نہیں ہاں اتباع وپیروی سے ظلی طور پر شریک ہوسکتا ہے۔ اب جاننا چاہئے کہ دراصل اسی نقطہ وسطی کا نام حقیقت محمدیہ ہے جو اجمالی طور پر جمیع حقائق عالم کا

﴿۲۲۱﴾ ماسٹر صاحب کے اس قول کو اسی جگہ بطور امانت رکھ کر اصل مطلب پر نظر ثانی کرنی چاہئے کہ یہ بات نہایت بدیہی اور ظاہر ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ کسی چیز پر محیط ہے تو اس کا علم بھی اس پر محیط ہوگا اور اس کی قدرت کاملہ بھی اس پر محیط ہوگی کیونکہ خدائے تعالیٰ کی ذات اس کی صفات سے الگ نہیں ہے تا یہ کہا جائے کہ وہ محیط ہونے کے وقت اپنی صفات کو کسی طاق پر جدا رکھ آتا ہے۔ اب جبکہ قدرت کاملہ اور علم کامل خدائے تعالیٰ کا ہر یک چیز پر محیط ہوا تو یہی حقیقت خالقیت ہے کیونکہ ہم کئی مقام میں پہلے بھی تحریر کر چکے ہیں کہ علم کامل کو بشرط قدرت عمل مستلزم ہے اگر انسان کسی چیز کی نسبت علم کامل رکھتا ہو اور باایں ہمہ ایسے اسباب بھی اسے میسر ہوں جن سے اس کو قدرت و طاقت عمل پیدا ہو جائے تو اس چیز کو وہ بنا سکتا ہے بلکہ ہزارہا صنعتیں جو انسان بنا رہا ہے اور ابتدائی پیدائش سے بناتا چلا آیا ہے ان کے بنائے جانے کی ضروری شرطیں یہ دو ہی ہیں اور اگر کسی چیز کا علم کامل ہو اور پھر اس پر تصرّف کرنے کی قدرت کامل بھی ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ چیز بنانے سے رہ جائے پس جب کہ انسان کا یہ حال ہے تو پرمیشر پر وہ نامعلوم پتھر کون سے پڑ گئے کہ ایک طرف تو اس کی نسبت یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ہر یک چیز کے بارے میں اس کا علم کامل ہے اور وہ اپنے علم کامل اور قدرت کامل کے ساتھ ہر یک چیز اور ذرّہ ذرّہ پر محیط ہے اور ایک طرف اُس کو خالق اور پیدا کنندہ ہونے سے صاف جواب دیا جاتا ہے

بقیہ حاشیہ

﴿۲۲۱﴾ منبع واصل ہے اور درحقیقت اسی ایک نقطہ سے خط وتر انبساط وامتداد پذیر ہوا ہے اور اسی نقطہ کی روحانیت تمام خط وتر میں ایک ہویّت ساریہ ہے جس کا فیضِ اقدس اس سارے خط کو تعیّن بخش ہوگیا ہے۔ عالم جس کو متصوفین اسماء اللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کا اوّل واعلیٰ مظہر جس سے وہ علیٰ وجہ التفصیل صدور پذیر ہوا ہے یہی نُقطہ درمیانی ہے جس کو اصطلاحات

﴿۲۲۲﴾ جب کہ یہ بات بدیہی ثبوت ہے کہ خالق ہونا محیط ہونے کی فرع ہے تو پھر اصل صفت کو جو محیط ہونا ہے ذات باری جلّ شانہٗ میں تسلیم کر کے اس کی فرع کے ماننے سے کیوں انکار کیا جاتا ہے۔ یہ بات اجلّی بدیہات ہے کہ اصل کے ثبوت کو فرع کا ثبوت لازم پڑا ہوا ہے مثلاً جو شخص طلوع آفتاب کا اقرار کر کے پھر رات ہونے پر ضدّ کر رہا ہے وہ اپنی بات کو اپنے ہی قول سے ردّ کرتا ہے اسی طرح جب تم نے اپنے منہ سے مان لیا کہ خدائے تعالیٰ اپنی ذات اور علم کامل اور قدرت کامل سے ذرّہ ذرّہ عالم پر ایسا محیط ہے کہ ہر یک چیز اس کے احاطہ تام میں معہ اپنی تمام کنہ اور کیفیت کے مستغرق ہے تو تمہیں اس کی یہ فرع بھی ماننی پڑے گی کہ وہ ان چیزوں کا خالق بھی ہے کیونکہ علم تام کو عمل جو جو اس کی فرع ہے لازم پڑا ہوا ہے اور جس طرح یہ بات ظاہر ہے کہ کسی چیز کے بنانے سے پہلے اول اس چیز کا علم ضروری ہے کہ وہ چیز اس طور اور اس طریق سے بنانی چاہئے اسی طرح یہ بھی ظاہر ہے کہ کسی عمل پر قادر ہونے کے لئے یہی ایک طریق ہے کہ اس عمل کے متعلق علم تام حاصل ہو جائے۔ سو اگر خدائے تعالیٰ اعیانِ موجودات کی حقیقت سے جیسا کہ چاہئے واقف ہے تو بے شک وہ ان کے بنانے پر بھی قادر ہے وجہ یہ کہ علم تام اسی علم کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعہ سے وجود اشیاء کی اصل حقیقت کماحقّہٗ منکشف ہو جائے اور کوئی جز وجود کی غیر مکشوف نہ رہے۔ انسان کا علم جو ناقص ہے وہ اسی وجہ سے ناقص ہے

بقیہ حاشیہ

﴿۲۲۲﴾ اہل اللہ میں نفسی نقطہ احمد مجتبیٰ و محمد مصطفیٰ نام رکھتے ہیں اور فلاسفہ کی اصطلاحات میں عقل اول کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ اور اس نُقطہ کو دوسرے وتری نقاط کی طرف وہی نسبت ہے جو اسم اعظم کو دوسرے اسماء الٰہیہ کی طرف نسبت واقعہ ہے۔ غرض سر چشمہ رموزِ غیبی و مفتاح کنوزِ لَا رَیبی اور انسان کامل دکھلانے کا آئینہ یہی نقطہ ہے اور تمام اسرار مبدء و معاد کی علت غائی اور ہر یک زیرو

﴿۲۲۳﴾ کہ کنہ اشیاء تک نہیں پہنچتا بلکہ وہ کچھ تھوڑا ہی چل کر پھر آگے چلنے سے رہ جاتا ہے مثلاً انسان ایک حجری مومیائی کو دیکھ کر اس قدر تو کہہ سکتا ہے کہ یہ مومیائی بخارات لطیفہ پتھر میں سے نکلی ہے اور پھر پتھر پر غور کر کے کہہ سکتا ہے کہ یہ پتھر بالو یعنی ریت کی دہنیت دار اجزاء سے وجود پذیر ہوا ہے اور پھر بالو کی نسبت رائے ظاہر کرسکتا ہے کہ وہ خاک کے بعض تغیرات سے پیدا ہوئی ہے لیکن اگر اس کے بعد یہ آخری سوال کیا جائے کہ خاک کہاں سے اور کیونکر پیدا ہوگئی ہے۔ اور اس کے کنہ دریافت کرنے کی کیا فلاسفی ہے تو اس سوال کے حل کرنے سے عاجز رہ جاتا ہے اور اپنے جہل اور عجز کا اقرار کرتا ہے ایسا ہی ہر یک چیز کے انتہائی سوال پر اس کو اپنی نادانی کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ اب ہم لکھتے ہیں کہ اگر پرمیشر کا بھی یہی حال ہے کہ اس کا علم بھی انسان کے علم کی طرح کسی حد پر آکر ٹھہر جاتا ہے اور اس حد مقررہ پر آکر اس کو اپنے جہل و نادانی و ناتوانی کا اقرار کرنا پڑتا ہے تو بس پھر ہندوؤں کے پرمیشر کی ساری کیفیت معلوم ہوگئی اور ثابت ہوگیا کہ ہندوؤں کا فرضی پرمیشر علاوہ اور نقصانوں کے جاہل اور عاجز بھی ہے۔ لیکن اگر اس کا علم غیر محدود اور غیر منقطع ہے اور اس درجہ کاملہ کنہ اشیاء تک پہنچا ہوا ہے جس درجہ پر کسی علم کا پہنچنا عامل ہونے کو

بقیہ حاشیہ

﴿۲۲۳﴾ بالا کی پیدائش کی لمیّت یہی ہے جس کے تصوّر بالکنہ و تصور بکنہ سے تمام عقول وافہام بشریہ عاجز ہیں اور جس طرح ہر یک حیات خدائے تعالیٰ کی حیات سے مستفاض اور ہر یک وجود اس کے وجود سے ظہور پذیر اور ہر یک تعیّن اس کے تعیّن سے خلعت پوش ہے ایسا ہی نُقطہ محمدیّہ جمیع مراتب اکوان اور خطائر امکان میں باذنہٖ تعالیٰ حسب استعدادات مختلفہ وطبائع متفاوتہ مؤثر ہے اور چونکہ یہ نقطہ جمیع مراتب الٰہیہ کا ظلّی طور پر اور جمیع مراتب کونیہ کا منبعی و اصلی طور پر جامع بلکہ انہیں دونوں کا مجموعہ ہے اس لئے یہ ہر یک مرتبہ کونیہ پر جو عقول ونفوس کُلّیہ وجزئیہ ومراتب طبعیہ

﴿۲۲۴﴾ مستلزم ہے تو خالقیت اس کی خود ثابت ہے۔

پھر بعد اس کے ماسٹر صاحب اپنی ایک اور دانائی دکھلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب کہ پرمیشر نے دنیا کا کل جوڑنا جاڑنا کیا تو کیا وہ محیط نہ ہوا۔ اے ناظرین کیا تم اب بھی نہیں سمجھ سکتے کہ ماسٹر صاحب کس قدر عالم و فاضل ہیں۔ اے صاحب اگر آپ کا پرمیشر معہ اپنے علم تام وقدرت کاملہ کے جس سے وہ کسی حالت میں الگ نہیں ہوسکتا دنیا کی چیزوں پر احاطہ تام رکھتا اور ان کی کنہ تک اس کا علم پہنچا ہوا ہوتا اور ان کے خواص کی کیفیت اور ان کی قوتوں کی اصل ماہیت انتہائی درجہ پر اس کو معلوم ہوتی تو اس کی قدرت پر یہ پتھر کیوں پڑتے کہ صرف جوڑنے جاڑنے تک محدود رہتی۔ کیا انتہائی درجہ کا علم انتہائی درجہ کے عمل کو نہیں چاہتا؟ کیا دنیا میں کبھی کسی نے دیکھا یا سنا کہ جس درجہ پر علم ہے عمل اس درجہ تک نہیں پہنچ سکتا اب واضح رہے کہ ماسٹر صاحب کے اقوال فاسدہ کا خاتمہ بدا سی قول پر ہوگیا ہے جس کو ابھی ہم رد کر چکے ہیں۔ **والحمدللّٰہ علی مانصرنا واخزی اعدائنا وظھر الحق وھم کارھون۔**

مختصر تقریر بطور خلاصہ مباحثہ

ناظرین اس رسالہ کو پڑھ کر سمجھ سکتے ہیں کہ ماسٹر مرلیدھر صاحب کا اعتراض شق القمر

بقیہ حاشیہ ﴿۲۲۴﴾ آلی آخر تنزّلات وجود سے مراد ہے اجمالی طور پر احاطہ رکھتا ہے۔ ایسا ہی ظلّ الوہیت ہونے کی وجہ سے مرتبہ الٰہیہ سے اس کو ایسی مشابہت ہے جیسے آئینہ کے عکس کو اپنے اصل سے ہوتی ہے۔ اور امہات صفات الٰہیہ یعنی حیواۃ علم ارادہ قدرت سمع بصر کلام مع اپنے جمیع فروع کے اتم واکمل طور پر اس میں انعکاس پذیر ہیں۔ اس نقطہ مرکز کو جو برزخ بین اللہ و بین الخلق ہے یعنی نفسی نُقطہ حضرت سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجرّد کلمۃ اللہ کے مفہوم تک محدود نہیں

﴿۲۲۵﴾ پر کس قدر فضول اور دور از حق ہے کیونکہ اول تو یہ اعتراض اگر فرضی طور پر صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے اور یہ قرار دیا جائے کہ اس آیت قرآنی کے دوسرے طور پر معنے ہیں تو ایسا قرار دینے سے کوئی بداثر اسلام پر نہیں پہنچ سکتا اگر کچھ اثر ہوگا تو صرف یہی کہ ہزار ہا معجزات میں سے ایک معجزہ بہ پایۂ ثبوت نہ پہنچ سکا لیکن جس حالت میں صدہا شواہد قاطعہ حقیّت اسلام پر موجود ہیں اور خود قرآن شریف اپنی ذات میں مجموعہ براہین و دلائل ہے تو پھر اگر عدم ثبوت شق القمر فرض بھی کرلیا جائے تو اس سے حرج یا نقصان کیا ہوا۔ کیا ان قرآنی معجزات کا کوئی کتاب جو الہامی کہلاتی ہے مقابلہ کرسکتی ہے جن سے ذاتی اعجاز قرآن شریف کا ثابت ہوتا ہے اور اس کے روحانی خواص بپایہ ثبوت پہنچتے ہیں۔ قرآن شریف توحید کے کامل اور پرزور بیان میں۔ اپنے اصول کو معقول اور مدلل طور پر ثابت کرنے میں۔ اخلاق فاضلہ کے تمام جزئیات کے لکھنے میں۔ اخلاق ذمیمہ کے معالجات لطیفہ میں۔ وصول الی اللہ کے تمام طریقوں کی توضیح میں۔ نجات کی سچی فلاسفی ظاہر کرنے میں۔ صفات کاملہ الٰہیہ کے اکمل واتم ذکر میں۔ مبدء ومعاد کے پُرحکمت بیان میں روح کی خاصیتوں اور قوتوں اور طاقتوں اور استعدادوں کے بیان میں حکمت بالغہ الٰہیہ کے تمام وسائل پر احاطہ کرنے میں۔ تمام اقسام

بقیہ حاشیہ

﴿۲۲۵﴾ کرسکتے جیسا کہ مسیح کو اس نام سے محدود کیا گیا ہے کیونکہ یہ نُقطہ محمدیہ ظلّی طور پر مستجمع جمیع مراتب الوہیت ہے اسی وجہ سے تمثیلی بیان میں حضرت مسیح کو ابن سے تشبیہہ دی گئی ہے بباعث اس نقصان کے جو ان میں باقی رہ گیا ہے کیونکہ حقیقت عیسویہ مظہر اتم صفاتِ الوہیت نہیں ہے بلکہ اس کی شاخوں سے ایک شاخ ہے برخلاف حقیقت محمدیہ کے کہ وہ جمیع صفات الٰہیہ کا اتم واکمل مظہر ہے جس کا ثبوت عقلی ونقلی طور پر کمال درجہ پر پہنچ گیا ہے سو اسی وجہ سے تمثیلی بیان میں ظلّی طور پر خدائے قادر وذوالجلال سے آنحضرتؐ کو آسمانی کتابوں میں تشبیہ دی گئی ہے جو

﴿۲۲۶﴾ کی صداقتوں پر مشتمل ہونے میں۔تمام مذاہب باطلہ کو عقلی طور پر رد کرنے میں۔حقوق عباد اللہ کے قائم کرنے میں۔تأثیرات وتنویرات روحانیہ میں اور پھر باایں ہمہ فصیح اور بلیغ اور رنگین عبارت میں۔اس کمال کے درجہ تک پہنچا ہوا ہے کہ ہر یک حصہ اس کے بیان کا ان بیانات میں سے درحقیقت معجزہ عظیمہ ہے جس کا مقابلہ نہ کوئی آریہ کرسکتا ہے نہ کوئی عیسائی اور نہ کوئی یہودی اور نہ کوئی اور شخص جو کسی مذہب کا پابند ہے۔اس جگہ بیدسراسر بے ثمر ہے اور توریت وانجیل سراسر بے اثر۔یہی وجہ ہے کہ کسی کتاب نے یہ دعویٰ نہیں کیا جو قرآن شریف نے کیا جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے۔ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا۔ [1] یعنی ان کو کہہ دے کہ اگر سب جن وانس اس بات پر متفق ہوجائیں کہ قرآن کی کوئی نظیر پیش کرنی چاہئے تو ممکن نہیں کہ کرسکیں اگرچہ بعض بعضوں

﴿۲۲۶﴾ **بقیہ حاشیہ** ابن کے لئے بجائے اَبْ ہے۔اور حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم کا اضافی طور پر ناقص ہونا اور قرآنی تعلیم کا سب الہامی تعلیموں سے اکمل واتم ہونا وہ بھی درحقیقت اسی بناء پر ہے کیونکہ ناقص پر ناقص فیضان ہوتا ہے اور اکمل پر اکمل۔

اور جو تشبیہات قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ظلّی طور پر خداوند قادر ومطلق سے دی گئی ہیں ان میں سے ایک یہی آیت ہے۔جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی۔فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔ [2] یعنی وہ (حضرت سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی ترقیات کاملہ قُرب کی وجہ سے دو قوسوں میں بطور وتر کے واقع ہے بلکہ اس سے نزدیک تر۔اب ظاہر ہے کہ وتر کی طرف اعلیٰ میں قوس الوہیت ہے سو جب کہ نفس پاک محمّدی اپنے شدّتِ قرب اور نہایت درجہ کی صفائی کی وجہ سے وتر کی حد سے آگے بڑھا اور دریائے الوہیت سے نزدیک تر ہوا تو اس

[1] بنی اسرائیل : ۸۹ [2] النجم ۹،۱۰

﴿۲۲۷﴾ کی مدد بھی کریں۔ اور جو کچھ قرآن شریف کے ذاتی معجزات اس جگہ ہم نے تحریر کئے ہیں۔ اگر کسی آریہ وغیرہ کو اپنے دل میں کچھ گھمنڈ یا سر میں کچھ غرور ہو اور خیال ہو کہ یہ معجزہ نہیں ہے بلکہ وید یا اس کی کوئی اور کتاب جس کو وہ الہامی سمجھتا ہے اس کا مقابلہ کر سکتی ہے تو اسے اختیار ہے کہ آزما کر دیکھ لے اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اگر کوئی مخالف ممتاز اور ذی علم لوگوں میں سے ان معجزات قرآنیہ میں سے کسی معجزہ کا انکاری ہو اور اپنی کتاب الہامی میں زور مقابلہ خیال کرتا ہو تو ہم حسب فرمائش اس کے کوئی قسم اقسام معجزات ذاتیہ قرآن شریف میں سے تحریر کر کے کوئی مستقل رسالہ شائع کر دیں گے پھر اگر اس کی الہامی کتاب قرآن شریف کا مقابلہ کر سکے تو اسے حق پہنچتا ہے کہ تمام معجزات قرآنی سے منکر ہو جائے اور جو شرط قرار دی جائے ہم سے پوری کر لے ورنہ صرف عناد اور کور باطنی

بقیہ حاشیہ

﴿۲۲۷﴾ ناپیدا کنار دریا میں جا پڑا اور الوہیت کے بحرِ اعظم میں ذرّہ بشریّت گم ہو گیا۔ اور یہ بڑھنا نہ مستحدث اور جدید طور پر بلکہ وہ ازل سے بڑھا ہوا تھا اور ظلّی اور مستعار طور پر اس بات کے لائق تھا کہ آسمانی صحیفے اور الہامی تحریریں اس کو مظہر اتم الوہیت قرار دیں اور آئینہ حق نما اس کو ٹھہراویں پھر دوسری آیت قرآن شریف کی جس میں یہی تشبیہ نہایت اصفیٰ واجلیٰ طور پر دی گئی ہے یہ ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ؕ یَدُاللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ ۚ [1] یعنی جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں۔ خدا کا ہاتھ ہے جو ان کے ہاتھوں پر ہے۔ واضح ہو کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرتے تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کیا کرتے تھے اور مردوں کے لئے یہی طریق بیعت کا ہے سو اس جگہ اللہ تعالیٰ نے بطریق مجاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو اپنی ذات اقدس ہی قرار دے دیا

[1] الفتح : ۱۱

﴿۲۲۸﴾ کی وجہ سے معجزہ شق القمر سے انکار کرنا ایسا امر نہیں ہے کہ جس سے اسلام کے ایک بال کو بھی ضرر پہنچ سکے جب معجزات موجودہ قرآنیہ کا مخالفین سے رد نہیں ہوسکتا تو موجود کو چھوڑ کر ان معجزات کی بحث چھیڑنا جواب آنکھوں کے سامنے نہیں ہیں سراسر بے راہی ہے۔ ماسوا اس کے جس قدر ہم نے مقدمہ میں قانون قدرت کی تحقیقات میں لکھا ہے اس کے پڑھنے سے ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ شق قمر کا استبعاد عقلی درحقیقت ایسا نہیں ہے جیسا کہ نادان نیم حکیم خیال کرتے ہیں ابھی تک کسی عقل نے خواص قمری و شمسی پر احاطہ نہیں کیا اور نہ یہ ثابت کیا کہ خدائے تعالیٰ ان چیزوں کو بنا کر بکلی بے تعلق ہوگیا ہے اور اب یہ چیزیں اس سے باغی ہیں بلکہ خدائے تعالیٰ کے دونوں ہاتھ محو اور اثبات کے ابدی طور پر کھلے ہیں اور اپنی بے انتہا اور ناپیدا کنار قدرتوں سے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ عدم علم سے

بقیہ حاشیہ ﴿۲۲۸﴾ اور ان کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا۔ یہ کلمہ مقام جمع میں ہے جو بوجہ نہایت قرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بولا گیا ہے اور اسی مرتبہ جمع کی طرف جو محبّت تامہ دوطرفہ پر موقوف ہے اس آیت میں بھی اشارہ ہے۔ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى [1] تو نے نہیں چلایا خدا نے ہی چلایا جب کہ تو نے چلایا ایسا ہی یہ اشارہ اس دوسری آیت میں پایا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ [2] یعنے ان کو کہہ دے کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر اسراف کیا (یعنی ارتکاب کبائر کیا) تم خدا کی رحمت سے نومید مت ہو وہ تمہارے سب گناہ بخش دے گا۔ اب ظاہر ہے کہ بنی آدم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تو بندے نہیں ہیں بلکہ سب نبی و غیر نبی خدائے تعالیٰ کے بندے ہیں لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مولیٰ کریم سے قرب اتم یعنی تیسرے درجہ کا

[1] الانفال : ۱۸ [2] الزمر : ۵۴

﴿۲۲۹﴾ عدم شے لازم نہیں آتا جس حالت میں کرۂ ارض میں خاصیت زلازل وانشقاق واتّصال پائی جاتی ہے چنانچہ بعض گذشتہ زمانوں میں صدہا میل تک زمین منشق ہوکر تہ وبالا ہوگئی ہے اوراب بھی ایسے حوادث ظہور میں آتے رہتے ہیں اوران حوادث سے اس کی گردش میں کچھ بھی فرق نہیں آتا تو پھر حوادث قمری پر کیوں تعجب کیا جائے کیا ممکن نہیں کہ اس میں حکیم مطلق نے انشقاق واتّصال کی دونوں خاصیتیں رکھی ہوں جن کا ظہور اوقات مقررہ سے وابستہ ہواور ازلی ارادہ سے وہی وقت ظہور مقرر ہو جب کہ ایک نبی سے ایسا ہی معجزہ مانگا گیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ نبی کی قوت قدسیہ کے اثر سے دیکھنے والوں کو کشفی آنکھیں عطا کی گئی ہوں اور جوانشقاق قرب قیامت میں پیش آنے والا ہے اس کی صورت ان کی آنکھوں کے سامنے لائی گئی ہو کیونکہ یہ بات محقق ہے کہ مقربین کی کشفی قوتیں اپنی شدت حدّت کی وجہ

بقیہ حاشیہ

﴿۲۲۹﴾ قرب حاصل تھا سو یہ سخن بھی مقام جمع سے سرزد ہوا اور مقام جمع قاب قوسین کا مقام ہے جس کی تفاصیل کتب تصوّف میں موجود ہے ایسا ہی اللہ تعالیٰ نے مقام جمع کے لحاظ سے کئی نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے رکھ دیئے ہیں جو خاص اس کی صفتیں ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمدؐ رکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ نہایت تعریف کیا گیا سو یہ غایت درجہ کی تعریف حقیقی طور پر خدائے تعالیٰ کی شان کے لائق ہے مگر ظلّی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو دی گئی ایسا ہی قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نور جو دنیا کو روشن کرتا ہے اور رحمت جس نے عالم کو زوال سے بچایا ہوا ہے آیا ہے اور رؤف اور رحیم جو خدائے تعالیٰ کے نام ہیں ان ناموں سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پکارے گئے ہیں اور کئی مقام قرآن شریف میں اشارات وتصریحات سے بیان ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مظہر اتمّ الوہیّت ہیں اور ان کا کلام خدا کا کلام اور ان کا ظہور خدا کا ظہور اور ان کا

﴿۲۳۰﴾ سے دوسروں پر بھی اثر ڈال دیتے ہیں اس کے نمونے ارباب مکاشفات کے قصوں میں بہت پائے جاتے ہیں بعض اکابر نے اپنے وجود کو ایک وقت اور ایک آن میں مختلف ملکوں اور مکانوں میں دکھلا دیا ہے باذن اللہ تعالیٰ اور اس جگہ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ حال کی فلسفی تحقیقاتیں شہادت دے رہی ہیں کہ شق قمر نہ صرف ایک مرتبہ بلکہ مخفی طور پر یہ انشقاق و اتصال ہمیشہ شمس وقمر میں جاری ہے کیونکہ اس زمانہ کی فلاسفی اپنی مستحکم رائے ظاہر کرتی ہے کہ شمس وقمر میں ایسی ہی آبادی حیوانات ونباتات وغیرہ ہے جیسی زمین پر ہے اور یہ امر انشقاق واتّصال قمری کو ثابت کرنے والا ہے کیونکہ یہ بات نہایت ظاہر ہے کہ جس کرہ میں حیوانات ونباتات وغیرہ پیدا ہوتے ہیں وہ اسی کرہ کا مادہ لے کر جسم پکڑتے ہیں یہ نہیں کہ کسی دوسرے کرہ سے گاڑیوں اور چھکڑوں پر وہ مادہ جاتا ہے اب جبکہ یہ ماننا پڑا کہ کرہ قمری میں جس قدر حیوانات اپنے حرکت ارادے سے چلنے والے موجود ہیں اور ہمیشہ پیدا ہوتے رہتے ہیں ان کا جسمی مادہ وہی ہے جو کسی وقت جرم قمر سے اتّصال رکھتا تھا تو اس سے یہ بھی ماننا پڑا کہ جرم قمر کو ہمیشہ انشقاق لازم ہے اور پھر ان حیوانات کے مرجانے سے انشقاق کے بعد اتّصال بھی لازم پڑا ہوا ہے تو اب اس تحقیق سے ظاہر ہے کہ اصل صورت انشقاق و اتّصال کی ہر وقت قمر میں بلکہ شمس میں بھی موجود ہے ہاں ایک

بقیہ حاشیہ ﴿۲۳۰﴾ آنا خدا کا آنا ہے چنانچہ قرآن شریف میں اس بارے میں ایک یہ آیت بھی ہے وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۔[1] کہہ حق آیا اور باطل بھاگ گیا اور باطل نے بھاگنا ہی تھا۔ حق سے مراد اس جگہ اللہ جلّ شانہٗ اور قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور باطل سے مراد شیطان اور شیطان کا گروہ اور شیطانی تعلیمیں ہیں سو دیکھو اپنے نام میں خدائے تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیونکر شامل کرلیا اور آنحضرتؐ کا ظہور فرمانا خدا تعالیٰ

[1] بنی اسرائیل : ۸۲

﴿۲۳۱﴾ بزرگؐ نمونہ اس انشقاق و اتصال کا وہ واقعہ شق قمر ہے جس کا قرآن شریف میں ذکر ہے سو جب کہ خود نمونہ کو فلسفی لوگ خود مانتے ہیں تو بزرگ سے انکار کرنے کی کیا وجہ ہے اصل بات تو فلسفیوں کے طریق پر بھی ثابت ہے کہ قمر اور شمس کی جرم میں انشقاق اور اتّصال دونوں ہوتے رہتے ہیں اسی بنا پر تو ان دونوں کرہ میں حیوانات کی آبادی تسلیم کی گئی ہے تو پھر یہ کیسا جاہلانہ سیاپا ہے کہ پرمیشر شق قمر پر قادر نہیں۔ علاوہ اس کے ہم نے تاریخی طور پر مضبوط ثبوت دے دیا ہے کہ ضرور شق القمر وقوع میں آیا۔ یہ بھی بیان کر دیا گیا کہ اگر قرآن شریف میں یہ معجزہ خلاف واقع لکھا جاتا اور خلاف واقعہ اس کی اشاعت ہوتی تو ہرگز ممکن نہ تھا کہ مخالفین جن کی نسبت گواہ رؤیت ہونے کا الزام لگایا گیا چپ رہتے۔ ہم نے اس بحث میں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ کتاب مہابھارت جس کی تالیف بیاس کی طرف منسوب کی جاتی ہے اس بات پر گواہی دیتی ہے کہ ایک زمانہ میں شق قمر ضرور ہوا تھا۔ اب ناظرین اپنی عقل و انصاف سے سوچ لیں کہ کیا یہ ثبوت جو ہم نے دیئے ہیں کچھ کم ہیں کیا تاریخی واقعات کے ثابت کرنے والے اس سے بڑھ کر ثبوت دیا کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے آریوں کے اصول و عقائد پر اعتراض کیا ہے وہ بھی ناظرین کے آگے ہے۔ وید کی یہ تعلیم کہ خدائے تعالیٰ روحوں اور مواد کا خالق نہیں

بقیہ حاشیہ

﴿۲۳۱﴾ آؐ کا ظہور فرمانا ہوا ایسا جلالی ظہور جس سے شیطان معہ اپنے تمام لشکروں کے بھاگ گیا اور اس کی تعلیمیں ذلیل اور حقیر ہوگئیں اور اس کے گروہ کو بڑی بھاری شکست آئی۔ اسی جامعیت تامہ کی وجہ سے سورۃ آل عمران جزو تیسری میں مُفصّل یہ بیان ہے کہ تمام نبیوں سے عہد و اقرار لیا گیا کہ تم پر واجب و لازم ہے کہ عظمت و جلالیّت شان خاتم الرسل پر جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ایمان لاؤ اور ان کی اس عظمت اور جلالیّت کی اشاعت کرنے میں بدل و جان مدد

﴿۲۳۲﴾ اور اس کی طرح ہر یک چیز خود بخود اور قدیم اور واجب ہے اور ہمیشہ کے لئے کسی کو نجات نہیں اس کے سب مفاسد ہم نے اس رسالہ میں بیان کر دیئے ہیں اور اس کی رد کے دلائل اپنے ہاتھ سے لکھ دیئے ہیں اور ہم ہر یک پر ظاہر کرتے ہیں کہ یہ نہایت بری تعلیم ہے کہ جو انسان کو اپنے خالق سے اصلی پیوند ہے اس کو بھی دور کرنا چاہتی ہے چہ جائیکہ اس کو دوسرے پیوند کی خوشخبری دے۔ ایسا ہی یہ لوگ وید کے بعد دنیا کے انتہا تک الہامات الٰہیہ کے منکر ہیں یہ کس قدر مفسدانہ خیال ہے۔ نبی کا وجود اس لئے ہوتا ہے کہ تا وہ اپنے ظہور سے نقطہ آخری ترقیات انسانیہ کا ظاہر کرے اور اپنے وجود سے دو طرفہ نمونہ صدق عبودیت و فضل ربوبیت قائم کر کے سالکین و مجاہدین کی کمر ہمت مضبوط کرے اور ان کو اسی انتہائی کمال تک اپنے تعطف سے پہنچانا چاہے جس پر عنایت ایزدی نے اس کو قائم کیا ہے لیکن یہ لوگ الہام کو جو کمالیت کی حقیقی علامت ہے ویدوں تک محدود رکھتے ہیں اور اگر کوئی آریہ ہمارے اس تمام رسالہ کو پڑھ کر پھر بھی اپنی ضد کو چھوڑنا نہ چاہے اور اپنے کفریات سے باز نہ آوے تو ہم خدائے تعالیٰ کی طرف سے اشارہ پا کر اس کو مباہلہ کی طرف

بقیہ حاشیہ ﴿۲۳۲﴾ کرو۔ اسی وجہ سے حضرت آدم صفی اللہ سے لے کر تا حضرت مسیح کلمۃ اللہ جس قدر نبی و رسول گزرے ہیں وہ سب کے سب عظمت و جلالیّت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار کرتے آئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توریت میں یہ بات کہہ کر کہ خدا سینا سے آیا اور سعیر سے طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑ سے ان پر چمکا صاف جتلا دیا کہ جلالیّت الٰہی کا ظہور فاران پر آ کر اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ اور آفتاب صداقت کی پوری پوری شعاعیں فاران پر ہی آخر ظہور پذیر ہوئیں اور وہی توریت ہم کو یہ بتلاتی ہے کہ فاران مکہ معظّمہ کا پہاڑ ہے جس میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جدّ امجد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سکونت پذیر ہوئے۔

﴿۲۳۳﴾ بلاتے ہیں۔ مذہب کی جڑھ خداشناسی اور معرفت نعماء الٰہی ہے اور اس کی شاخیں اعمال صالحہ اور اس کے پھول اخلاق فاضلہ ہیں اور اُس کا پھل برکات روحانیہ اور نہایت لطیف محبت ہے جو ربّ اور اس کے بندہ میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اُس پھل سے متمتع ہونا روحانی تقدس و پاکیزگی کا مثمر ہے۔

ترکِ خوبی مے کناند خوبتر عشق را درماں بود عشق دگر
شیر باشیرے نماید زورتن می تواں آہن بآہن کوفتن
گرغریق اندر نجاست ہا ست تن رو بدریائے در آر و غوطہ زن

کمالیت محبت کمالیت معرفت سے پیدا ہوتی ہے اور عشقِ الٰہی بقدر معرفت جوش مارتا ہے اور جب محبت ذاتیہ پیدا ہو جاتی ہے تو وہی دن نئی پیدائش کا پہلا دن ہوتا ہے اور وہی ساعت نئے عالم کی پہلی ساعت ہوتی ہے لیکن وید خداشناسی کے بارے میں نہایت درجہ کا ناقص اور رہزن ہے اور نعماء الٰہی کے بیان کرنے میں بغایت درجہ قاصر ہے کیونکہ وہ خدائے تعالیٰ کے اصل رحم اور فضل سے بکلّی منکر ہے اور بجز ثمرۂ اعمال

بقیہ حاشیہ

﴿۲۳۳﴾ اور یہی بات جغرافیہ کے نقشوں سے بپایۂ ثبوت پہنچتی ہے اور ہمارے مخالف بھی جانتے ہیں کہ مکہ معظّمہ میں سے بجز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی رسول نہیں اٹھا سو دیکھو حضرت موسیٰ سے کیسی صاف صاف شہادت دی گئی ہے کہ وہ آفتاب صداقت جو فاران کے پہاڑ سے ظہور پذیر ہوگا اس کی شعاعیں سب سے زیادہ تیز ہیں اور سلسلہ ترقیات نور صداقت اس کی ذات جامع برکات پر ختم ہے۔

اِسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالیّت وعظمت کا اقرار کر کے زبور پینتالیس میں یوں بیان کیا ہے (۲) تو حسن میں بنی آدم سے کہیں زیادہ ہے۔ تیرے لبوں میں نعمت بتائی گئی ہے اسی لئے خدا نے

﴿۲۳۴﴾ اُس کی کسی نعمت و رحمت کا قائل نہیں یاں تک کہ چاند اور سورج اور زمین وغیرہ اجزاء ضروریہ اولیہ عالم کی وید کے رو سے خدا تعالیٰ کی ذاتی واصلی رحمت نہیں بلکہ یہ بھی کسی آریہ کے نیک عمل کی وجہ سے ہر یک نئی دنیا میں خواہ نخواہ پرمیشر کو پیدا کرنی پڑتی ہیں غرض وید کے رو سے پرمیشر میں اپنی ذاتی رحمت کا نام ونشان نہیں جو کچھ آسمان و زمین میں نظر آتا ہے وہ آریوں کے نیک عملوں کی وجہ سے پیدا ہوگیا مگر پرمیشر کی اس میں بڑی بھاری غلطی یہ ہے کہ وہ زمین اور چاند وسورج وغیرہ کو پیدا تو کرے صرف آریوں کے نیک عملوں کی وجہ سے اور پھر دوسرے ملکوں کے لوگوں کو بھی اس ہندوؤں کے حق خاص میں شریک کردے کیسا ظلم ہے؟ ایسا ہی وید نے اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کے بیان سے فراغت کررکھی ہے آریہ لوگوں کے شتر بے مہار رہنے کی یہی وجہ ہے کہ عبودیت اور پرستش کے

﴿۲۳۴﴾ **بقیہ حاشیہ** تجھ کو ابد تک مبارک کیا (۳) اے پہلوان تو جاہ وجلال سے اپنی تلوار حمائل کر کے اپنی ران پر لٹکا (۴) امانت اور حلم اور عدالت پر اپنی بزرگواری اور اقبال مندی سے سوار ہو کہ تیرا داہنا ہاتھ تجھے ہیبت ناک کام دکھائے گا (۵) بادشاہ کے دلوں میں تیرے تیر تیزی کرتے ہیں لوگ تیرے سامنے گر جاتے ہیں (۶) اے خدا تیرا تخت ابدالآباد ہے (یہ فقرہ اسی مقام جمع سے ہے جو قرآن شریف میں کئی مقام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بولا گیا ہے) تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے (۷) تو نے صدق سے دوستی اور شر سے دشمنی کی اسی لئے خدا نے جو تیرا خدا ہے خوشی کے روغن سے تیرے مصاحبوں سے زیادہ تر تجھے معطر کیا۔ بادشاہوں کی بیٹیاں تیری عزّت والی عورتوں میں ہیں۔

اسی طرح حضرت یسعیا نبی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالیّت و عظمت ومظہر تام الوہیت ہونے کے بارے میں اپنے صحیفہ کے باب بیالیس میں بطور

﴿۲۳۵﴾ پاک طریقے اور تزکیہ نفس کی خالص تدبیریں وید میں ہرگز نہیں ہیں پرستش کی جڑھ تلاوت کلام الٰہی ہے کیونکہ محبوب کا کلام اگر پڑھا جائے یا سنا جائے تو ضرور سچے محبّ کے لئے محبت انگیز ہوتا ہے اور شورش عشق پیدا کرتا ہے۔ مگر آریہ لوگ اس سے کوسوں دور ہیں۔ اگر وید کو پڑھیں تو انہیں اس کی حقیقت بھی معلوم ہو۔ اب تو ان کی پرستش یہی ہے کہ وہ ناحق گھی وغیرہ چیزوں کو ہوم کے خیال سے آگ پر برباد کرتے ہیں اگر یہ چیزیں کسی کو کھانے کو دے دیں تب بھی کچھ بات ہو۔ برکات روحانیہ ومحبت دوطرفہ کا تو کیا ذکر کریں اس نعمت سے متمتع ہونا تو وید کے رشیوں کی نسبت بھی ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ وہ کون تھے کیا نام تھا کس شہر میں رہا کرتے تھے اور کس عمر میں الہام پایا تھا اور ان کے ملہم ہونے کے کیا کیا ثبوت ہیں۔ یہ جو سنایا جاتا ہے کہ ان کا نام اگنی ووایو یعنے

بقیہ حاشیہ

﴿۲۳۵﴾ پیشگوئی وحی پاکر یوں بیان کیا ہے۔ دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالوں گا میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے۔ میں نے اپنی روح اس پر رکھی وہ قوموں پر راستی ظاہر کرے گا۔ وہ نہ گھٹے گا اور نہ تھکے گا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے۔ بیابان اور اس کی بستیاں کیدار (یعنی عرب) کے آباد دیہات (جس سے مکہ معظّمہ وغیرہ مراد ہیں) اپنی آواز بلند کریں۔ خداوند ایک بہادر کی مانند نکلے گا (خداوند سے مراد ظلّی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ وہ مظہر اتم الوہیت اور درجہ سوم قُرب پر ہیں جیسا کہ کئی دفعہ ہم بیان کر چکے ہیں) وہ اپنے تئیں اپنے دشمنوں پر قوی دکھلائے گا۔ قدیم سے میں خاموش رہا ہوں اور ستایا اور آپ کو روکے گیا پر اب میں اس عورت کی طرح جو دردِ زہ میں ہو چلّاؤں گا میں پہاڑوں اور ٹیلوں کو ویران کر ڈالوں گا۔ اور اندھوں کو اس راہ سے جسے وے نہیں جانتے لے جاؤں گا۔

﴿۲۳۶﴾ آگ وہوا وغیرہ تھا یہ سب بناوٹی باتیں ہیں جیسا کہ منشی اندرمن صاحب مراد آبادی بھی اپنے رسالہ آریو پرکاش میں اس کے قائل ہیں۔ ہندوؤں کو آگ وغیرہ اپنے دیوتاؤں سے بہت پیارا رہا ہے اور رگوید کی پہلی شرتی اگنی سے ہی شروع ہوتی ہے سو جن چیزوں سے وہ پیار کرتے تھے انہیں چیزوں پر ویدوں کا نازل ہونا تھاپ دیا ورنہ ویدوں میں تو کہیں نہیں لکھا کہ حقیقت میں ایسے چار آدمی کسی ابتدائی زمانہ میں گزرے ہیں اور انہیں پر وید نازل ہوئے ہیں اور اگر لکھا ہے تو پھر آریوں پر واجب ہے کہ ویدوں کے رو سے ان کا ملہم ہونا اور ان کا سوانح عمری کسی رسالہ میں چھپوا دیں۔ آریوں کا یہ اعتقادی مسئلہ ہے کہ ابتدائے دنیا میں نہ صرف ایک دو آدمی بلکہ کروڑہا آدمی مختلف ملکوں میں مینڈکوں کی طرح زمین کے بخار سے پیدا ہو گئے تھے ان میں سے آریہ دیس کے چار رشی ملہم اور باقی سب مخلوقات الہام سے بے نصیب اور ان ملہموں کے حوالے کر دی گئی تھی۔ اس

بقیہ حاشیہ ﴿۲۳۶﴾ ایسا ہی یوحنا نبی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالیّت وعظمت ظاہر کرنے کے لئے بطور پیشگوئی گواہی دی جو انجیل متی باب سوم میں اس طرح پر درج ہے۔ (۱۱) میں تو تمہیں توبہ کے لئے پانی سے بپتسما دیتا ہوں لیکن وہ جو میرے بعد آتا ہے مجھ سے قوی تر ہے کہ میں اس کی جوتیاں اٹھانے کے لائق نہیں وہ تمہیں روح قُدس اور آگ سے بپتسما دے گا۔ اس پیشگوئی پر محض نادانی کی راہ سے عیسائی لوگ خصومت کرتے ہیں کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں ہے مگر یہ دعویٰ سراسر باطل و بے بنیاد ہے اوّل تو حضرت مسیح حضرت یوحنا کے ہم عصر تھے نہ کہ بعد میں آنے والے یا بعد میں ابنیّت کا منصب پانے والے۔ ماسوا اس کے ہر یک شخص آزما سکتا ہے کہ دائمی طور پر سچے طالبوں کو روح قُدس اور آتش محبت سے بپتسما دینے والا آسمان کے نیچے صرف ایک ہی ہے یعنی جناب سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جس کے جلالِ تام کا حضرت مسیح اپنی پیش گوئیوں

﴿۲۳۷﴾ صورتؔ میں ضرور لازم آتا ہے کہ اپنے ملہوں کی تمیز و شناخت کیلئے پرمیشر نے ان رشیوں کو کوئی ایسے نشان دیئے ہوں جن سے دوسرے لوگ جو اسی زمانہ میں پیدا ہوئے تھے ان کو شناخت کرسکیں اور اگر ایسے نشان دیئے تھے تو وید میں سے ثابت کرنی چاہیئے اور یقیناً سمجھنا چاہیئے کہ یہ بھی نری لاف ہے کہ وید کے رشی تمام ممالک کی اصلاح کیلئے مامور ہوئے تھے اگر ایسا ہوتا تو وید میں ضرور یہ لکھا ہوتا کہ کبھی وہ رشی اپنی چار دیوار آریہ دیس سے نکل کر کسی دور دراز ملک میں وعظ کرنے کیلئے گئے تھے وید میں امریکہ کا کہاں ذکر ہے افریقہ کا نشان کہاں پایا جاتا ہے یوروپ کے مختلف ملکوں اور حصوں سے وید کو کب خبر ہے بلکہ ایشیائی ملکوں کی اطلاع سے بھی وید غافل ہے اور اس کے پڑھنے سے جابجا صاف معلوم ہوتا ہے کہ پرمیشر کی ہمگی تمامی جائیداد ہندوستان یعنی

بقیہ حاشیہ ﴿۲۳۷﴾ میںؔ آپ اقرار کرتے ہیں اور اسی روح کے بپتسما کی طرف اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اشارہ بھی فرمایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ [1] یعنی خدائے تعالیٰ مومنوں کو روح قدس سے تائید کرتا ہے اور پھر فرماتا ہے۔ صِبْغَۃَ اللّٰہِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً [2] یعنی یہ خدا کا بپتسما ہے اور کون سا بپتسما اس سے بڑھ کر خوبصورت ہے۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو قوم روح القُدس سے کسی وقت تائید دی گئی ہے وہ اب بھی دی جاتی ہے کیونکہ اب بھی وہی خدا ہے جو پہلے تھا اور قوم بھی وہی ہے جو پہلے تھی سو اگر حضرات عیسائیوں کو اس بات میں کچھ شک ہو کہ اس پیشگوئی کا مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں حضرت مسیح نہیں ہیں تو نہایت صاف اور سہل طریق فیصلہ کرنے کا یہ ہے کہ چالیس دن تک کوئی ایسے پادری صاحب جو اپنی قوم میں نہایت بزرگ اور روح قدس کا بپتسما

[1] المجادلة : ۲۳ [2] البقرة : ۱۳۹

﴿۲۳۸﴾ آریہ دیس ہی ہے بھلا اگر ہم ان تمام باتوں میں سچے نہیں ہیں تو ویدوں کے رو سے یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ کسی وید کے رشیوں نے آریہ دیس سے باہر قدم رکھ کر اور ویدوں کو اپنی بغل میں لے کر غیر ممالک کا بھی سفر کیا تھا یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوسکتی پنڈت دیانند بھی ثابت نہ کرسکا اب عجیب طور پر وید کے پرمیشر کا ظلم ثابت ہوتا ہے کہ ایک طرف تو وید صاف اقراری ہے کہ دنیا کی ابتدا میں متفرق طور پر متفرق ممالک میں نوع انسان زمین سے پیدا ہوگئے تھے اور ان سب کی اصلاح کے لئے وید آئے تھے اور پھر دوسری طرف یہ عجیب وید کچھ ثبوت ہاتھ میں نہیں پکڑاتا کہ کب اور کس وقت ویدوں کے رشی دوسرے ملکوں میں سمجھانے کے لئے گئے تھے یا اپنے خط بھیجے تھے یا پیغام پہنچانے سے شرط تبلیغ پوری کی تھی یا وید میں وصیّت کر گئے تھے کہ فلاں فلاں ملک اور بھی ہیں ان میں

بقیہ حاشیہ

﴿۲۳۸﴾ پائے کے لائق خیال کئے جاتے ہیں اور ان کی بزرگواری اور خدارسیدہ ہونے پر اکثر عیسائیوں کو اتّفاق ہو وہ اس امر کی آزمائش ومقابلہ کے لئے کہ روح قدس کی تائیدات سے کون سی قوم عیسائیوں اور مسلمانوں میں سے فیض یاب ہے کم سے کم چالیس دن تک اس عاجز کی رفاقت اور مصاحبت اختیار کریں پھر اگر کسی کرشمہ روح القدس کے دکھلانے میں وہ غالب آجائیں تو ہم اقرار کرلیں گے کہ یہ پیش گوئی حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں ہے اور نہ صرف اقرار بلکہ اس کو چند اخباروں میں چھپوا بھی دیں گے لیکن اگر ہم غالب آگئے تو پادری صاحب کو بھی ایسا ہی اقرار کرنا پڑے گا اور چند اخباروں میں چھپوا بھی دینا ہوگا کہ وہ پیشگوئی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نکلی مسیح کو اس سے کچھ علاقہ نہیں بلکہ اس تصفیہ کے لئے ہماری صحبت میں بھی رہنا کچھ ضروری نہیں۔ یہ عاجز عنقریب اس رسالہ کے بعد رسالہ سراج منیر کو انشاء اللہ القدیر چھپوانے والا ہے

﴿۲۳۹﴾ جاؤ اور وید کی تعلیم کو ان ملکوں میں پھیلاؤ سو جب کہ ثابت ہے کہ ویدوں نے دوسرے ملکوں سے کبھی کچھ غرض نہیں رکھی سو اس سے آریوں کی زبان درازی کا اندازہ کر لینا چاہیئے کہ وہ وید کے چار نامعلوم رشیوں کے مقابل خدائے تعالیٰ کے ہزارہا پاک نبیوں کو جو مختلف ممالک میں ہوئے ہیں جن کی روشنی زمین پر آفتاب کی شعاع کی طرح پھیل گئی مکّار

بقیہ حاشیہ

﴿۲۳۹﴾ وہ سب مضمون روح القدس کی تائید سے ہی بہم پہنچا ہے سو اب کوئی ایسا عیسائی جو قوم میں بزرگ وار اور واقعی نیک بخت ہو اس کا مقابلہ کر کے دکھاوے ورنہ کون دانا ہے جو بے امتحان ان کی روح القُدس کے بپتسما کا قائل ہوگا۔

چوں گمانے کنم اینجا مددِ روح قُدس کہ مرادر دلِ شاں دیو نظرمے آید
ایں مدد ہاست در اسلام چہ خورشید عیان کہ بہر عصر مسیحائی دِگرمے آید

اب ہم پھر اصل کلام کی طرف رجوع کر کے کہتے ہیں کہ شانِ جلیل و عظیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو مظہر اتم الوہیت ہے جیسے تمام نبی ابتدا سے بیان کرتے آئے ہیں ایسا ہی حضرت مسیح علیہ السلام نے اس شانِ عالی کا اقرار کیا ہے یہ اقرار جابجا انجیلوں میں موجود ہے بلکہ اسی اقرار کے ضمن میں حضرت مسیح علیہ السلام اقرار کرتے ہیں کہ میری تعلیم ناقص ہے کیونکہ ہنوز لوگوں کو کامل تعلیم کی برداشت نہیں مگر وہ روح راستی جو نقصان سے خالی ہے (یعنی سیّدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس کا قرآن شریف میں بھی نام حق آیا ہے) وہ کامل تعلیم لائے گا اور لوگوں کو نئی باتوں کی خبر دے گا۔ انجیل برنباس میں تو صریح نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو محمد ہے درج ہے اور اس کے ٹالنے کے لئے یہ ناکارہ عُذر پیش کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے کسی زمانہ میں یہ نام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کتاب برنباس میں درج کر دیا ہوگا یا خود کتاب تالیف کر دی ہوگی گویا مسلمان لوگ کسی رات کو

﴿۲۴۰﴾ اور فریبی اور ٹھگ کے نام سے موسوم کرتے ہیں ان میں سے کوئی بھلا مانس یہ خیال نہیں کرتا کہ اول تو حکمت اور رحمت عامہ خدائے تعالیٰ سے یہ بہت بعید ہے کہ قدیم سے اور ازل سے ابد تک ایک خاص اور محدود جگہ سے بے وجہ تعلق پیدا کر کے ہزارہا ممالک وسیعہ کو اپنے الہام اور کلام سے اور براہ راست فیض یاب ہونے سے ہمیشہ کے لئے محروم رکھے ماسوا اس کے

بقیہ حاشیہ

﴿۲۴۰﴾ اتفاق کر کے مسیحی کتب خانوں میں جا گھُسے اور اپنی طرف سے بربناس کی انجیلوں میں جابجا محمدؐ نبی نام درج کر دیا یا خود یونانی یا عبرانی زبانوں میں اپنی طرف سے انجیل برنباس بنا کر اور کئی ہزار نسخے اس کے لکھ کر پوشیدہ طور پر جبکہ عیسائی سوتے تھے وہ کتابیں ان کے کتب خانوں میں رکھ آئے لیکن ایک انگریز فاضل عیسائی جس نے کچھ تھوڑا عرصہ ہوا قرآن شریف کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے اس نے اپنے دیباچہ میں اس تقریب کے بیان میں کہ انجیل برنباس میں پیش گوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں موجود ہے یہ قصّہ تحریر کیا ہے کہ برنباس کی انجیل پوپ پنجم کے کتب خانہ میں تھی اور ایک راہب جو اس پوپ کا دوست تھا اور مدّت سے اس انجیل کی تلاش میں تھا۔ وہ پوپ کی الماری میں جبکہ پوپ سویا ہوا تھا اس انجیل کو پا کر بہت خوش ہوا اور کہا کہ یہ میری وہ مراد ہے جو مدت کے بعد پوری ہوئی اور اس انجیل کو اپنے دوست پوپ کی اجازت سے لے گیا اور نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھلا کھلا انجیل میں لکھا ہوا دیکھ کر مسلمان ہو گیا پس اس فاضل انگریز ☆ کی اس تحریر سے جو ہمارے پاس موجود ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ یہ کتاب پوپوں کے کتب خانوں میں چاروں انجیلوں میں شامل کر کے عزّت کے ساتھ رکھی جاتی تھی تب ہی تو ایسے ایسے بزرگ اور فاضل راہب اس انجیل کو پڑھ کر مسلمان

☆ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

حاشیہ در حاشیہ متعلق صفحہ ۲۴۰ سرمہ چشم آریہ

﴿۱﴾ اس انگریز کا نام جارج سیل صاحب ہے جو اکابر علماء عیسائیوں سے ہے ان کا ترجمہ قرآن شریف جو ان کی طرف سے شائع ہوکر مطبع لنڈن فریڈرک وارن اینڈ کمپنی میں چھپا ہے اس کے پہلے دیباچہ میں مؤلف موصوف نے یہ عجیب تذکرہ کہ ایک بزرگ راہب انجیل برنباس پڑھ کر اور اس میں پیشگوئی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کھلے کھلے طور پر پا کر مسلمان ہوگیا تھا اس طور سے (جو نیچے لکھا جاتا ہے) بیان کیا ہے۔

فرامیرینو جو ایک عیسائی مانک یعنی ایک بزرگ راہب تھا وہ بیان کرتا ہے کہ اتفاقیہ مجھ کو ایک تحریر آبرنس صاحب کی (جو ایک فاضل مسیحیوں سے ہے) منجملہ اس کی اور تحریروں کے جن میں وہ پولوس کے برخلاف ہے نظر سے گزری اس تحریر میں آبرنس صاحب (جو پولوس عیسائی کے مخالف ہیں) اپنے بیان کی صداقت کی بابت انجیل برنباس کا حوالہ دیتے ہیں۔ تب میں اس بات کا نہایت شائق ہوا کہ انجیل برنباس کو میں بھی دیکھوں اور اتفاقاً تقریب یہ نکل آئی کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم نے پوپ پنجم کا مجھ سے اتحاد و دوستانہ کرادیا۔ ایک روز جبکہ پوپ موصوف کے کتب خانہ میں ہم دونوں اکٹھے تھے اور پوپ صاحب سوگئے تھے میں نے دل بہلانے کو ان کی کتابوں کا ملاحظہ کرنا شروع کیا سو سب سے پہلے جس کتاب پر میرا ہاتھ پڑا وہ وہی انجیل برنباس تھی جس کا میں متلاشی تھا۔ اس کے مل جانے سے مجھے نہایت درجہ کی خوشی پہنچی اور میں نے یہ نہ چاہا کہ ایسی نعمت کو آستین کے نیچے چھپا رکھوں۔ تب میں پوپ صاحب کے جاگنے پر ان سے رخصت ہوکر وہ آسمانی خزانہ اپنے ساتھ لے گیا جس کے پڑھنے سے مجھے دین اسلام نصیب ہوا۔ دیکھو صفحہ دہم سطر چہارم ترجمہ قرآن شریف جارج سیل صاحب۔

﴿ب﴾

حاشیہ در حاشیہ متعلق صفحہ ۲۴۰ سرمہ چشم آریہ

پھر صفحہ ۵۸ سطر ۲۴۔ اسی ترجمہ میں جارج سیل صاحب اپنے عیسائی تعصب کے جوش سے یہ بے دلیل اور مہمل رائے لکھتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ انجیل برنباس میں لفظ پیری قلیط (جس کا ترجمہ محمدؐ ہے) مسلمانوں نے داخل کر دیا ہوگا مگر یقین کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب اصلی جعل مسلمانوں کا نہیں۔ یعنی مسلمانوں نے اس میں صرف اس قدر جعل کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی پیش گوئی بتصریح نام اس میں لکھ دی ہے اور جعل یہ اس لئے ٹھہرا کر یہ پیشگوئی صریح صریح اس میں موجود ہے جس کا ماننا حضرات عیسائیوں کو کسی طور سے منظور ہی نہیں اور لُطف یہ کہ آپ ہی اقراری ہیں کہ اس پیش گوئی کو پڑھ کر بڑے بڑے نیک بخت اور فاضل راہب مسلمان ہوتے رہے ہیں **فتدبر۔ منہ**۔

==========

﴿۲۴۱﴾ یہ کس قدر سخت ظلم ہے کہ اس عجیب العقل پرمیشر نے تمام ہدایتوں کو وید میں محدود رکھ کر اور اپنے کلام اور الہام کو وید پر ختم کر کے پھر منہ کھول کر ان رشیوں کو یہ ہدایت نہ دی کہ دنیا میں میرے اور بندے بھی ہیں جن میں کوئی اور نبی میری طرف سے پیدا نہیں ہوسکتا کیونکہ خاص تم چاروں سے ہی ہمیشہ کے لئے میرا یارانہ ہے۔ سو تم ان ملکوں میں

بقیہ حاشیہ

﴿۲۴۱﴾ ہوتے تھے۔ پادری صاحبوں نے مدت تک اپنی کتابوں میں جو ہندوستان میں آ کر اردو میں تالیف کیں اس انجیل کا کسی کتاب میں تذکرہ نہیں کیا اور مسلمانوں اور ہندوؤں میں سے ایسے لوگ بہت کم ہوں گے جن کو یہ معلوم ہو گا کہ عیسائیوں کے پاس ان چار انجیلوں کے علاوہ پانچویں انجیل بھی ہے جس کو پڑھ کر بڑے بڑے فاضل اور خدا ترس راہب مسلمان ہوتے رہے ہیں لیکن اب پادری صاحبوں نے اس قدر اپنے مُنہ سے اقرار کرنا شروع کر دیا ہے کہ محمد صاحب کا نام ہماری انجیل برنباس میں لکھا ہوا تو ضرور ہے مگر خیال کیا جاتا ہے کہ کسی مسلمان نے لکھ دیا ہوگا چنانچہ پادری **ٹھاکرداس** نے بھی اپنی اظہارِ عیسوی کے صفحہ ۳۳۲ میں کسی قدر عبارت انجیل برنباس کی جس میں نام آں حضرت صلی اللہ یعنی محمدؐ رسول اللہ ایک پیش گوئی حضرت مسیح میں لکھا ہوا ہے نقل کر کے آخر میں یہی ناکارہ اور فضول عُذر پیش کر دیا ہے کہ یہ یا تو کسی عیسائی کا اور یا کسی مسلمان کا جعل ہے لیکن اب تک عیسائی لوگ مسلمانوں کے ان سوالات کے مدیون ہیں کہ وہ جعل کس مسلمان نے کیا اور کب کیا اور کس کس کے رُوبرُو کیا اور کیوں وہ جعلی کتابیں پوپوں کے متبرک کتب خانوں میں الہامی کتابوں کے ساتھ بعزّت تمام تر رکھی گئیں اور کیوں بڑے بڑے راہب اور فاضل پادری ان کتابوں کو پڑھ کر اور فی الحقیقت

﴿۲۴۲﴾ بھی جاؤ اور وید کو ساتھ لے جاؤ سو نہ تو اس پرمیشر نے اپنے رشیوں کو یہ ہدایت دی اور نہ دوسرے ملکوں پر کبھی مستقل طور پر رحمت کی۔ ہزاروں اور لاکھوں ان میں مکّار اور فریبی تو آئے مگر صادق منجانب اللہ ملہم ہو کر ایک بھی نہ آیا۔ کیا یہ ایسا خیال ہے کہ کسی راست باز کا نور قلب اس کو قبول کر سکتا ہے؟ کیا خدائے تعالیٰ جو رب العالمین ہے اس کی یہی

﴿۲۴۲﴾ **بقیہ حاشیہ** سچ سمجھ کر دین اسلام قبول کرتے رہے۔ اگر در خانہ کس است حرفے بس است۔

ایک بڑی پیش گوئی حضرت مسیح علیہ السلام کی جو انجیل متی باب ۲۱ میں لکھی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالیّت تامہ اور مظہر تام الوہیت ہونے میں ان لوگوں کے لئے بڑا قوی ثبوت ہے جو ذرہ آنکھیں کھول کر اس پیشگوئی کو پڑھیں کیونکہ اس پیشگوئی میں جو آیت ۳۳ سے شروع ہوتی ہے ان تینوں قسموں کے قرب کی خوب ہی تصریح کی گئی ہے جن کا ثابت کرنا اس حاشیہ کا اصلی مدعا ہے۔ سو حضرت مسیح علیہ السلام نے ان نبیوں کو جو شریعت موسوی کی حمایت کے لئے ان سے پہلے آئے تمثیلی طور پر قرب کے درجہ میں بطور نوکروں کے بیان کیا ہے جو پہلا درجہ ہے۔ اور پھر اپنے لئے قرب کے دوئم درجہ کا اشارہ کر کے بیٹے کے لفظ سے اپنے اس مقام قرب کو ظاہر فرمایا ہے اور پھر تیسرا درجہ قرب کا جو مظہر اتم الوہیت ہے وہ شخص قرار دیا جو بیٹے کے مارے جانے کے بعد آئے گا جو باغ کا مالک اور نوکروں کا آقا اور اس بیٹے کا باپ مجازی طور پر ہے ☆

☆ **حاشیہ در حاشیہ** بعض آثار میں آیا ہے کہ حضرت مریم صدیقہ والدہ حضرت مسیح علیہ السلام عالم آخرت میں زوجہ مطہرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوگی یہ قول غالباً اسی مناسبت بیٹے اور باپ سے پیدا ہوا ہے کہ جب عالم تمثیل میں حضرت مسیح آنحضرتؐ کے بطور بیٹے کے ٹھہرے تو ان کی والدہ بطور زوجہ کے ہوئی۔ منہ۔

﴿۲۴۳﴾ سیرت وصفت ہونی چاہیئے ؟ دیکھو اس کے مقابل پر کیا ہی سچا اور پُر صداقت وانصاف قول ہے جو قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ [1] یعنی کوئی ملک آباد نہیں جس میں پیغمبر اور مصلح نہیں گزرا۔ اور نیز فرماتا ہے اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا [2] یعنی عادت اللہ قدیم سے یہی جاری ہے کہ جب زمین مرجاتی

بقیہ حاشیہ

﴿۲۴۳﴾ یہ بات نہایت صاف طور پر ظاہر ہے کہ جس طرح نوکروں کے آنے اور بیٹے کے آنے سے مراد وہ نبی تھے۔ جو وقتاً فوقتاً آتے گئے اسی طرح اس تمثیل میں مالک باغ کے آنے سے بھی مراد ایک بڑا نبی ہے جو نوکروں اور بیٹے سے بڑھ کر ہے جس پر تیسرا درجہ قرب کا ختم ہوتا ہے وہ کون ہے؟ وہی نبی ہے جس کا اسی انجیل متی میں فارقلیط کے لفظ سے وعدہ دیا گیا ہے اور جس کا صاف اور صریح نام محمدؐ رسول اللہ انجیل برنباس میں موجود ہے، یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ مسیح جیسا ایک نبی قرب کے تینوں درجوں کے بیان کرنے میں صرف دو ٹکڑے اس میں سے بیان کرکے رہ جائے اور تیسرے ٹکڑہ کے مصداق کی طرف کچھ بھی اشارہ نہ کرے۔ بے شک ہر یک عاقل اس پیشگوئی پر غور کرکے بہ یقین کامل سمجھ لے گا کہ یہ تین تمثیلیں تینوں قسم کے نبیوں کی طرف اشارات ہیں اور خود تین قسم کا قرب ایک ایسی ضروری اور شان دار صداقت ہے کہ بجز اس خاص شخص کے جس کی عقل کو طوفان تعصّب بکلّی تحت الثرا میں لے گیا ہو ہر یک فرقہ اور قوم کا آدمی معارف یقینیہ سے سمجھتا ہے۔

اور یہ بات کہ کیونکر اور کس طرح معلوم ہوا کہ انسان کامل جو سب کاملین سے اکمل اور مظہر اتم مراتب الوہیت اور حقیقی طور پر درجہ سوم قرب سے ممتاز ہے وہ درحقیقت تمام بنی آدم میں سے ایک ہی ہے جو حضرت سیّدنا ومولانا محمد صلی اللہ

[1] فاطر : ۲۵ [2] الحدید : ۱۸

﴿۲۴۴﴾ ہے تو اسے نئے سرے زندہ کرتا ہے یہ نہیں کہ ایک ہی بارش پر ہمیشہ کے لئے کفایت کرے۔ خیال کرنا چاہیئے کہ یہ کیسی اعلیٰ درجہ کی صداقت ہے جو الہامات تازہ بتازہ کا کبھی دروازہ بند نہیں ہوتا لیکن وید کے رو سے تو کروڑہا برس ہوئے کہ وہ بند ہو گیا اور اب اس کے پرانے کاغذات پنڈتوں کے چرکیں اور پرآلائش بستوں میں دبے پڑے ہیں

بقیہ حاشیہ

﴿۲۴۴﴾ علیہ وسلم ہیں اور باقی سب رسل وغیر رسل اس سے مراتب میں کم ہیں ہاں بعض طبائع ظلّی طور پر حسب اندازہ دائرہ استعداد اپنے کے اس کمال کو پاتے ہیں۔ مگر حقیقی واتم واکمل واشد واجلی واصفی وارفع واعلیٰ طور پر کمال مرتبہ ثالثہ اسی کو حاصل ہے اس سوال کے جواب میں ہم پہلے بھی کسی قدر تحریر کر آئے ہیں کہ وجدان صحیح اور دلائل معقولہ اس بات کو چاہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ جو واحد لاشریک ہے اور وحدت کو دوست رکھتا ہے وہ مصدر وحدت ہو یعنی اس کا طرز پیدائش متفرق اور پریشان طور پر نہ ہو بلکہ اس نے مخلوقات کے تمام افراد کو ایک احسن انتظام وحدت سے ظہور پذیر کیا ہو اور اسی پر ہمارا ذاتی مشاہدہ بھی شہادت دے رہا ہے جب ہم چھوٹے چھوٹے کیڑوں سے لے کر انسان تک نظر پہنچاتے ہیں یا ہم ایک ایسے آدمی سے جس کی علمی وعملی قوتیں نہایت ہی ضعیف یا پُرظلمت ہیں ایک اعلیٰ درجہ کی فطرت پر نگاہ ڈالتے ہیں تو تمام سلسلہ مخلوقات کا ہمیں یوں نظر آتا ہے کہ گویا وہ ایک خط مستقیم عمودی ہے جس کی ایک طرف ارتفاع اور دوسری طرف انخفاض ہے۔ سو ہمیں اس خط پر نظر ڈالنے سے بناچاری ماننا پڑتا ہے کہ یہ سلسلہ مخلوقات ادنیٰ مخلوق سے لے کر ایک اعلیٰ مخلوق تک پہنچتا ہے اور ایسی عمدہ ترتیب سے یہ سلسلہ اوپر کو چڑھتا جاتا ہے کہ بعض حیوان درمیان میں ایسے آ گئے ہیں کہ ان پر نظر ڈالنے سے معلوم

﴿۲۴۵﴾ جنؔ کو کچھ تو نفسانی تحریفوں کے کیڑے نے کھالیا اور کچھ وہ پہلے ہی سے بودی اور سوراخ دار اور فطرتی عفونتوں کو ساتھ رکھتے ہیں۔

اب ہم اپنی پہلی کلام کی طرف رجوع کر کے کہتے ہیں کہ وید برکات روحانیہ اور محبت الٰہیہ تک پہنچانے سے قاصر اور عاجز ہے اور کیونکر قاصر و عاجز نہ ہو وہ وسائل جن سے یہ نعمتیں حاصل

بقیہ حاشیہ

﴿۲۴۵﴾ ہوؔتا ہے کہ گویا وہ انسان اور حیوان میں برزخ ہیں۔ مثلاً بندر۔

اور یہ دقیقہ کہ تمام کامل انسانوں میں سے ایک ہی اکمل واتم انسان پر اختتام سلسلہ کائنات ہوتا ہے یہ ایک ایسے دائرہ کے کھینچنے سے جو دو قوسوں پر مشتمل ہو سمجھ میں آسکتا ہے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ وجود واجب وممکن جس تناسب سے روحانی طور پر واقع ہے اگر اس امر معقول کو ایک صورت محسوسیہ میں دکھلایا جائے تو ایک ایسے دائرہ کی شکل نکل آئے گی جس کا انقسام دو قوسوں پر ہوگا جن میں سے ایک قوس اعلیٰ اور دوسرا قوس ادنیٰ ہوگا اس طرح پر قوس اعلیٰ تقسیم و انقسام سے بکلّی منزہ اور درک عقل وفہم وقیاس وگمان سے بالاتر ہے لیکن قوس ادنیٰ جو موجودات ممکن الوجود کا قوس ہے وہ باعتبار شدت وضعف وزیادت نقصان مراتب متفاوتہ ومختلفہ پر مشتمل ہے۔ کیونکہ یہ بات نہایت ظاہر ہے کہ انسانی ترقیات کا سارا سلسلہ وتر کے کسی ایک ہی نقطہ پر ختم نہیں ہوسکتا وجہ یہ کہ جس نقطہ فطرتیہ سے کوئی نفس اوپر کو ترقی کرنا شروع کرے گا اس کی سیدھی رفتار اسی نقطہ انتہائی تک ہوگی جو اس کی جبلّت اور استعداد کے پیش رو پڑا ہوا ہے۔ اب فرض کرو کہ مثلاً نقاط ج د ب ک جو استعدادات مختلفہ انسانیہ کے فطرتی نقطے ہیں نقاط ع ص ط م تک جو ان کے پیش رو نقاط پڑے ہیں جن کی طرف

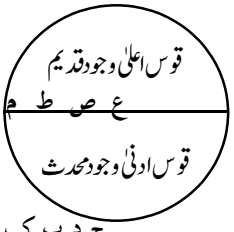

﴿۲۴۶﴾ ہوتی ہیں یعنی طریقہ حقّہ خداشناسی ومعرفت نعماء الٰہی و بجاآوری اعمال صالحہ وتحصیل اخلاق مرضیہ وتزکیہ نفس عن رذائل نفسیہ ان سب معارف کے صحیح اور حق طور پر بیان کرنے سے وید بکلی محروم ہے۔ کیا کوئی آریہ صفحہ زمین پر ہے کہ ہمارے مقابل پر ان امور میں وید کا قرآن شریف سے مقابلہ کر کے دکھلاوے؟ اگر کوئی زندہ ہو تو ہمیں اطلاع دے

بقیہ حاشیہ

﴿۲۴۶﴾ وہ بخط مستقیم قدم بڑھا سکتے ہیں۔ ترقی کریں تو یہ خطوط مستقیمہ ترقی کی اپنی عمودی حالت میں وتر کے اُن اُن نقاط کو جا ملیں گے جو ٹھیک ٹھیک ان کے محاذات میں پڑے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس سفلی قوس میں ایک نقطہ ایسا بھی ضرور ہے کہ جو ٹھیک ٹھیک نقطہ مرکز کے محاذ ہے اب فرض کرو کہ وہ نقطہ ج ہے جو مرکز ع کے محاذ ہے اسی طرح نقطہ د کا خط ص اور نقطہ ب کا خط ط اور نقطہ ک کا خط م کا محاذ ہے جب کہ یہ امر بداہت ظاہر ہے تو اب ہم کہتے ہیں کہ ثبوت ہندسے سے باستعانت انیسویں شکل مقالہ اول اقلیدس وسینتالیسویں شکل مقالہ مذکور بپایہ صداقت پہنچ سکتا ہے کہ اگر کسی طرف محیط کے کئی نقاط فرض کر کے قطر دائرہ تک خطوط مستقیمہ عمودی حالت میں کھینچے جائیں تو سب سے بڑا وہ خط مستقیم ہوگا جو نقطہ مرکز تک پہنچے گا۔☆ اور یہ امر

☆ حاشیہ در حاشیہ

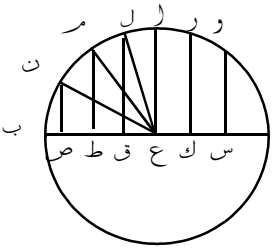

فرض کرو کہ دائرہ آ ب س ج کے قوس ب ج آل میں نقاط و ، ر ، ل ، م ، ن سے خطوط مستقیم وس اور رک ، ع ، ل ق ، م ط ، ن ص ، ج ب قطر کے نقاط س ، ک ، ع ، ق ، ط ، ص تک عمودی حالت میں کھینچے ہوئے ہیں اور ان میں آ ع وہ خط مستقیم ہے جو کہ مرکز ع تک کہ نقطہ آ کا

﴿۲۴۷﴾ اور جس امر میں امور دینیہ میں سے چاہے اطلاع دے تو ہم ایک رسالہ بالتزام آیات بیّنات و دلائل عقلیہ قرآنی تالیف کر کے اس غرض سے شائع کر دیں گے کہ تا اسی التزام سے وید کے معارف اور اس کی فلاسفی دکھلائی جائے اور اس تکلیف کشی کے عوض میں ایسے ویدخوان کے لئے ہم کسی قدر انعام بھی کسی ثالث کے پاس جمع کرادیں گے جو غالب ہونے کی

بقیہ حاشیہ

﴿۲۴۷﴾ اس بات کو ثابت کرنے والا ہے کہ نقطہ مرکز تمام نقاط وتر قوسین کی نسبت جو ترقیات انسانیہ کے انتہائی نشان ہیں ارفع واعلیٰ ہے پس اس سے بالضرورت ماننا پڑتا ہے کہ جس قدر مختلف استعدادیں قوس بشریت میں داخل ہیں ان میں سے صرف ایک ہی ایسی استعداد ہے جو سب استعدادات کی نسبت بلندتر وکامل تر ہے۔

اور ثبوت اس بات کو جو صاحب اس استعداد کامل کا اصلی وحقیقی طور پر جناب سیدنا ومولانا **حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم** ہیں ان پیشگوئیوں سے ہوسکتا ہے جن میں سے بعض کو ہم نے اسی حاشیہ میں لکھ دیا ہے اور نیز ایک عمدہ ثبوت اس بات کا قرآن شریف سے بھی مل سکتا ہے کیونکہ کمالیت وحی حسب کمالیت مورد وحی ہوا کرتی ہے جس قدر کسی مورد وحی کی استعداد بلند ہوتی ہے۔ جو ہر فطرت مُصفّا ہوتا ہے۔ جذبات محبّت نمایاں

بقیہ حاشیہ در حاشیہ

محاذ ہی کھینچا ہوا ہے اب ہم ثابت کریں گے کہ ان خطوط میں سب سے بڑا (ع ہوگا جو مرکز تک کھینچا ہوا ہے۔ ملاؤ ع ل و ع م و ع ن بموجب فرض کے زاویہ قَ قائمہ ہے تو (بحکم ۳۲ ش م ۱) زاویہ ل عَ ق حادہ ہوا اس لئے (بحکم ۱۹ ش م ۱) کے ضلع لَ ع بڑا ہوا ضلع لَ ق سے اور بموجب فرض

﴿۲۴۸﴾ حالتؔ میں اس کو ملے گا۔ شرط یہی ہے کہ وہ ویدوں کو پڑھ سکتا ہو تا ہمارے وقت کو ناحق ضائع نہ کرے۔

جاننا چاہئے کہ جو شخص حق سے اپنے تئیں آپ دور لے جاوے اس کو ملعون کہتے ہیں اور جو حق کے حاصل کرنے میں اپنے نفس کی آپ مدد کرے اس کو مقرون کہتے ہیں۔ اب

بقیہ حاشیہ

﴿۲۴۸﴾ ہوتؔے ہیں اور حرکت شوقیہ میں تیزی اور گرمی ہوتی ہے اور وفا اور صدق میں قیام اور استحکام ہوتا ہے اسی قدر اس کی وحی میں کمال ہوتا ہے۔ اب ہماری طرف سے یہ دعویٰ ہے جس کو ہم بمقابل ہر یک فریق کے ثابت کرنے کو طیّار ہیں کہ وحی قرآنی اپنی تعلیم اور اپنے معارف اور برکات اور علوم میں ہر یک وحی سے اقویٰ و اعلیٰ ہے اور اس کے اثبات میں کسی قدر ہم کتاب براہین میں لکھ بھی چکے ہیں اور اکثر حصہ اس کتاب کا جو انشاء اللہ رسالہ سراج منیر کے بعد چھپنا شروع ہوگا انہیں ثبوتوں سے بھرا ہوا ہے۔ اور ہم نے اپنی کتاب براہین میں جس کے ساتھ دس ہزار روپیہ کا اشتہار ہے نہایت معقول اور مدلّل طور پر ثابت کر دیا ہے کہ فی الحقیقت قرآن شریف اپنے معارف اور حکمتوں اور پُر برکت تأثیروں اور بلاغتوں میں اس حد تک پہنچا ہوا ہے جس تک پہنچنے سے انسانی طاقتیں عاجز ہیں اور جس کا مقابلہ کوئی بشر نہیں کر سکتا اور نہ کوئی دوسری کتاب

بقیہ حاشیہ در حاشیہ

کے زاویہ قؔ و طؔ ہر ایک قائمہ ہے۔ اس لئے (بحکم ۴۷ ش م ل) مربع عؔ لؔ برابر ہوا مربع لؔ قؔ اور ق ع کے اور مربع ع م کا برابر ہے مربع عؔ ط اور طؔ م کے۔

چونکہ (بحکم ۱۵ احدم ل) خط مستقیم عؔ لؔ برابر ہے عؔ مؔ کے اس لئے مربع

﴿۲۴۹﴾ ہمارے مقابل پر مقرون یا ملعون بننا آریوں کے ہاتھ میں ہے اگر کوئی باتمیز آریہ جو ویدوں کی حقیقت سے خبر رکھتا ہو موازنہ ومقابلہ وید وقرآن کے نیّت سے تین ماہ کے عرصہ تک میدان میں آ گیا اور ہماری طرف سے جو رسالہ بحوالہ آیات ودلائل قرآنی تالیف ہو وید کی شرتیوں کے رو سے اس نے ردّ کر کے دکھلا دیا تو اس نے وید اور وید کے پیروؤں

بقیہ حاشیہ

﴿۲۴۹﴾ کرسکتی ہے اور حقیقی اور کامل معجزہ اپنے نبی کریم کی رسالت ثابت کرنے کے لئے یہی بڑا بھاری معجزہ اہل اسلام کے ہاتھ میں ہمیشہ کے لئے قیامت تک ہے جو اب بھی ایسا ہی تازہ بتازہ موجود ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں موجود تھا اور اب بھی مخالفوں کو ایسا ہی لاجواب اور رسوا کر رہا ہے جیسے وہ پہلے کرتا تھا اب اس تمام تقریر کا مدعا وخلاصہ یہ ہے کہ عندالعقل قرب الٰہی کے مراتب تین قسم پر منقسم ہیں اور تیسرا مرتبہ قرب کا جو مظہر اتم الوہیت اور آئینہ خدانما ہے حضرت سیدنا ومولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مسلّم ہے جس کی شعاعیں ہزار ہا دلوں کو منور کر رہی ہیں۔ اور بے شمار سینوں کو اندرونی ظلمتوں سے پاک کر کے نور قدیم تک پہنچا رہی ہیں۔ وللّٰہ درُّ القائل۔

محمدؐ عربی بادشاہِ ہر دو سرا کرے ہے روحِ قدُس جس کے در کی دَربانی

بقیہ حاشیہ درحاشیہ

ع ق اور ق ل کا برابر ہوا مربع ع ط اور ط م کے اور ظاہر ہے کہ خط ع ق چھوٹا ہے ع ط سے اس لئے مربع ل ق بڑا ہوا مربع م ط سے پس خط مستقیم ل ق بڑا ہوا خط مستقیم م ط سے۔ اسی طرح ثابت ہوسکتا ہے کہ م ط بڑا ہے ن ص سے علیٰ ہذا ثابت ہوسکتا ہے

﴿۲۵۰﴾ کی عزت رکھ لی اور مقرون کے معزّز خطاب سے ملقب ہوگیا لیکن اگر اس عرصہ میں کسی ویددان نے تحریک نہ کی تو وہ خطاب جو مقرون کے مقابل پر ہے سب نے اپنے لئے قبول کرلیا اور اگر پھر باز نہ آویں تو آخر الحیل مباہلہ ہے جس کی طرف ہم پہلے اشارت کرآئے ہیں۔ مباہلہ کے لئے ویدخوان ہونا ضروری نہیں ہاں باتمیز اور ایک باعزت اور نامور آریہ ضرور چاہیئے جس کا اثر دوسروں پر بھی پڑ سکے سو سب سے پہلے لالہ مرلیدھر صاحب اور پھر لالہ جیونداس صاحب سیکرٹری آریہ سماج لاہور اور پھر منشی اندرمن صاحب مرادآبادی اور پھر کوئی اور دوسرے صاحب آریوں میں سے جو معزّز اور ذی علم تسلیم کئے گئے ہوں مخاطب کئے جاتے ہیں کہ اگر وہ وید کی ان تعلیموں کو جن کو کسی قدر ہم اس رسالہ میں تحریر کرچکے ہیں۔ فی الحقیقت صحیح اور سچے سمجھتے ہیں اور ان کے مقابل جو قرآن شریف کے اصول و تعلیمیں اسی رسالہ

﴿۲۵۰﴾ **بقیہ حاشیہ** اُسے خدا تو نہیں کہہ سکوں یہ کہتا ہوں کہ اُس کے مرتبہ دانی میں ہے خدادانی

کیا ہی خوش نصیب وہ آدمی ہے جس نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشوائی کے لئے قبول کیا اور قرآنِ شریف کو رہنمائی کے لئے اختیار کرلیا۔ اللّٰھم صلّ علی سیّدنا و مولانا محمدٍ و اٰلہٖ و اصحابہٖ اجمعین. الحمدللّٰہِ الّذی ھدٰی قلبنا لِحُبّہٖ و لحب رسولہ و جمیع عبادہِ المُقرّبین۔

تا بر دلم نظر شد از مہر ماہ مارا کردست سیم خالص قلبِ سیاہِ مارا

بقیہ حاشیہ در حاشیہ کہ اٰع بڑا ہے رکؔ سے اور رکؔ بڑا ہے وسؔ سے۔ پس ثابت ہوا کہ اٰع جو مرکز تک کھنچا ہے سب خطوط سے بڑا ہے یہی ہمارا دعویٰ تھا فقط۔ منہ۔

﴿۲۵۱﴾ میں بیان کی گئی ہیں ان کو باطل اور دروغ خیال کرتے ہیں تو اس بارہ میں ہم سے مباہلہ کرلیں اور کوئی مقام مباہلہ کا برضامندی فریقین قرار پا کر ہم دونوں فریق تاریخ مقررہ پر اس جگہ حاضر ہو جائیں اور ہر یک فریق مجمع عام میں اٹھ کر اس مضمون مباہلہ کی نسبت جو اس رسالہ کے خاتمہ میں بطور نمونہ اقرار فریقین قلم جلی سے لکھا گیا ہے تین مرتبہ قسم کھا کر تصدیق کریں کہ ہم فی الحقیقت اس کو سچ سمجھتے ہیں اور اگر ہمارا بیان راستی پر نہیں تو ہم پر اسی دنیا میں وبال اور عذاب نازل ہو۔ غرض جو جو عبارتیں ہر دو کاغذ مباہلہ میں مندرج ہیں جو جانبین کے اعتقاد ہیں بحالت دروغ گوئی عذاب مترتب ہونے کے شرط پر ان کی تصدیق کرنی چاہیئے اور پھر فیصلہ آسمانی کے انتظار کے لئے ایک برس کی مہلت ہوگی پھر اگر برس گزرنے کے بعد مؤلف رسالہ ہذا پر کوئی عذاب اور وبال نازل ہوا یا حریف مقابل پر نازل نہ ہوا تو ان دونوں صورتوں میں یہ عاجز قابل تاوان پانسو روپیہ ٹھہرے گا جس کو برضامندی فریقین خزانہ سرکاری میں یا جس جگہ بآسانی وہ روپیہ مخالف کو مل سکے داخل کر دیا جائے گا اور درحالت غلبہ خود بخود اس روپیہ کے وصول کرنے کا فریق مخالف مستحق ہوگا اور اگر ہم غالب آئے تو کچھ بھی شرط نہیں کرتے کیونکہ شرط کے عوض میں وہی دعا کے آثار کا ظاہر ہونا کافی ہے۔ اب ہم ذیل میں مضمون ہر دو کاغذ مباہلہ کو لکھ کر رسالہ ہذا کو ختم کرتے ہیں وباللہ التوفیق۔

بقیہ حاشیہ

لطف عمیم دلبر ہر دم مرا بخواند ہر چند می زنند ایں اغیار راہِ مارا
درکوئے دلستانم چوں خاک کوشب وروز دیگر نشان چہ باشد اقبال وجاہِ مارا

منہ

نمّونہ مضمون مباھلہ از جانب مؤلف رسالہ ھذا ﴿۲۵۲﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

بعد حمد و صلٰوۃ میں عبداللہ الاحد الصمد احمد ولد میرزا غلام مرتضٰی صاحب مرحوم (جو مؤلّف کتاب بَراھین احمدیّہ ہوں) حضرت خداوند کریم جلّ شانہٗ وعزّ اسمہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اکثر حصّہ اپنی عمر عزیز کا تحقیق دین میں خرچ کر کے ثابت کرلیا ہے کہ دنیا میں سچا اور منجانب اللہ مذہب دین اسلام ہے اور حضرت سیّدنا و مولٰینا محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالٰی کے رسول اور افضل الرُسل ہیں اور قرآن شریف اللہ جلّ شانہٗ کا پاک و کامل کلام ہے جو تمام پاک صداقتوں اور سچائیوں پر مُشتمل ہے اور جو کچھ اس کلام مقدّس میں

﴿۲۵۳﴾ ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وجوبِ ذاتی اور قدامت ہستی اور قُدرت کاملہ اور اپنے دوسرے جمیع صفات میں واحد لاشریک ہے اور سب مخلوقات کا خالق اور سب ارواح اور اجسام کا پیدا کنندہ ہے اور صادق اور وفادار ایمانداروں کو ہمیشہ کے لئے نجات دے گا اور وہ رحمان اور رحیم اور توبہ قبول کرنے والا ہے ایسا ہی دوسری صفاتِ الٰہیّہ و دیگر تعلیمات جو قُرآن شریف میں لکھی ہیں یہ سب صحیح اور درست ہیں اور میں دلی یقین سے ان سب امور کو سچ جانتا ہوں اور دل و جان سے ان پر یقین رکھتا ہوں اور اگرچہ ان کی سچائی پر صدہا عقلی دلائل جو قطعی اور یقینی ہیں اللہ جلّ شانہٗ نے مجھ کو عطا کی ہیں لیکن ایک اور فضل اُس کا مجھ پر یہ بھی ہوا ہے جو اس نے براہِ راست مجھ کو اپنے کلام اور الہام سے مشرف کر کے دوہرا ثبوت ان سچائیوں کا مجھ کو دے دیا ہے اب میری یہ حالت ہے کہ جیسے ایک شیشہ عطرِ خالص سے بھرا ہوا ہوتا ہے ایسا ہی میرا دل اس یقین سے بھرا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام قُرآنِ شریف تمام برکات دینیہ کا

﴿۲۵۴﴾ مجموعہ ہے اور فی الحقیقت خدائے تعالیٰ سب موجودات کا موجد اور تمام ارواح اور اجسام کا پیدا کنندہ اور ہر قسم کی خیر اور نیکی اور فیض کا مبدء ہے اور اس کا پاک رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم سچا وصادق وکامل نبی ہے جس کی پیروی پر فلاح آخرت موقوف ہے لیکن میرا فلاں مخالف (اِس جگہ اس مخالف کا نام جو مباہلہ کے لئے بالمقابل آئے گا لکھا جائے گا) جو اس وقت میرے مقابلہ کے لئے حاضر ہے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ نعوذ باللہ جناب سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم سچے نبی نہیں ہیں اور جعل سازی سے قُرآنِ شریف کو بنالیا ہے اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ خدائے تعالیٰ ارواح اور اجسام کا پیدا کنندہ نہیں اور کسی پرستار اور سچے ایماندار کو نجاتِ ابدی کبھی نہیں ملے گی اور جو کچھ ویدوں میں بھرا ہوا ہے وہ حقیقت میں سب سچ ہے اور اس کے برخلاف جو قُرآن شریف میں ہے وہ سب جھوٹ ہے سوائے خدائے قادر مطلق تو ہم دونوں فریقوں میں سچا فیصلہ کر اور ہم دونوں میں سے جو شخص اپنے بیانات میں اور اپنے عقائد میں جھوٹا ہے اور بصیرت کی راہ سے نہیں بلکہ تعصّب اور ضدّ کی راہ سے ایسی باتیں

﴿۲۵۵﴾ مُنہ پر لاتا ہے جن پر یقین کرنے کے لئے کوئی قطعی دلیل اس کے ہاتھ میں نہیں اور نہ اس کا دل نور یقین سے بھرا ہوا ہے بلکہ سراسر ضدّ اور طرفداری اور ناخدا ترسی سے ایسی باتیں بناتا ہے جن پر اس کا دل قائم نہیں اس پر تو اے قادر کبیر ایک سال تک کوئی اپنا عذاب نازل کر اور اس کی پردہ دری کر کے جو شخص حق پر ہے اس کی مدد فرما اور لعنت سے بھرے ہوئے دکھ کی مار ایسے شخص کو پہنچا کہ جو دانستہ سچائی سے دور اور راستی کا دشمن اور راست باز کا مخالف ہے کیونکہ سب قدرت اور انصاف اور عدالت تیرے ہی ہاتھ میں ہے آمین یارب العلمین فقط۔

نمونہ مضمون مباهله از طرف آریه صاحب فریق مخالف

میں فُلاں ابنِ فُلاں قسم کھا کر اور حلف اٹھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اوّل سے آخر تک رسالہ **سُرمہ چشم آریہ** کو پڑھ لیا اور اس کے دلائل کو بخوبی سمجھ لیا میرے دل پر اُن دلیلوں نے کچھ اثر نہیں کیا اور نہ میں ان کو سچ سمجھتا ہوں اور میں اپنے پرمیشر کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جیسا کہ ویدوں میں لکھا ہے کہ میں اس بات پر پختہ یقین رکھتا ہوں کہ میری روح اور

﴿۲۵۶﴾ جیو کا کوئی ربّ یعنے پیدا کنندہ نہیں ایسا ہی میرا جسمی مادہ بھی پیدا کرنے والے سے بکلّی بے نیاز ہے۔ میں پرمیشر کی طرح خود بخود ہوں اور واجب الوجود اور قدیم اور انادی ہوں۔ میری روح اور میرا جسمی مادہ کسی دوسرے کے سہارے سے نہیں بلکہ قدیم سے یہ دونوں ٹکڑے میرے وجود کے قائم بالذّات ہیں۔ ایسا ہی وید کی اس تعلیم پر بھی میرا کامل یقین ہے کہ مکتی یعنے نجات ہمیشہ کے لئے کسی کو نہیں مل سکتی اور ہمیشہ عزّت کے بعد ذلّت کا دورہ لگا ہوا ہے۔ میں وید کی ان سب تعلیموں کو دلی یقین سے مانتا ہوں کہ پرمیشر ایک ذرّہ کے پیدا کرنے پر بھی قادر نہیں اور نہ بغیر عمل کسی عامل کے ایک ذرہ کسی پر رحمت کرسکتا ہے اور نہ بغیر ہزاروں جونوں میں ڈالنے کے ایک ذرہ گناہ توبہ یا استغفار یا سچی پرستش اور محبت سے بخش سکتا ہے اور میں وید کے رو سے اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ چاروں وید ضرور ایشر کا کلام ہے جو ہمیشہ اور قدیم سے ہر نئی دنیا میں ہمارے ہی آریہ دیس میں چار رشیوں پر جو اگنی اور وایو وغیرہ ہی اترتا رہا ہے کبھی اس سے باہر نہیں اترا اور نہ کبھی ہماری زبان سنسکرت کے سوا

﴿۲۵۷﴾ کسی دوسری زبان میں آیا اور ہمارے دیس سے باہر جو ہزاروں پیغمبر آئے ہیں اور کئی کتابیں لائے ہیں میں دلی یقین سے ان سب کو جعلساز اور ان کی کتابوں کو جعلی تحریریں خیال کرتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ ان غیر ملکوں میں سب جھوٹے آتے رہے کبھی ایک ملہم بھی سچا نہیں آیا اور یہ سچائی ہمارے آریہ دیس سے ہی خاص رہی اور اسی سے پرمیشر کا دائمی تعلق اور پیوند رہا ہے اور ہمیشہ آئندہ بھی اسی سے رہے گا ایسا ہی میں قرآن اور اس کے اصولوں اور تعلیموں کو جو وید کے اصولوں اور تعلیموں سے برخلاف ہے جھوٹ اور جعل جانتا ہوں لیکن میرا فریق مخالف جو مؤلف رسالہ سرمہ چشم آریہ ہے وہ قرآن کو خدا کا کلام جانتا ہے اور اس کی سب تعلیموں کو درست اور صحیح سمجھتا ہے اور وید اور اس کے ان اصولوں اور دوسری تعلیموں کو جو قرآن کے مخالف ہیں سراسر غلط اور جھوٹ خیال کرتا ہے سو اب اے ایشر تو ہم دونوں فریقوں میں سچا فیصلہ کر اور جس فریق کے اصول اور اعتقاد جھوٹے اور ناپاک ہیں جن کو وہ کسی ناپاک کتاب کی رو سے مانتا ہے اس کو ذلیل اور رسوا کر اور ہم دونوں

﴿۲۵۸﴾ میں سے وہ شخص جو تیری نظر میں کاذب اور دروغ گو ہے اور اس کے عقاید اور اصول تیری توہین اور ہتکِ عزّت کا موجب ہیں اور دانستہ ان کا پابند ہو رہا ہے اس کو اے ایشر ایسے دکھ کی مار پہنچا اور ایسی لعنت سے بھری ہوئی اس کی رسوائی کر کہ ایک سال کے عرصہ تک وہ لعنت کا اثر جو عذاب مولم ہے ظاہر ظاہر اس کو پہنچ جائے۔ اے ایشر تو ایسا ہی کر کیونکہ کاذب صادق کی طرح کبھی تیرے حضور میں عزت نہیں پا سکتا۔ آمین فقط۔

تمّت

﴿۲۵۹﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشتہار صداقت انوار

بغرض دعوت مقابلہ چہل روزہ

گرچہ ہر کس زِرہِ لاف بیانی دارد صادق آنست کہ از صدق نشانی دارد

ہمارے اشتہارات گزشتہ کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ ہم نے اس سے پہلے یہ اشتہار دیا تھا کہ جو معزّز آریہ صاحب یا پادری صاحب یا کوئی اور صاحب مخالف اسلام ہیں اگر ان میں سے کوئی صاحب ایک سال تک قادیان میں ہمارے پاس آ کر ٹھہرے تو درصورت نہ دیکھنے کسی آسمانی نشان کے چوبیس سورُوپیہ انعام پانے کا مستحق ہوگا۔ سو ہر چند ہم نے تمام ہندوستان و پنجاب کے پادری صاحبان و آریہ صاحبان کی خدمت میں اسی مضمون کے خط رجسٹری کرا کر بھیجے مگر کوئی صاحب قادیان میں تشریف نہ لائے۔ بلکہ منشی اندرمن صاحب کیلئے تو مبلغ چوبیس سورُوپیہ نقد لاہور میں بھیجا گیا تو وہ کنارہ کر کے فریدکوٹ کی طرف چلے گئے ہاں ایک صاحب پنڈت لیکھرام نام پشاوری قادیان میں ضرور آئے تھے اور ان کو بار بار کہا گیا کہ اپنی حیثیت کے موافق بلکہ اس تنخواہ سے دوچند جو پشاور میں نوکری کی حالت میں پاتے تھے ہم سے بحساب ماہواری لینا کر کے ایک سال تک ٹھہرو اور اخیر پر یہ بھی کہا گیا کہ اگر ایک سال تک منظور نہیں تو چالیس دن تک ہی ٹھہرو تو انہوں نے ان دونوں صورتوں میں سے کسی صورت کو منظور نہیں کیا اور خلاف واقعہ سراسر دروغ بیفروغ اشتہارات چھپوائے سو ان کیلئے تو رسالہ سُرمہ چشم آریہ میں دوبارہ یہی چالیس دن تک اس جگہ رہنے کا پیغام تحریر کیا گیا ہے ناظرین اس کو پڑھ لیں لیکن یہ اشتہار اتمام حجت کی غرض سے بمقابل منشی جیونداس صاحب جو سب آریوں

﴿۲۶۰﴾

کی نسبت شریف اور سلیم الطبع معلوم ہوتے ہیں اور لالہ مرلیدھر صاحب ڈرائینگ ماسٹر ہوشیار پور جو وہ بھی میری دانست میں آریوں میں سے غنیمت ہیں اور منشی اندرمن صاحب مراد آبادی جو گویا دوسرا مصرعہ سورستی صاحب کا ہیں اور مسٹر عبداللہ آتھم صاحب سابق اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر رئیس امرتسر جو حضرات عیسائیوں میں سے شریف اور سلیم المزاج آدمی ہیں اور پادری **عماد الدین** لاہز صاحب امرتسری اور پادری **ٹھاکر داس** صاحب مؤلف کتاب **اظہار عیسوی** شائع کیا جاتا ہے کہ اب ہم بجائے ایک سال کے صرف چالیس روز اس شرط سے مقرر کرتے ہیں کہ جو صاحب آزمائش و مقابلہ کرنا چاہیں وہ برابر چالیس دن تک ہمارے پاس قادیان میں یا جس جگہ اپنی مرضی سے ہمیں رہنے کا اتفاق ہو رہیں اور برابر حاضر رہیں پس اس عرصہ میں اگر ہم کوئی امر پیشگوئی جو خارق عادت ہو پیش نہ کریں یا پیش تو کریں مگر بوقت ظہور وہ جھوٹا نکلے یا وہ جھوٹا تو نہ ہو مگر اسی طرح صاحب ممتحن اس کا مقابلہ کر کے دکھلا دیں تو مبلغ پانسو روپیہ نقد بحالت مغلوب ہونے کے اسی وقت بلا توقف ان کو دیا جائے گا لیکن اگر وہ پیشگوئی وغیرہ بہ پایۂ صداقت پہنچ گئی تو صاحب مقابل کو بشرف اسلام مشرف ہونا پڑے گا۔ اور یہ بات نہایت ضروری قابل یادداشت ہے کہ پیشگوئیوں میں صرف زبانی طور پر نکتہ چینی کرنا یا اپنی طرف سے شرائط لگانا ناجائز اور غیر مسلّم ہوگا بلکہ سیدھا راہ شناخت پیشگوئی کا یہی قرار دیا جائے گا کہ اگر وہ پیشگوئی صاحب مقابل کی رائے میں کچھ ضعف یا شک رکھتی ہے یا ان کی نظر میں قیافہ وغیرہ سے مشابہ ہے تو اسی عرصہ چالیس روز میں وہ بھی ایسی پیشگوئی ایسے ہی ثبوت سے ظاہر کر کے دکھلاویں اور اگر مقابلہ سے عاجز رہیں تو پھر حجّت ان پر تمام ہوگی اور بحالت سچے نکلنے پیشگوئی کے بہرحال انہیں مسلمان ہونا پڑے گا اور یہ تحریریں پہلے سے جانبین میں تحریر ہو کر انعقاد پا جائیں گی چنانچہ اس رسالہ کے شائع ہونے کے وقت سے یعنے ۲۰ ستمبر ۱۸۸۶ء سے ٹھیک تین ماہ کی مہلت صاحبان موصوف کو دی جاتی ہے اگر اس عرصہ میں ان کی طرف سے اس مقابلہ کے لئے کوئی منصفانہ تحریک نہ ہوئی تو یہ سمجھا جائے گا کہ وہ گریز کر گئے۔ والسلام علیٰ من اتّبع الہدیٰ۔

المشتہر

خاکسار **غلام احمد** از قادیان ضلع گورداسپور پنجاب

﴿۱﴾

اشتہار مفید الاخیار

جاگو جاگو آریو نیند نہ کرو پیار

چونکہ آج کل اکثر ہندوؤں اور آریوں کی یہ عادت ہو رہی ہے کہ وہ کچھ کچھ کتابیں عیسائیوں کی جو اسلام کی نکتہ چینی میں لکھی گئی ہیں دیکھ کر اور ان پر پورا پورا اطمینان کر کے اپنے دلوں میں خیال کر لیتے ہیں کہ حقیقت میں یہ اعتراضات درست اور واقعی ہیں۔ اس لئے قرین مصلحت سمجھ کر اس عام اشتہار کے ذریعہ سے اطلاع دی جاتی ہے کہ اول تو عیسائیوں کی کتابوں پر اعتماد کر لینا اور براہِ راست کسی فاضل اہل اسلام سے اپنی عقدہ کشائی نہ کرانا اور اپنے اوہام فاسدہ کا محققین اسلام سے علاج طلب نہ کرنا اور خائنین عناد پیشہ کو امین سمجھ بیٹھنا سراسر بے راہی ہے جس سے طالب حق کو پرہیز کرنا چاہیئے۔ دانشمند لوگ خوب جانتے ہیں کہ یہ جو پادری صاحبان پنجاب اور ہندوستان میں آ کر اپنے مذہب کی تائید میں دن رات ہزارہا منصوبے باندھ رہے ہیں یہ ان کے ایمانی جوش کا تقاضا نہیں بلکہ انواع اقسام کے اغراض نفسانی ان کو ایسے کاموں پر آمادہ کرتے ہیں اگر وہ انتظام مذہبی جس کے باعث سے یہ لوگ ہزارہا روپیہ تنخواہیں پاتے ہیں درمیان سے اٹھایا جاوے تو

﴿۲﴾ پھر دیکھنا چاہیئے کہ ان کا جوش وخروش کہاں ہے۔ ماسوا اس کے ان لوگوں کی ذاتی علمیّت اور دماغی روشنی بھی بہت کم ہوتی ہے اور یورپ کے ملکوں میں جو واقعی دانا اور فلاسفر اور دقیق النظر ہیں وہ پادری کہلانے سے کراہت اور عار رکھتے ہیں اور ان کو ان کے بیہودہ خیالات پر اعتقاد بھی نہیں بلکہ یورپ کے عالی دماغ حکما کی نگاہوں میں پادری کا لفظ ایسا خفیف اور دور از فضیلت سمجھا جاتا ہے کہ گویا اس لفظ سے یہ مفہوم لازم پڑا ہوا ہے کہ جب کسی کو پادری کر کے پکارا جاوے تو ساتھ ہی دل میں یہ بھی گزر جاتا ہے کہ یہ شخص اعلیٰ درجہ کی علمی تحصیلوں اور لیاقتوں اور باریک خیالات سے بے نصیب ہے اور جس قدر ان پادری صاحبان نے اہل اسلام پر مختلف قسم کے اعتراضات کر کے اور بار بار ٹھوکریں کھا کر اپنے خیالات میں پلٹے کھائے ہیں اور طرح طرح کی ندامتیں اٹھا کر پھر اپنے اقوال سے رجوع کیا ہے۔ یہ بات اس شخص کو بخوبی معلوم ہوگی کہ جو ان کے اور فضلاء اسلام کے باہمی مباحثات کی کتابوں پر ایک محیط نظر ڈالے۔ ان کے اعتراضات تین قسم سے باہر نہیں۔ یا تو ایسے ہیں کہ جو سراسر افترا اور بہتان ہے جن کی اصلیت کسی جگہ پائی نہیں جاتی اور یا ایسے ہیں کہ فی الحقیقۃ وہ باتیں ثابت تو ہیں لیکن محل اعتراض نہیں محض سادہ لوحی اور کور باطنی اور قلتِ تدبّر کی وجہ سے ان کو جائے اعتراض سمجھ لیا ہے اور یا بعض ایسے امور ہیں کہ کسی قدر تو سچ ہیں جو ایک ذرہ جائے اعتراضات نہیں ہو سکتے اور باقی سب بہتان اور افترا ہیں جو ان کے ساتھ ملائے گئے ہیں۔ اب افسوس تو یہ ہے کہ آریوں نے اپنے گھر کی عقل کو بالکل استعفا دے کر ان کی ان تمام دور از صداقت کارروائیوں کو سچ مچ صحیح اور درست سمجھ لیا ہے اور بعض آریہ ایسے بھی ہیں کہ وہ قرآن شریف کا ترجمہ کسی جگہ سے ادھورا سا دیکھ کر یا کوئی قصہ

﴿۳﴾ بے سروپا کسی جاہل یا مخالف سے سن کر جھٹ پٹ اس کو بناء اعتراض قرار دے دیتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں خدائے تعالیٰ کا خوف نہیں ہوتا اس کی عقل بھی بباعث تعصب اور عناد کی زہروں کے نہایت ضعیف اور مردہ کی طرح ہو جاتی ہے اور جو بات عین حکمت اور معرفت کی ہو وہ اس کی نظر سقیم میں سراسر عیب دکھائی دیتی ہے سو اسی خیال سے یہ اشتہار جاری کیا جاتا ہے اور ظاہر کیا جاتا ہے کہ جس قدر اصول اور تعلیمیں قرآن شریف کی ہیں وہ سراسر حکمت اور معرفت اور سچائی سے بھری ہوئی ہیں اور کوئی بات ان میں ایک ذرّہ مؤاخذہ کے لائق نہیں اور چونکہ ہر ایک مذہب کے اصولوں اور تعلیموں میں صدہا جزئیات ہوتی ہیں اور ان سب کی کیفیت کا معرض بحث میں لانا ایک بڑی مہلت کو چاہتا ہے اس لئے ہم اس بارہ میں قرآن شریف کے اصولوں کے منکرین کو ایک نیک صلاح دیتے ہیں کہ اگر ان کو اصول اور تعلیمات قرآنی پر اعتراض ہو تو مناسب ہے کہ وہ اول بطور خود خوب سوچ کر دو تین ایسے بڑے سے بڑے اعتراض بحوالہ آیاتِ قرآنی پیش کریں جو ان کی دانست میں سب اعتراضات سے ایسی نسبت رکھتے ہوں جو ایک پہاڑ کو ذرّہ سے نسبت ہوتی ہے یعنی ان کے سب اعتراضوں سے ان کی نظر میں اقویٰ و اشد اور انتہائی درجہ کے ہوں جن پر ان کی نکتہ چینی کی پُرزور نگاہیں ختم ہو گئی ہوں اور نہایت شدت سے دوڑ دوڑ کر انہیں پر جا ٹھہری ہوں سو ایسے دو یا تین اعتراض بطور نمونہ پیش کر کے حقیقت حال کو آزما لینا چاہیئے کہ اس سے تمام اعتراضات کا بآسانی فیصلہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اگر بڑے اعتراض بعد تحقیق ناچیز نکلے تو پھر چھوٹے اعتراض ساتھ ہی نابود ہو جائیں گے اور اگر ہم ان کو کافی وشافی جواب دینے سے قاصر رہے اور کم سے کم یہ ثابت نہ کر دکھایا کہ جن اصولوں اور تعلیموں کو فریق مخالف نے بمقابلہ ان اصولوں اور تعلیموں کے اختیار کر رکھا ہے وہ ان کے مقابل پر نہایت درجہ رذیل اور ناقص اور دور از صداقت خیالات ہیں تو ایسی حالت میں فریق مخالف کو در حالت مغلوب ہونے کے فی اعتراض پچاس روپیہ بطور تاوان دیا جائے گا۔

﴿۴﴾ لیکن اگر فریق مخالف انجام کار جھوٹا نکلا اور وہ تمام خوبیاں جو ہم اپنے ان اصولوں یا تعلیموں میں ثابت کر کے دکھلا دیں بمقابل ان کے وہ اپنے اصولوں میں ثابت نہ کرسکا تو پھر یاد رکھنا چاہیئے کہ اسے بلاتوقف مسلمان ہونا پڑے گا اور اسلام لانے کے لئے اول حلف اٹھا کر اسی عہد کا اقرار کرنا ہوگا اور پھر بعد میں ہم اس کے اعتراضات کا جواب ایک رسالہ مستقلہ میں شائع کرادیں گے۔ اور جو اس کے بالمقابل اصولوں پر ہماری طرف سے حملہ ہوگا اس حملہ کی مدافعت میں اس پر لازم ہوگا کہ وہ بھی ایک مستقل رسالہ شائع کرے اور پھر دونوں رسالوں کے چھپنے کے بعد کسی ثالث کی رائے پر یا خود فریق مخالف کے حلف اٹھانے پر فیصلہ ہوگا جس طرح وہ راضی ہوجائے لیکن شرط یہ ہے کہ فرق مخالف نامی علماء میں سے ہو اور اپنے مذہب کی کتاب میں مادہ علمی بھی رکھتا ہو اور بمقابل ہمارے حوالہ اور بیان کے اپنا بیان بھی بحوالہ اپنی کتاب کے تحریر کرسکتا ہو۔ تا ناحق ہمارے اوقات کو ضائع نہ کرے۔ اور اگر اب بھی کوئی نا منصف ہمارے اس صاف صاف منصفانہ طریق سے گریز اور کنارہ کرجائے اور بدگوئی اور دشنام دہی اور توہین اسلام سے بھی باز نہ آوے تو اس سے صاف ظاہر ہوگا کہ وہ کسی حالت میں اس لعنت کے طوق کو اپنے گلے سے اتارنا نہیں چاہتا کہ جو خدائے تعالیٰ کی عدالت اور انصاف نے جھوٹوں اور بے ایمانوں اور بدزبانوں اور بخیلوں اور متعصبوں کے گردن کا ہار کر رکھا ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔

بالآخر واضح رہے کہ اس اشتہار کے جواب میں ۲۰ ستمبر ۱۸۸۶ء سے تین ماہ تک کسی پنڈت یا پادری جواب دہندہ کا انتظار کیا جائے گا اور اگر اس عرصہ میں علماء آریہ وغیرہ خاموش رہے تو انہیں کی خاموشی ان پر حجت ہوگی۔

المشتھر

خاکسار **غلام احمد** مؤلف رسالہ سرمہ چشم آریہ

﴿۱﴾

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

اشتہار محک اخیار واشرار

ہم نے الفت میں تری بار اٹھایا کیا کیا تجھ کو دکھلا کے فلک نے ہے دکھایا کیا کیا

ہر ایک مومن اور پاک باطن اپنے ذاتی تجربہ سے اس بات کا گواہ ہے کہ جو لوگ صدق دل سے اپنے مولیٰ کریم جلّ شانہٗ سے کامل وفاداری اختیار کرتے ہیں وہ اپنے ایمان اور صبر کے اندازہ پر مصیبتوں میں ڈالے جاتے ہیں اور سخت سخت آزمائشوں میں مبتلا ہوتے ہیں ان کو بدباطن لوگوں سے بہت کچھ رنجدہ باتیں سننی پڑتی ہیں اور انواع اقسام کے مصائب وشدائد کو اٹھانا پڑتا ہے اور نااہل لوگ طرح طرح کے منصوبے اور رنگارنگ کے بہتان ان کے حق میں باندھتے ہیں اور ان کے نابود کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں یہی عادت اللہ ان لوگوں سے جاری ہے جن پر اس کی نظر عنایت ہے غرض جو اس کی نگاہ میں راست باز اور صادق ہیں وہ ہمیشہ جاہلوں کی زبان اور ہاتھ سے تکلیفیں اٹھاتے چلے آئے ہیں سو چونکہ سنت اللہ قدیم سے یہی ہے اس لئے اگر ہم بھی خویش و بیگانہ سے کچھ آزار اٹھائیں تو ہمیں شکر بجالانا چاہیئے اور خوش ہونا چاہیئے کہ ہم اس محبوب حقیقی کی نظر میں اس لائق تو ٹھہرے کہ اس کی راہ میں دکھ دیئے جائیں اور ستائے جائیں سو اس طرح پر دکھ اٹھانا تو ہماری عین سعادت ہے لیکن جب ہم دوسری طرف دیکھتے ہیں کہ بعض دشمنان دین اپنی افترا پردازی سے صرف ہماری ایذا رسانی پر کفایت نہیں کرتے بلکہ بے تمیز اور بے خبر لوگوں کو فتنہ میں ڈالتے ہیں تو اس صورت میں ہم اپنے نفس پر واجب سمجھتے ہیں کہ حتی الوسع ان ناواقف لوگوں کو فتنہ سے بچاویں۔

سو واضح ہو کہ بعض مخالف ناخدا ترس جن کے دلوں کو زنگ تعصب وبخل نے سیاہ کر رکھا ہے ہمارے اشتہار مطبوعہ ۸/اپریل ۱۸۸۶ء کو یہودیوں کی طرح محرف ومبدل کر کے اور کچھ کے کچھ معنے بنا کر ﴿۲﴾

سادہ لوح لوگوں کو سناتے ہیں اور نیز اپنی طرف سے اشتہارات شائع کرتے ہیں تا دھوکا دے کر ان کے یہ ذہن نشین کریں کہ جو لڑکا پیدا ہونے کی پیشگوئی تھی اس کا وقت گزر گیا اور وہ غلط نکلی۔ ہم اس کے جواب میں صرف لعنت اللہ علی الکاذبین کہنا کافی سمجھتے ہیں لیکن ساتھ ہی ہم افسوس بھی کرتے ہیں کہ ان بے عزّتوں اور دیوثوں کو بباعث سخت درجہ کے کینہ اور بخل اور تعصب کے اب کسی کی لعنت ملامت کا بھی کچھ خوف اور اندیشہ نہیں رہا اور جو شرم اور حیا اور خدا ترسی لازمہ انسانیت ہے وہ سب نیک خصلتیں ایسی ان کی سرشت سے اٹھ گئی ہیں کہ گویا خدائے تعالیٰ نے ان میں وہ پیدا ہی نہیں کیں اور جیسے ایک بیمار اپنی صحت یابی سے نوامید ہو کر اور صرف چند روز زندگی سمجھ کر سب پرہیزیں توڑ دیتا ہے اور جو چاہتا ہے کھا پی لیتا ہے اسی طرح انہوں نے بھی اپنی مرض کینہ اور تعصب اور دشمنی کو ایک آزار لاعلاج خیال کر کے دل کھول کر بد پرہیزیاں اور بے راہیاں شروع کی ہیں جن کا انجام بخیر نہیں۔ تعصّب اور کینہ کے سخت جنون نے کیسی ان کی عقل ماردی ہے نہیں دیکھتے کہ اشتہار ۲۲؍ مارچ ۱۸۸۶ء میں صاف صاف تولّدِ فرزند موصوف کے لئے نو برس کی میعاد لکھی گئی ہے اور اشتہار ۸؍اپریل ۱۸۸۶ء میں کسی برس یا مہینے کا ذکر نہیں اور نہ اس میں یہ ذکر ہے جو نو برس کی میعاد رکھی گئی تھی اب وہ منسوخ ہوگئی ہے ہاں اس اشتہار میں ایک یہ فقرہ ذوالوجوہ درج ہے کہ مدّتِ حمل سے تجاوز نہیں کرسکتا۔ مگر کیا اسی قدر فقرہ سے یہ ثابت ہوگیا کہ مدّتِ حمل سے ایام باقی ماندہ حمل موجودہ مراد ہیں کوئی اور مدت مراد نہیں اگر اس فقرہ کے سر پر اس کا لفظ ہوتا تو بھی اعتراض کرنے کے لئے کچھ گنجائش نکل سکتی مگر جب الہامی عبارت کے سر پر اس کا لفظ (جو مخصص وقت ہوسکتا ہے) وارد نہیں تو پھر خواہ نخواہ اس فقرہ سے وہ معنی نکالنا جو اس صورت میں نکالے جاتے جو اس کا لفظ فقرہ مذکور کے سر پر ہوتا اگر بے ایمانی اور بد دیانتی نہیں تو اور کیا ہے۔ دانشمند آدمی جس کی عقل اور فہم میں کچھ آفت نہیں اور جس کے دل پر کسی تعصب یا شرارت کا حجاب نہیں وہ سمجھ سکتا ہے کہ کسی ذوالوجوہ فقرہ کے معنی کرنے کے وقت وہ سب احتمالات مدّنظر رکھنی چاہیئے جو اس فقرہ سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ سو فقرۂ مذکورہ بالا یعنی یہ کہ مدت حمل سے تجاوز نہیں کرسکتا۔ ایک ذوالوجوہ فقرہ ہے جس کی ٹھیک ٹھیک وہی تشریح ہے جو میر عباس علی شاہ

﴿۳﴾

صاحب لدھانوی نے اپنے اشتہار آٹھ جون ۱۸۸۶ء میں کی ہے یعنے یہ کہ مدت موعودہ حمل سے (جو نو برس ہے) یا مدت معہودہ حمل سے (جو طبیبوں کے نزدیک اڑھائی برس یا کچھ زیادہ ہے) تجاوز نہیں کرسکتا۔ اگر حمل موجودہ میں حصر رکھنا مخصوص ہوتا تو عبارت یوں چاہئے تھی کہ اس باقی ماندہ ایّامِ حمل سے ہرگز تجاوز نہیں کرے گا اور اسی وجہ سے ہم نے اس اشتہار میں اشارہ بھی کردیا تھا کہ وہ فقرہ مذکورہ بالا حمل موجودہ سے مخصوص نہیں ہے مگر جو دل کے اندھے ہیں وہ آنکھوں کے اندھے بھی ہوجاتے ہیں۔

بالآخر ہم یہ بھی لکھنا چاہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک بڑی حکمت اور مصلحت ہے کہ اس نے اب کی دفعہ لڑکا عطا نہیں کیا کیونکہ اگر وہ اب کی دفعہ ہی پیدا ہوتا تو ایسے لوگوں پر کیا اثر پڑسکتا جو پہلے ہی سے یہ کہتے تھے کہ قواعد طبّی کے رو سے حمل موجودہ کی علامات سے ایک حکیم آدمی بتلا سکتا ہے کہ کیا پیدا ہوگا اور پنڈت لیکھرام پشاوری اور بعض دیگر مخالف اس عاجز پر یہی الزام رکھتے تھے کہ ان کو فن طبابت میں مہارت ہے انہوں نے طبّ کے ذریعہ سے معلوم کرلیا ہوگا کہ لڑکا پیدا ہونے والا ہے اسی طرح ایک صاحب محمد رمضان نام نے پنجابی اخبار ۲۰ / مارچ ۱۸۸۶ء میں چھپوایا کہ لڑکا پیدا ہونے کی بشارت دینا منجانب اللہ ہونے کا ثبوت نہیں ہوسکتا۔ جس نے ارسطو کا ورکس دیکھا ہوگا حاملہ عورت کا قارورہ دیکھ کر لڑکا یا لڑکی پیدا ہونا ٹھیک ٹھیک بتلا سکتا ہے اور بعض مخالف مسلمان یہ بھی کہتے تھے کہ اصل میں ڈیڑھ ماہ سے یعنی پیشگوئی بیان کرنے سے پہلے لڑکا پیدا ہوچکا ہے جس کو فریب کے طور پر چھپا رکھا ہے اور عنقریب مشہور کیا جائے گا کہ پیدا ہوگیا۔ سو یہ اچھا ہوا کہ خدا تعالیٰ نے تولد فرزند مسعود موعود کو دوسرے وقت پر ڈال دیا ورنہ اگر اب کی دفعہ ہی پیدا ہوجاتا تو ان مضریاتِ مذکورہ بالا کا کون فیصلہ کرتا۔ لیکن اب تولد فرزند موصوف کی بشارت غیب محض ہے نہ کوئی حمل موجود ہے تا ارسطو کے ورکس یا جالینوس کے قواعد حمل دانی بالمعارضہ پیش ہوسکیں اور نہ اب کوئی بچہ چھپا ہوا ہے تا وہ مدّت کے بعد نکالا جائے بلکہ نو برس کے عرصہ تک تو خود اپنے زندہ رہنے کا ہی حال معلوم نہیں اور نہ یہ معلوم کہ اس عرصہ تک کسی قسم کی اوّلا دخواہ نخواہ پیدا ہوگی چہ جائیکہ لڑکا پیدا ہونے پر کسی اٹکل سے قطع اور یقین کیا جائے اخیر پر ہم یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ اخبار مذکورہ بالا میں منشی محمد رمضان صاحب نے تہذیب سے گفتگو نہیں کی بلکہ دینی مخالفوں کی طرح جابجا مشہور افترا پردازوں سے

﴿۴﴾

اس عاجز کو نسبت دی ہے اور ایک جگہ پر جہاں اس عاجز نے ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں یہ پیشگوئی خدائے تعالیٰ کی طرف سے بیان کی تھی کہ اس نے مجھے بشارت دی ہے کہ بعض بابرکت عورتیں اس اشتہار کے بعد بھی تیرے نکاح میں آئیں گی اور ان سے اولاد پیدا ہوگی اس پیشگوئی پر منشی صاحب فرماتے ہیں کہ الہام کئی قسم کا ہوتا ہے نیکوں کو نیک باتوں کا اور زانیوں کو عورتوں کا۔ ہم اس جگہ کچھ لکھنا نہیں چاہتے ناظرین منشی صاحب کی تہذیب کا آپ اندازہ کرلیں۔ پھر ایک اور صاحب ملازم دفتر ایگریمر صاحب ریلوے لاہور کے جو اپنا نام نبی بخش ظاہر کرتے ہیں اپنے خط مرسلہ ۱۳ر جون ۱۸۸۶ء میں اس عاجز کو لکھتے ہیں کہ تمہاری پیشگوئی جھوٹی نکلی اور دختر پیدا ہوئی اور تم حقیقت میں بڑے فریبی اور مکار اور دروغگو آدمی ہو۔ ہم اس کے جواب میں بجز اس کے کیا کہہ سکتے ہیں کہ اے خدائے قادر مطلق یہ لوگ اندھے ہیں۔ ان کو آنکھیں بخش یہ نادان ہیں ان کو سمجھ عطا کر یہ شرارتوں سے بھرے ہوئے ہیں ان کو نیکی کی توفیق دے۔ بھلا کوئی اس بزرگ سے پوچھے کہ وہ فقرہ یا لفظ کہاں ہے جو کسی اشتہار میں اس عاجز کے قلم سے نکلا ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ لڑکا اسی حمل میں پیدا ہوگا اس سے ہرگز تخلف نہیں کرے گا۔ اگر میں نے کسی جگہ ایسا لکھا ہے تو میاں نبی بخش صاحب پر واجب ہے کہ اس کو کسی اخبار میں چھپادیں۔ اس عاجز کے اشتہارات پر اگر کوئی منصف آنکھ کھول کر نظر ڈالے تو اسے معلوم ہوگا کہ ان میں کوئی بھی ایسی پیشگوئی درج نہیں جس میں ایک ذرہ غلطی کی بھی گرفت ہوسکے بلکہ وہ سب سچی ہیں اور عنقریب اپنے وقت پر ظہور پکڑ کر مخالفین کی ذلت اور رسوائی کا موجب ہوں گی۔ دیکھو ہم نے ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء میں جو یہ پیشگوئی اجمالی طور پر لکھی تھی کہ ایک امیر نووارد پنجابی الاصل کو کچھ ابتلا درپیش ہے کیسی وہ سچی نکلی۔ ہم نے صدہا ہندوؤں اور مسلمانوں کو مختلف شہروں میں بتلا دیا تھا کہ اس شخص پنجابی الاصل سے مراد دلیپ سنگھ ہے جس کی پنجاب میں آنے کی خبر مشہور ہو رہی ہے لیکن اس ارادہ سکونت پنجاب میں وہ ناکام رہے گا بلکہ اس سفر میں اس کی عزت و آسائش یا جان کا خطرہ ہے اور یہ پیشگوئی ایسے وقت میں لکھی گئی اور عام طور پر بتلائی گئی تھی یعنی ۲ر فروری ۱۸۸۶ء کو جبکہ اس ابتلا کا کوئی اثر و نشان ظاہر نہ تھا۔ بالآخر اس کو مطابق اسی پیشگوئی کے بہت حرج اور تکلیف اور سُبکی اور خجالت اٹھانی پڑی اور اپنے مدعا سے محروم رہا سو دیکھو اس پیشگوئی کی صداقت کیسی کھل گئی اسی طرح سے اپنے اپنے وقت پر سب پیشگوئیوں کی سچائی ظاہر ہوگی اور دشمن روسیاہ نہ ایک دفعہ بلکہ کئی دفعہ رسوا ہوں گے۔ یہ خدائے تعالیٰ کا فعل ہے جو ابھی تک انہیں اندھا کر رکھا ہے ان کے دلوں کو سخت کر دیا اور ہمارے دل میں درد اور خیر خواہی کا طوفان مچا دیا سو اس مشکل کے حل کے لئے اسی کی جناب میں تضرّع کرتے ہیں۔ اے خدا نور دہ ایں تیرہ دردنانے را۔ یا مدہ درد دگر ہیچ خدا دانے را۔

والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

المشتہر خاکسار غلام احمد مؤلف براہین احمدیہ از قادیان ضلع گورداسپور پنجاب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ اَفۡضَلُ الرُّسُلِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنِ

اشتہار

کتاب براہین احمدیہ جس کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے مؤلف نے ملہم و مامور ہو کر بغرض اصلاح و تجدید دین تالیف کیا ہے جس کے ساتھ دس ہزار روپیہ کا اشتہار ہے جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں منجانب اللہ وسچا مذہب جس کے ذریعہ انسان خدا تعالیٰ کو ہر یک عیب اور نقص سے بری سمجھ کر اس کی تمام پاک اور کامل صفتوں پر دلی یقین سے ایمان لاتا ہے وہ فقط اسلام ہے جس میں سچائی کی برکتیں آفتاب کی طرح چمک رہی ہیں اور صداقت کی روشنی دن کی طرح ظاہر ہو رہی ہے اور دوسرے تمام مذہب ایسے بدیہی البطلان ہیں کہ نہ عقلی تحقیقات سے ان کے اصول صحیح اور درست ثابت ہوتے ہیں اور نہ ان پر چلنے سے ایک ذرہ روحانی برکت وقبولیتِ الٰہی مل سکتی ہے بلکہ ان کی پابندی سے انسان نہایت درجہ کا کور باطن اور سیہ دل ہو جاتا ہے جس کی شقاوت پر اسی جہان میں نشانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اس کتاب میں دین اسلام کی سچائی کو دو طرح پر ثابت کیا گیا ہے (۱) اوّل تین سو مضبوط اور قوی دلائل عقلیہ سے جن کی شان وشوکت وقدر ومنزلت اس سے ظاہر ہے کہ اگر کوئی مخالف اسلام ان دلائل کو توڑ دے تو اس کو دس ہزار روپیہ دینے کا اشتہار دیا ہوا ہے اگر کوئی چاہے تو اپنی تسلی کے لئے عدالت میں رجسٹری بھی کرالے۔ (۲) دوم ان آسمانی نشانوں سے کہ جو سچے دین کی کامل سچائی ثابت ہونے کے لئے ازبس ضروری ہیں۔ اس امر دوئم میں مؤلف نے اس غرض سے کہ سچائی دین اسلام کی آفتاب کی طرح روشن ہو جائے تین قسم کے نشان ثابت کر کے دکھائے ہیں اول وہ نشان کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مخالفین نے خود حضرت ممدوح کے ہاتھ سے اور آنجناب کی دعا اور توجہ اور برکت سے ظاہر ہوتے دیکھے جن کو مؤلف یعنی اس خاکسار نے تاریخی طور پر ایک اعلیٰ درجہ کے ثبوت سے مخصوص وممتاز کر کے درج کتاب کیا ہے۔ دوم وہ نشان کہ جو خود قرآن شریف کی ذات بابرکات میں دائمی اور ابدی اور بے مثل طور پر پائے جاتے ہیں جن کو راقم نے بیان شافی اور کافی سے ہر یک عام وخاص پر کھول دیا ہے اور کسی نوع کا عذر کسی کے لئے باقی نہیں رکھا سوم وہ نشان کہ جو کتاب اللہ کی پیروی اور متابعت رسول برحق سے کسی شخص تابع کو بطور وراثت ملتے ہیں جن کے اثبات میں اس بندہ درگاہ نے بفضل خداوند حضرت قادر مطلق یہ بدیہی ثبوت دکھلایا ہے کہ بہت سے سچے الہامات اور خوارق اور کرامات اور اخبار غیبیہ اور اسرار لدنیہ اور کشوف صادقہ اور دعائیں قبول شدہ کہ جو خود اس خادم دین سے صادر ہوئی ہیں اور جن کی

صداقت پر بہت سے مخالفین مذہب (آریوں وغیرہ سے) بشہادت ورؤیت گواہ ہیں کتاب موصوف میں درج کئے ہیں اور مصنف کو اس بات کا بھی علم دیا گیا ہے کہ وہ **مجدّد** وقت ہے اور روحانی طور پر اس کے کمالات **مسیح بن مریم** کے کمالات سے مشابہ ہیں اور ایک کو دوسرے سے بشدت مناسبت اور مشابہت ہے اور اس کو خواص انبیاء ورسل کے نمونہ پر محض بہ برکت متابعت حضرت خیر البشر وافضل الرسل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان بہتوں پر اکابر اولیا سے فضیلت دی گئی ہے کہ جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں اور اس کے قدم پر چلنا موجب نجات وسعادت و برکت اور اس کے برخلاف چلنا موجب بُعد وحرمان ہے یہ سب ثبوت کتاب **براہین احمدیہ** کے پڑھنے سے کہ جو منجملہ تین سو جزو کے قریب ۳۷ جزو کے چھپ چکی ہے ظاہر ہوتے ہیں اور طالب حق کے لئے خود مصنف پوری پوری تسلی وتشفی کرنے کو ہر وقت مستعد اور حاضر ہے۔ **وذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ولا فخر والسلام علی من اتبع الھدی**۔ اور اگر اس اشتہار کے بعد بھی کوئی شخص سچا طالب بن کر اپنی عقدہ کشائی نہ چاہے اور دلی صدق سے حاضر نہ ہو تو ہماری طرف سے اس پر اتمام حجت ہے جس کا خدا تعالیٰ کے روبرو اس کو جواب دینا پڑے گا۔ بالآخر اس اشتہار کو اس دعا پر ختم کیا جاتا ہے کہ اے خداوند کریم تمام قوموں کے مستعد دلوں کو ہدایت بخش کہ تا تیرے رسول مقبول افضل الرسل **محمد مصطفیٰ** صلی اللہ علیہ وسلم اور تیرے کامل ومقدس کلام **قرآن شریف** پر ایمان لاویں اور اس کے حکموں پر چلیں تا ان تمام برکتوں اور سعادتوں اور حقیقی خوش حالیوں سے متمتع ہو جاویں کہ جو سچے مسلمان کو دونوں جہانوں میں ملتی ہیں اور اس جاودانی نجات اور حیات سے بہرہ ور ہوں کہ جو نہ صرف عُقبیٰ میں حاصل ہو سکتی ہے بلکہ سچے راست باز اسی دنیا میں اس کو پاتے ہیں بالخصوص قوم **انگریز** جنہوں نے ابھی تک اس آفتاب صداقت سے کچھ روشنی حاصل نہیں کی اور جن کی شائستہ اور مہذب اور بارحم **گورنمنٹ** نے ہم کو اپنے احسانات اور دوستانہ معاملات سے ممنون کر کے اس بات کے لئے دلی جوش بخشا ہے کہ ہم ان کے دنیا ودین کے لئے دلی جوش سے بہبودی وسلامتی چاہیں تا ان کے گورے وسپید مُنہ جس طرح دنیا میں خوبصورت ہیں آخرت میں بھی نورانی ومنور ہوں۔ **فنسئل اللہ تعالیٰ خیرھم فی الدنیا و الآخرۃ اللھم اھدھم و ایدھم بروح منک و اجعل لھم حظًا کثیرًا فی دینک و اجذبھم بحولک و قوتک لیومنوا بکتابک و رسولک و یدخلوا فی دین اللہ افواجًا آمین ثم آمین و الحمد للہ ربّ العالمین۔**

المشتھر

خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور ملک پنجاب

(بیس ہزار اشتہار چھاپے گئے)

regards spiritual excellence, my virtues bear a very close similarity and strict analogy to those of Jesus Christ, in the same way as the distinguished chief of Prophets were assigned a higher rank than that of other Prophets. I also by virtue of being a follower of the August Person. (the benefactor of mankind, the best of the messengers of God) am favoured with a higher rank than, that assigned to many of the Saints and Holy Personages preceding me. To follow my footsteps will be a blessing and the means of salvation whereas any antogonism to me will result in estrangement and disappointment, All these evidences will be found by perusal of the book which will consist of nearly 4800 pages of which about 592 pages have been published. I am always ready to satisfy and convince any seeker of truth. . **"All this is a Grace of God** He gives it to whome-soever. He likes and there is no bragging in this." "Peace be to all the followers of righteousness!"

If after the publication of this notice any one does not take the trouble of becoming earnest enquirer after the truth and does not come forward with an unbiased mind to seek it then my challenging (discussion) with him ends here and he shall be answerable to God.

Now I conclude this notice with the following prayer: Oh Gracious God! guide the pliable hearts of all the nations, so that they may have faith on Thy chosen Prophet (Muhammad) and on Thy holy Al.Quran, and that they may follow the commandments contained therein, so that they may thus be benefited by the peace and the true happiness which are specially enjoyed by the true Muslims in both the worlds, and may obtain absolution and eternal life which is not only procurable in the next world, but is also enjoyed by the truthful and honest people even in this world. Expecially the English nation who have not as yet availed themselves of the sunshine of truth, and whose civilized, prudent and merciful empire has, by obliging us by kindness and friendly, treatment, exceedingly encouraged us to try our utmost for their numerous acts of welfare, so that their fair faces may shine with heavenly effulgence in the next We beseech God for their well being in this world and the next. Oh God! guide them and help them with Thy grace, and instil in their minds the love for Thy religion, and attract them with Thy power, so that they may have faith on Thy Book and Prophet, and embrace Thy religion in groups Amen! Amen!"

"Praise be to God the supporter of creation!"

(Sd) MIRZA GHULAM AHMAD
Chief of Qadian, District Gurdaspur, Punjab, India

TRANSLATION OF THE VERNACULAR NOTICE ON REVERSE

Being inspired and commanded by God, I have undertaken the compilation of a book named "Barahin-i-Ahmadia." with the object of reforming and reviewing the religion, and have offered a revawrd of R& 10.000 to any one who would prove the arguments brought forward therein to be false. My object in this Book is to show that only true and the only revealed religion by means of which one might know God to be free from blemish, and obtain a strong conviction as to the perfection of His attributes is the religion of Islam, in which the blessings of truth shine forth like sun, and the impress of veracity is as vividly bright as the daylight. All other religions are so palpably and manifestly false that neither their principles can stand the test of reasoning nor their followers experience least spiritual edification. On the contrary those religions so obscure the mind divest of discernment that signs of future misery among the followers become apparent even in this world.

That the Muhammadan religion is the only true religion has been shown in this book in two ways (1st), By means of 300 very strong and sound arguments based on mental reasoning (their congency and sublimity being inferred from the fact that a reward of Rs. 10,000 has been offered by me to any one refuting them, and from my further readiness to have this offer registered for the satisfaction of any one who might ask for it); (2) From these Divine signs which are essential for the complete and satisfactory proof of a true religion With a view to establish that Muhammadan religion is the only true religion in the world, I have adduced under this latter head 3 kinds of evidences (1) The miracles performed by the Prophet during his life time either by deeds or words which were witnessed by people of other persuasions and are inserted in this book in a chronological order (based on the best kind of evidences): (2), The marks which are inseparably adherent in the Al.Quran itself, and are perpetual and are everlasting, the nature of which has been fully expounded for facility of comprehension (3), The signs which by way of inheritances devolve on any believer in the Book of God and the follower of the true Prophet. As an illustration of this, I, the humble creature of God, by His help have clearly evinced myself to be possessed of such virtues by the achieving of many unusual and supernatural deeds by foretelling future events and secrets, and by obtaining from God the objects of my prayers to all of which many persons of different persuasions like the Aryas, & c., have been eye-witness (A full description of these will be found in the said book).

I am also inspired that I am the Reformer of my time, and that as

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

اشتہار انعامی پانسو روپیہ

دربارہ کتاب لاجواب کحل الجواہر سُرمہ چشم آریہ جو آریوں کے وید اور اُن کے عقاید اور اصول کو باطل اور دور از صدق ثابت کرتی ہے

سرمہ چشم آریہ پُر درد پُر ز گوہرست بیں زِسرِ جستجو ازیں ظاہرست ☆

۱۳۰۳

یہ کتاب یعنے سرمہ چشم آریہ بتقریب مباحثہ لالہ مرلیدھر صاحب ڈرائینگ ماسٹر ہوشیار پور جو عقائد باطلہ وید کی بکلّی بیخ کنی کرتی ہے اس دعویٰ اور یقین سے لکھی گئی ہے کہ کوئی آریہ اس کتاب کا رد نہیں کرسکتا کیونکہ سچ کے مقابل پر جھوٹ کی کچھ پیش نہیں جاتی اور اگر کوئی آریہ صاحب ان تمام وید کے اصولوں اور اعتقادوں کو جو اس کتاب میں رد کئے گئے ہیں سچ سمجھتا ہے اور اب بھی وید اور اس کے ایسے اصولوں کو ایشر کرت ہی خیال کرتا ہے تو اس کو اسی ایشر کی قسم ہے کہ اس کتاب کا رد لکھ کر دکھلاوے اور پانسو روپیہ انعام پاوے۔ یہ پانسو روپیہ بعد تصدیق کسی ثالث کے جو کوئی پادری یا برہمو صاحب ہوں گے دیا جائے گا اور ہمیں یاں تک منظور ہے کہ اگر منشی جیونداس صاحب سیکرٹری آریہ سماج لاہور جو اس گروونواح کے آریہ صاحبوں کی نسبت سلیم الطبع اور معزّز اور شریف آدمی ہیں بعد رد چھپ جانے اور عام طور پر شائع ہو جانے کے مجمع عام علماء مسلمانوں اور آریوں اور معزّز عیسائیوں وغیرہ میں معہ اپنے عزیز فرزندوں کے حاضر ہوں اور پھر اٹھ کر قسم کھالیں کہ ہاں میرے دل نے بہ یقینِ کامل قبول کرلیا ہے کہ سب اعتراضات رسالہ سرمہ چشم آریہ جن کو میں نے اوّل سے آخر تک بغور دیکھ لیا ہے۔

☆ حاشیہ۔ یہ شعر نتائج طبع مولوی محمد یوسف صاحب سنوری سے ہے جزا ھم اللہ خیرًا۔ منہ۔

اور خوب توجہ کر کے سمجھ لیا ہے۔☆ اس تحریر سے ردّ ہو گئے ہیں۔ اور اگر میں دلی اطمینان اور پوری سچائی سے یہ بات نہیں کہتا تو اس کا ضرر اور وبال اسی دنیا میں مجھ پر اور میری اسی اولاد پر جو اس وقت حاضر ہے پڑے۔ تو بعد ایسی قسم کھا لینے کے صرف منشی صاحب موصوف کی شہادت سے پانسو روپیہ نقد ردّ کنندہ کو اسی مجمع میں بطور انعام دیا جائے گا۔ اور اگر منشی صاحب موصوف عرصہ ایک سال تک ایسی قسم کے بداثر سے محفوظ رہے تو آریوں کے لئے بلاشبہ یہ حجت ہوگی کہ صاحب موصوف نے اپنی دلی صداقت سے اپنے علم اور فہم کے مطابق قسم کھائی تھی۔ والسلام علی من اتبع الھدی۔

المشـــتهر

خاکسار غلام احمد از قادیان ضلع

گورداسپور پنجاب

☆ حاشیہ۔ اس جگہ منشی جیونداس صاحب پر لازم ہوگا کہ سب اعتراضات مندرجہ رسالہ سرمہ چشم آریہ حاضرین کو صحیح صحیح طور پر سنا بھی دیں۔ منہ۔